



Class No. ۳۱

Book No. ۱۱۲

U 974

9-12-05

Qitle - ILM KALAM.

Creator - Shibli Khannu

Publisher - Matba Masrif (Ajaygarh).

Date - 1341 H

Pages - 85

Subjects - Islam - ilm kalam; Islam -  
Aqaid - O - Falsafa.



# الکلام

یعنی

علم کلام جدید، حسین اسلام کے عقائد کو فلسفہٴ حال کے مقابلہ میں ثابت کیا گیا ہے،

از

حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ

بانتھام مسیحی دہلی ندوی

مطبع معارف اعظم گڑھ میں چھپی

طبع چہارم، ۱۳۳۱ھ

CHECKED

Date... ۱۱/۱۱/۴۸

\*\*\*\*\*



M A LIBRARY, A M U.



1 974

CHECKED-2002

f.v.

DUPLICATE  
۲۱۰  
ش ۱۲  
۱۹۳۹

# فہرست الکلام حصہ دوم

ہندسہ	مضمون کتاب	ہندسہ	مضمون کتاب
۲۵	ایک اعلیٰ تر مذہب کے کیا اصول فراپا سکتے ہیں	۱	دوسیا چہ
۲۶	عقل اور مذہب	۲	علم کلام جدید
۲۷	اسلام کی نقیض	۳	جدید علم کلام کی تدوین کا طریقہ
۳۰	وجود باری	۴	امام غزالی نے تصحیح کی ہے کہ انھوں نے
۳۱	وجود باری کا طریقہ استدلال	۵	کتب متداولہ میں اصل حقیقت ظاہر نہیں کی
۳۲	ارسطو کا استدلال	۶	علوم جدیدہ اور مذہب
۳۳	بوعلی سینا کا استدلال	۷	مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے
۳۴	مشکمین کا استدلال	۸	عقل کلی
۳۵	وجود باری پر قرآن مجید کا طریقہ استدلال	۹	نور ایمان
۳۶	خدا کا خیال انسان کی فطرت میں داخل ہے	۱۰	مذہب کے فطری ہونے کی دوسری دلیل
۳۷	وجود باری پر استدلال	۱۱	تیسری دلیل
۳۸	حکمائے یورپ کی شہادت	۱۲	مذہب اسلام
۳۹	ملاحظہ یعنی منکرین خدا کے اعتراضات	۱۳	تمام مذاہب میں کسی ایک کی ترجیح کی وجہ
۴۰	خدا کے وجود پر ملاحظہ قدیم کا اعتراض	۱۴	یورپ کو مذہب سے کیوں مخالفت ہے
۴۱	ماتوین	۱۵	فطری مذہب
۴۲	ماتوین کس بنا پر خدا کے قائل نہیں	۱۶	فطری مذہب کا خاکہ

ہندسہ	مضمون کتاب	ہندسہ	مضمون کتاب
۷۱	مجرہ سے نبوت پر استدلال	۴۴	عالم کا وجود خدا کے بغیر فرض کیا جاسکتا ہے یا نہیں
۷۲	عام اعتراضات	۴۶	خدا تمام اشیاء کا بالذات خالق ہے یا بواسطہ
۷۶	نبوت اور خرق عادت کی اصلی حقیقت	۴۷	تو ان میں قدرت خود بنتے ہیں
۷۷	کیا خرق عادت ممکن ہے؟	۴۸	صور نوعیہ قدیم ہیں یا حادث
۷۸	خرق عادت کا خیال انسان کو کیونکر پیدا ہوتا ہے؟	۵۰	خدا کا وجود محسوسات سے ماخوذ نہیں
۷۸	صرت اشاعرہ سلسلہ اسباب کے منکر ہیں	۵۱	منکرین خدا کے دلائل
۷۹	خرق عادت کے متعلق لوگوں میں جو اختلاف ہے	۵۲	ملاحظہ کے اعتراضات کا جواب
۷۹	وہ نزاع لفظی ہے	۵۳	ملاحظہ کے اعتراضات کا رد
۸۰	خرق عادت کے متعلق اشاعرہ میں اختلاف رائے	۵۵	تمام توانے قدرت با ہم موافق اور معاون ہیں
۸۰	بوعلی سینا کی رائے	۵۹	توحید
۸۱	واقعات پر یقین کرنے کے کیا اصول ہیں	۶۱	توحید پر استدلال
۸۲	خرق عادت نبوت کا لازمہ ہے یا نہیں	۶۲	توحید فی الصفات فی العبادات
۹۰	نبوت کی حقیقت	۶۳	نبوت
۹۱	نبوت کی ایک دوسری تشریح	۶۴	نبوت کی تشریح سب سے پہلے جا خطر نے کی
۹۱	امام رازی اس دوسرے طریقہ کو زیادہ پسند کرتے ہیں	۶۵	خرق عادت کے مسئلہ کی بنا
۹۱	اس طریقہ کا ثبوت قرآن مجید سے	۶۶	نبوت پر اعتراضات
۹۱	امام رازی کے نزدیک نبوت کی حقیقت	۶۷	اشاعرہ کے نزدیک نبوت کی حقیقت
		۶۸	مجرہ کی تعریف

مضمون کتاب	ہندسہ	مضمون کتاب	ہندسہ
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت	۱۳۰	شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک نبوت کی حقیقت	۹۳
عیسائیوں کا یہ دعویٰ کہ آنحضرت نے قریت		نبوت کے متعلق امام غزالی کی رائے	۹۷
و انجیل کی تعلیم پائی تھی	۱۳۲	نبوت کے ثبوت کا ایک اور طریقہ	۹۹
عقائد میں تقلید کرنا شرک ہے	۱۳۴	نبوت کے متعلق محدث ابن حزم کی رائے	۱۰۱
تفصیلی عقائد	۱۳۵	نبوت کی تصدیق کیونکر ہوتی ہے	۱۰۳
وجود باری کی نسبت تمام اہل مذاہب کی غلطیاں	۱۳۶	انبیاء کی تعلیم و ہدایت کا طریقہ	۱۰۵
توحید خالص و تہریم کی بت پرستی کا استیصال	۱۳۷	انبیاء کی تعلیم کے اصول	۱۰۶
درمیانی واسطوں کو مٹانا	۱۳۸	پہلا اصول	۱۰۷
نبوت	۱۳۹	دوسرا اصول	۱۰۸
عبادت	۱۴۰	تیسرا اصول	۱۰۹
مسئلہ عبادت کے متعلق تمام دیگر مذاہب کی غلطیاں	۱۴۱	چوتھا اصول	۱۱۰
حقوق انسانی	۱۴۲	پانچواں اصول	۱۱۱
خودکشی کا مسئلہ	۱۴۳	چھٹا اصول	۱۱۲
اسلام نے خودکشی کو مٹایا	۱۴۴	خرق عادات	۱۱۳
تمام مذاہب میں قتل و لاد کی کسی صورت میں حرج و حرج نہ تھا	۱۴۵	خرق عادات کے منکرین کا استدلال اور اوس پر بحث	۱۱۴
اسلام نے قتل و لاد کو مٹایا	۱۴۶	خرق عادات کے متعلق یورپ کے علماء کی رائے	۱۱۵
عورتوں کے حقوق	۱۴۷	اسپرکچو لزم	۱۱۶
	۱۴۸	خرق عادات کے متعلق برہمنی سینا کی رائے	۱۱۷

مضمون کتاب	ہندسہ	مضمون کتاب	ہندسہ
رومن لا	۱۵۰	روحانیات کا وجود کس قسم کا ہے؟	۱۹۸
اسلام نے عورتوں کو کیا حقوق دیئے	۱۵۱	شیخ الاشراق کا مذہب	۲۰۰
وراثت	۱۶۰	شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے	۲۰۱
وراثت کس اصول پر مبنی ہے؟	۱۶۱	شریعت میں جو امور خلاف عقل ہیں اور نئے اقسام	۲۱۰
اسلام کے قواعد وراثت تمام اصول عقلیہ پر مبنی ہیں	۱۶۲	فی الریاء والحق والالہام والمخبر	
اسلام نے غیر ذمہ داروں کو کیا حقوق دیئے	۱۶۳	والکرامات علی راسی الحکم	
بقیہ عقائد	۱۶۴	وحی اور الہام وغیرہ کی حقیقت حکمائے اسلام کی	۲۱۱
مسائل عقائد کی نوعیت	۱۶۸	راے کے موافق	
مسائل عقائد جو قرآن میں مذکور نہیں	۱۶۹	واما الالحی والالہام	۲۱۵
وہ امور جو قرآن میں مذکور ہیں لیکن ان کی کیفیت مذکور نہیں	۱۷۱	امام غزالی کی کتاب معارج القدس میں وحی کی	۲۱۶
تاویل کی حقیقت	۱۷۳	حقیقت	
تاویل کے متعلق امام غزالی کی رائے	۱۷۴	اسلام تمدن و ترقی کا مانع نہیں بلکہ ترقی کا	۲۱۸
وہ اسرار جو کائنات میں پائے جاتے ہیں	۱۷۷	مذہب کو کن جوہ سے دنیاوی ترقی کا مانع کہا جاتا ہے؟	۲۱۹
تاویل کے متعلق امام غزالی کی کتاب فیہ تفہیم القرآن کا خلاصہ	۱۸۸	یہ باتیں مذہب اسلام میں نہیں پائی جاتیں	۲۱۹
امام غزالی وغیرہ کی تحقیقات پر بحث	۱۹۱	اسلام	
لفظ محال کی غلط تعبیر نے دہم پرستی کی بنیاد ڈالی	۱۹۳	ترقی تمدن جو اصول ہیں سب اسلام میں پائے جاتے ہیں	۲۲۲
تاویل و حقیقت تاویل نہیں	۱۹۵	مساوات	۲۲۸
روحانیات یا غیر محسوسات	۱۹۷	مذہبی بے نقشب	۲۳۰

ہندسہ	مضمون کتاب	ہندسہ	مضمون کتاب
۲۵۶	فصل چہارم	۲۳۴	اپنی آپ عزت کا خیال
۲۵۷	فصل پنجم	۲۳۶	حکومت جمہوری
	بحث نبوت پر امام رازی کی	"	بیتیم عمل
۲۶۰	تقریر کا خلاصہ	۲۳۷	انسانوں کا مختلف المراتب ہونا
"	پہلی بحث	"	علی ترقی کی اہمیت ہونی
۲۶۱	دوسری بحث	۲۳۸	دین و دنیا کا باہمی تعلق
۲۶۲	تیسری بحث	۲۳۹	سہانیت کا شان
۲۶۳	پہلا طریقہ	۲۴۱	دنیا کا مرتبہ
۲۶۴	دوسرا طریقہ	۲۴۲	قرآن مجید میں دولت کو کن الفاظ سے یاد کیا ہے
"	تیسرا طریقہ		ضمیمہ
۲۶۶	نبوت کے خواص	۲۴۳	مسئلہ نبوت پر امام رازی کی تقریر کا خلاصہ
۲۶۷	نبوت کی دوسری خاصیت	"	فصل اول
۲۶۸	نبوت کا تیسرا خاصہ	۲۴۷	فصل دوم
"	خاتمہ	۲۵۷	فصل سوم



## دیسلمچہ

مذہب اسلام تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

عقائد، عبادات، اخلاق۔

عقائد میں اصل اصول دو ہیں: وجود باری، اور نبوت، اس کتاب میں انہی دو اصول سے بحث ہو، باقی مباحث تبعاً اور ضمناً آگئے ہیں،

قرآن مجید کا کلام الہی ہونا مہمات عقائد میں ہے لیکن اس کے لیے ایک مستقل تصنیف درکار ہو، اس لیے اس حصہ میں میں نے اس سے بحث نہیں کی، بلکہ اس کو ایک مستقل

کتاب کے لیے اٹھارکھا ہے جو الکلام کا دوسرا حصہ ہوگا اور جس کا نام علوم القرآن ہوگا

عبادات اور اخلاق کا بیان بھی اسی کتاب میں آجائیگا اس طرح علم کلام کا سلسلہ تین

جلدوں میں پورا ہو جائے گا، متکلمین کی سوانح عمریاں اس سلسلہ سے الگ ہیں خدا

ان کے انعام کے بھی اسباب بہم پہنچائے۔

شبلی نعمانی

حیدرآباد (دکن)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 تَوَانُ زَقْلُكُو بِهِ حَقِيقَتِ رَسِيْدِيْكَ  
 اَفْسَانَهُ زَكُو بَرْزَا يَا بَسْمَتِ  
 حَامِدًا اَوْ مُصَلِّيًا

جدید علم کلام کا مایہ خمیر اگرچہ جیسا کہ ہم پہلے حصہ کے دیباچہ میں لکھ آئے ہیں وہی  
 قدیم علم کلام ہے تاہم اس کی تدوین و ترتیب جس حیثیت سے ہوئی چاہیے اسکے لحاظ سے  
 اس کو جدید بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس حوالہ کی تفصیل یہ ہے،

تم پڑھ آئے ہو کہ علم کلام کے مختلف طریقے اور مختلف شاخیں ہیں انہیں جو طریقہ  
 حقیقی علم کلام کہلانے کا مستحق تھا وہ قدما کا علم کلام تھا لیکن قدما کی ایک تصنیف بھی آج موجود  
 نہیں مل سکتی۔ نخل و نخل کتب کلامیہ اور تفسیر کبیر میں جستہ جستہ قدما کے اقوال مذکور ہیں، ان  
 تمام اقوال کو اس مقصود کے ساتھ جمع کرنا چاہیے کہ علم کلام کے اہم مسائل آجائیں،

متاخرین میں سے جو لوگ اہل حقیقت تھے انہوں نے یہ طرز اختیار کیا تھا کہ دوسری کتابیں  
 عام مذاق کے موافق لکھتے تھے، اور اپنے اصلی خیالات و مقدمات دوسری کتابوں میں  
 ظاہر کرتے تھے جنکی نسبت یہ بھی تاکید کرتے تھے کہ عوام پر ظاہر نہ کی جائیں بشلاً علم کلام میں  
 امام غزالی کی متعدد تصنیفات ہیں قواعد العقائد، اقصاد، تہافت الفلاسفہ وغیرہ وغیرہ

لیکن انھوں نے خود بجا بجا مختلف کتابیں تصنیف کی ہے کہ ان تصنیفات میں جو باتیں مذکور ہیں وہ اصلی حقائق نہیں ہیں بلکہ عوام کے عقائد کے محفوظ رکھنے کے لیے ہیں،

جواب القرآن میں جہاں علوم قرآنی کا بیان کیا جا رہا ہے،

امام غزالی نے  
تصریح کی جو کہ کتاب  
استاد لہ میں اور انھوں نے  
اصل حقیقت ظاہر  
نہیں کی،

دوسرے علم کافروں کی بحث و مجادلہ کرنا ہوا اور  
اسی کے علم کلام پیدا ہوتا ہی جس کا مقصد یہ  
کہ بدعتوں کو روک دیا جائے اور جو ذل کو جو ہیں  
اور اس علم کے متکفل متکلمین ہیں۔ اور جنہوں اس  
علم کو دانداز پر لکھا ہی جو معمولی ہو سکا نام یہاں  
قدسیہ ہو اور جو اس سے بلند تر ہے اس کا نام  
الاقتصاد فی الاعتقاد ہے اور مقصود اس علم کا  
عوام کے عقیدہ کو بدعتوں کی رخنہ اندازی  
محفوظ رکھنا ہو اور اس علم میں حقائق ظاہر  
نہیں کی جاتے۔ اور اسی قسم کی ہماری وہ کتاب ہے  
جس کا نام تہافت الفلاس ہے اور تہافت الفلاس کی  
رد میں جو اور حجت الحق۔ وقاصم الباطنیہ و کتاب  
التحولات فی اصول الدین۔

الْبَاطِنُ هُوَ مَحْجُوزٌ كَفَّارٌ وَمُجَادٌ لَهُمْ وَمَعْنَى  
يَتَشَبَّهُ بِمَعْنَى الْكَلَامِ الْمَقْصُودِ كَرَدِ الصَّلَاةِ  
وَالْبِدْعِ وَزَالَةِ الشُّمُوحِ وَتَنَقُّلِهَا مِنَ الْمُتَكَلِّمِينَ  
وَهَذَا الْعِلْمُ قَدْ شَرَحْنَا عَلَى مُتَكَلِّمِينَ سَمِينًا  
الطَّبَقَةَ الْقَرِيبَةَ مِنْهَا الرِّسَالَةَ الْقُدْسِيَّةَ وَالطَّبَقَةَ  
الْبُيُوتِيَّةَ الْإِقْتِصَادِيَّةَ فِي الْإِعْقَادِ وَمَقْصُودُ  
هَذَا الْعِلْمِ حِرَاسَةُ حَقِيقَةِ الْعَوَامِ عَنْ تَشْوِيشِ  
الْمُبْتَدِعِينَ وَلَا يَكُونُ هَذَا الْعِلْمُ مِلًّا بَلْ شَيْفِ  
الْحَقَائِقِ وَبِحَبِيبِهِ يَتَعَلَّقُ الْكِتَابُ الَّذِي صَنَعْنَاهُ  
فِي تَهَافُتِ الْفَلَاسِفَةِ وَالَّذِي أَوْسَرَدْنَا فِي الرَّسَائِلِ  
عَلَى الْبَاطِنِيَّةِ فِي الْكِتَابِ الْمُلَقَّبِ بِالْمُسْتَظْهَرِ  
وَمِنْ كِتَابِ سَجَّةِ الْحَقِّ وَقَاصِمِ الْبَاطِنِيَّةِ وَكِتَابِ  
الْمُقَصِّلِ لِلْخِلَافِ فِي أُصُولِ الدِّينِ،

لہ جواب القرآن کا کامل نسخہ میرے پاس موجود ہے لیکن اسکے کچھ جزا بھی میں چھپ گئی ہیں اور یہ عبارت اس میں موجود ہے،

ان تصریحات سے قطع نظر کہ امام صاحب کی کتابیں خود اس بات کی شہادت  
دے رہی ہیں، وہی عقائد جنکو کتب کلامیہ میں بڑے زور شور سے ثابت کرتے ہیں و دوسری  
تصنیفات میں ان کی نسبت لکھ دیتے ہیں کہ ان عقائد کی اصلی حقیقت کچھ اور ہے،

جن تصنیفات میں امام صاحب نے اسلام کے اصلی عقائد اور ان کے حقائق بیان  
کیے ہیں انکو نہایت اہتمام سے مخفی رکھنا چاہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ باوجود مختصر اور  
سہل ہونیکے وہ درواج پذیر نہیں، خدا کی ذات صفات افعال اور قیامت کے متعلق عقائد کو  
انہوں نے احیاء العلوم وغیرہ میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے لیکن جواسر القرآن میں لکھتے ہیں کہ

وَهَذَا هُوَ الْعُلُومُ الْكَرِيمَةُ آخِزِي عِلْمُ الذَّاتِ  
وَالصِّفَاتِ وَالْأَفْعَالِ وَعِلْمُ الْمَعَادِ آذِذُهَا  
مِنْ آثَانِهَا وَتَجَاوِزُ الْقَدْرَ الَّذِي كُرِّمَتْهُ  
مَعَ قُصُورِ الْعِلْمِ وَكَثْرَةِ الشَّوْاعِلِ وَالْأَفَاتِ  
وَقِلَّةِ الْأَعْوَانِ وَالرَّقَاءِ لِبَعْضِ التَّصَانِيفِ  
لَكِنَّا لَمْ نَطْلُقْ فَإِنَّهُ يَكِلُ عَنْهُ أَكْثَرَ الْأَفْهَامِ  
وَيَسْتَضِيهِ الضَّعْفَاءُ وَهُوَ أَكْثَرُ الْمُتَوَسِّمِينَ  
بِالْعِلْمِ بَلْ لَوْ لَفِظُوا أَظْهَرُ إِلَّا عَلَى مَنْ أَلْفَنَ  
عِلْمُ الظَّاهِرِ وَسَلَكَ فِي تَسْبِيحِ الصِّفَاتِ  
الْمَدَامُومَةِ مِنَ النَّفْسِ طَرِيقَ الْجَاهِلِ فَهَذَا حَقٌّ وَدَقِّقْ

یہ چاروں علوم یعنی ذات و صفات و افعال و معاد  
لکے ابتدائی اور جامع اصول جانتے ہو جو معلوم ہو سکے  
میں نے بعض تصنیفات میں ترجیح کیو باوجود انکو درست کیا  
اور آفتین بہت تھیں اور دوست و مددگار کم باب تھے  
لیکن ان تصنیفات کو میں نے ظاہر نہیں کیا کیونکہ اکثر لوگ  
انکو سمجھ نہ سکتے اور ان سے ان کو نقصان پہونچتا اور  
مدعیان علم اکثر اسی قسم کے ہیں ان تصنیفات کو صرف  
ان لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا چاہیے جنکو علم ظاہر میں  
کمال حاصل ہو چکا ہو اور صفات مذکورہ کے دور  
کرنے میں اس قدر کوشش کر چکے ہوں کہ ان کا نفس نام

نَفْسُهُ وَاسْتَقَامَتْ عَلَى سَوَاءٍ لَسَلَّيْ فَلَمْ يَبْقَ  
لَهُ حَظٌّ فِي الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَهُ طَلَبٌ إِلَّا الْحَقُّ  
أَوْ رِزْقٌ مَعَ ذَلِكَ فُطِنَتْ وَقَادَتْ وَفَرِحَتْ  
مُنْقَادَةً وَوَدَّ كَأَنَّهُ بَلِيغًا وَفَهْمًا صَافِيًا  
وَحَرَامٌ عَلَى مَنْ يَقَعُ ذَلِكَ أَلَّا يَبْدَأَ  
أَنَّهُ يُلْهِمُهُ إِلَّا عَلَى مَنْ اسْتَجْمَعَ فِيهِ هَذِهِ الصِّفَاتُ

ہو گیا ہوا مدد دنیا کی خواہش بالکل باقی نہ رہی ہوا اور  
طلب حق کے سوا انکی اور کچھ غرض نہ ہو۔ ان سب باتوں کے  
ساتھ ذکی الطبع خوش فہم حدیہ الذہن سلیم الطبع ہوں  
جس کے ہاتھ میں یہ تصنیف پڑ جائے اسے حرام ہو کہ کسی شخص کے  
سامنے اسکو ظاہر کرے بجز ایسے شخص کے جس میں یہ تمام  
صفات جمع ہوں،

امام صاحب کے ان الفاظ پر خوب غور کر دفرماتے ہیں کہ دراصلی حقائق لوگوں کے  
سامنے بیان کیے جائیں تو انکی سمجھ میں نہ آئیں اور انکو نقصان پہنچائیں۔ اس پر شاید کسی کو  
خیال ہو تا کہ یہ تو عوام کی حالت ہے۔ علماء کے سامنے انہما حقائق میں کیا تا مل ہو سکتا ہے اور انکی  
جفا دیا کہ آج کل جو علماء ہیں وہ عوام ہی کے ہم پایہ ہیں،

مخاطب صحیح کے لیے بڑی قید یہ لگاتے ہیں کہ دنیا سے اس کو کسی قسم کی غرض نہ ہو۔  
اس سے صاف ظاہر ہے کہ حقائق اصلی کے ظاہر کرنے پر عوام بہرہم ہوتے ہیں اس لیے اس  
منصب کا وہ مستحق ہو جس کو عوام کی کچھ پرواہ نہ ہو،

امام رازی کی نسبت ان کے حالات میں تم پڑھ آگے ہو کہ وہ اپنی اصلی خیالات  
کس کس غیر معمولی پیرایہ میں ظاہر کرتے ہیں ابن رشد نے اپنی تصنیفات میں صاف  
لکھ دیا ہے کہ بہرہور کے سامنے اصلی حقائق ظاہر نہ کرنے چاہئیں،

اب جدید علم کلام کے مرتب کرنے والے کا یہ کام ہے کہ ان بزرگوں نے جن خزانوں کو

سر بہ مہر رکھا تھا ان کو وقف عام کر دے۔

قدیم علم کلام میں صرف، عقائد اسلام کے متعلق بحث ہوتی تھی کیونکہ اس زمانے میں مخالفین نے اسلام پر جو اعتراضات کئے تھے عقائد ہی کے متعلق تھے لیکن آج کل تاریخی، اخلاقی، تمدنی، ہر حیثیت سے مذہب کو جانچا جاتا ہے، یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے عقائد اس قدر قابل اعتراض نہیں جقدر اس کے قانونی اور اخلاقی مسائل ہیں۔ ان کے نزدیک تعدد نکاح، طلاق، غلامی، جہاد کا کسی مذہب میں جائز ہونا، اس مذہب کے اہل ہونگی سب سے بڑی دلیل ہے، اس بنا پر علم کلام میں اس قسم کے مسائل سے بھی بحث کرنی ہوگی، اور یہ حصہ بالکل نیا علم کلام ہوگا،

سب سے بڑی ضروری چیز یہ ہے کہ دلائل اور براہین ایسے صاف اور سادہ پیرایہ میں بیان کئے جائیں کہ سرسری الفہم ہونے کے ساتھ دل میں اتر جائیں۔ قدیم طریقہ میں پیچ در پیچ مقدمات، منطقی اصطلاحات، اور نہایت دقیق خیالات سے کام لیا جاتا تھا۔ اس طریقہ سے مخالف مرعوب ہو کر چپ ہو جاتا تھا لیکن اس کے دل میں یقین اور وجدان کی کیفیت نہیں پیدا ہوتی تھی،

غرض جدید علم کلام کے ترتیب دینے میں انہی امور مذکورہ کی رعایت ملحوظ رکھنی چاہیے اخیر میں تخصیص کے ساتھ ان بزرگوں کے نام بتا دیئے بھی ضرور ہیں۔ جو اس علم کلام کے ماخذ ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ ابو مسلم اصفہانی۔ قتال۔ ابن حزم۔ امام غزالی۔ راغب اصفہانی، ابن رشد۔ امام رازی۔ شاہ ولی اللہ،

## علوم جدیدہ اور مذہب

تمام دنیا میں ایک غل جچ گیا ہے کہ ”علوم جدیدہ اور فلسفہ جدیدہ نے مذہب کی بنیاد متزلزل کر دی ہے“ فلسفہ اور مذہب کے معرکہ میں ہیئتہ اس قسم کی صدائیں بلند ہوتی رہی ہیں، اور اس لحاظ سے یہ کوئی نیا واقعہ نہیں، لیکن آج یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فلسفہ قدیمہ قیاسات اور ظنیات پر مبنی تھا اس لیے وہ مذہب کا استیصال نہ کر سکا۔ بحکات اس فلسفہ جدیدہ تمام تر تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے، اس لیے مذہب کسی طرح اس کے مقابلہ میں جانبر نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک عام صدا ہے جو یورپ سے اٹھ کر تمام دنیا میں گونج اٹھی ہے، لیکن ہم کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ اس واقعیت میں مغالطہ کا کس قدر حصہ شامل ہو گیا ہے،

یونان میں فلسفہ ایک مجموعہ کا نام تھا جس میں طبیعیات، عنصریات، فلکیات، اکیات مابعد الطبیعیہ سب کچھ شامل تھا لیکن یورپ نے نہایت صحیح اصول پر اس کے دو حصے کر دیے، جو مسائل، مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر قطعی اور یقینی ثابت ہو گئے ان کو سائنس کا لقب دیا، جو مسائل، تجربہ اور مشاہدہ کی دسترس سے باہر تھے ان کا نام فلسفہ رکھا۔

مسائل جدیدہ کی نسبت یہ عام خیال جو پھیلا ہوا ہے کہ وہ قطعی اور یقینی ہیں اس میں پہلی غلطی یہ ہے کہ جو چیزیں قطعی اور یقینی ہیں وہ صرف سائنس کے مسائل میں اور یہی وجہ ہے کہ یورپ میں انکی نسبت طبقہ علمائے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں، لیکن فلسفہ کی یہ حالت نہیں ہے، یورپ میں آج فلسفہ کے میوٹ اسکول ہیں، اور ان میں اس شدت سے اختلاف مناسی ہے کہ اگر ان سب کو صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک ہی چیز سفید بھی ہو سکتی ہے

اور سیاہ بھی،

اب دیکھنا چاہیے کہ سائنس کو مذہب سے کیا تعلق ہے، سائنس جن چیزوں کا اثبات یا ابطال کرتا ہے، مذہب کو ان سے مطلق سروکار نہیں، عناصر کس قدر ہیں؟ پانی کن چیزوں سے مرکب ہے؟ ہوا کا کیا وزن ہے؟ نور کی کیا رفتار ہے؟ زمین کے کس قدر طبقات ہیں؟ یہ اور اس قسم کے مسائل، سائنس کے مسائل ہیں، مذہب کو ان سے کچھ سروکار نہیں، مذہب جن چیزوں سے بحث کرتا ہے وہ یہ ہیں، خدا موجود ہے یا نہیں؟ مرنے کے بعد کبھی قسم کی زندگی ہے یا نہیں؟ خیر و شر یا نیکی و بدی کوئی چیز ہے یا نہیں؟ ثواب و عقاب ہے یا نہیں؟ ان میں سے کون سی چیز ہے جس کو سائنس ہاتھ لگا سکتا ہے؟ سائنس کے اساتذہ نے جب کہا ہے تو یہ کہا ہے کہ ہم کو ان چیزوں کا علم نہیں یا یہ کہ یہ چیزیں مشاہدہ اور تجربہ کے احاطہ سے باہر ہیں، یا یہ کہ ہم ان باتوں کا یقین نہیں کرتے کیونکہ ہم صرف ان باتوں کا یقین کرتے ہیں جو تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہو سکتی ہیں، کوتاہ نظر عدم علم سے علم عدم سمجھ جاتے ہیں سائنس دانے کہتے ہیں کہ ہم کو یہ چیزیں معلوم نہیں، کوتاہ بین اسکے یہ معنی لیتے ہیں کہ ہم کو ان چیزوں کا نہ ہونا معلوم ہے، حالانکہ ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے،

یورپ میں تقسیم عمل کے اصول پر عمل ہے یعنی تمام اہل فن نے اپنے اپنے کام تقسیم کر لیے ہیں اور ہر فرقہ اپنے کام میں اس طرح مشغول ہے کہ اس کو دوسری چیزوں سے مطلق غرض نہیں، ان میں ایک فرقہ مادیات کا (میٹریٹ) ہے جس کا موضوع بحث

ماوہ ہے۔ اس گروہ نے مادہ کے متعلق نہایت عجیب عجیب سراز معلوم کیے ہیں۔ یہی فرق ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مذہب کا خدا کا روح کا منکر ہے، لیکن درحقیقت وہ ان باتوں کا منکر نہیں بلکہ یہ کہتا ہے کہ ان چیزوں کا ثبوت ہمارے دائرہ تحقیقات سے باہر ہے پروفیسر لیریہ (Lerrie) جو اس گروہ کا بہت بڑا عالم ہی لکھتا ہو کہ چونکہ ہم کائنات کے آغاز اور انجام سے ناواقف ہیں اسلئے ہمارا یہ منصب نہیں کہ کسی ازلی یا ابدی وجود کا انکار کریں جس طرح ہمارا یہ کام بھی نہیں کہ ہم اس کو ثابت کریں۔ مادہی مذہب پتہ پر آکر عقلِ اول کے وجود کی بحث سے بالکل الگ رکھتا ہو کیونکہ اس کو اسکے متعلق کسی قسم کا علم نہیں۔ ہم حکمتِ الہی کے نہ منکر ہیں نہ مثبت۔ ہمارا کام نفی و اثبات سے بالکل الگ رہتا ہے۔

فرانس کے ایک طبی رسالہ میں ایک دفعہ ایک مضمون چھپا تھا کہ ”اوراکل“ اور ”اکل“ اور ”اکل“ اس فاسفورس سے پیدا ہوتا ہے جو دماغ میں ہے اور فصائلِ انسانی مثلاً شجاعت۔ اخلاص شرافتِ نفس یہ سب اعضائے انسانی کی کہربائی متوجہات ہیں“ اس پر فرانس کے ایک مشہور قاضی کا مل فلماریان نے جو طبیعات کا بڑا ماہر ہے، ایک مضمون لکھا جس میں اس نے مضمون نگار سے اس طرح خطاب کیا۔

”یہ کس نے تم سے کہا؟ لوگوں کو گمان ہو گا کہ تمہارے استادوں نے تم کو یہ سکھایا ہو گا۔ لیکن یہ گمان صحیح نہیں، میں نہیں جانتا کہ یہ یہودہ دعویٰ زیادہ تر قابلِ تعجب ہے یا مدعیانِ علم کی جرأت و نیوٹن جی کوئی مسئلہ بیان کرتا تھا تو کہتا تھا کہ ”بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہو“ کیلکہ کہا کرتا تھا کہ ”تم ان چیزوں کو فرض کر لو، بخلاف اسکے تم لوگ کہتے ہو کہ ”ہم ثابت



کرتے ہیں، ”ہم باطل کرتے ہیں تاہم موجود ہے یہ معدوم ہو“ علم نے یہ فیصلہ کر دیا ہو! اور علم نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ حالانکہ تمہارے ان دعووں میں علمی دلائل کی جھلک بھی نہیں تم اپنی حقاقت سے دلیری کر کے علم پر اس قدر بڑا بار ڈال دیتے ہو؟ جو باتیں تم کہتے ہو اگر علم کے کان میں پڑ جائیں (اور پڑنی ہی چاہئیں کیونکہ تم علم کے فرزند ہو) تو تمہاری حقاقت پر اسکو ہنسی آجائے گی تم کہتے ہو کہ در علم مثبت ہے۔ نافی ہے۔ امر ہے۔ نافی ہے۔ باتیں کہہ کر غیب علم کے ہونٹوں پر ایسے بڑے بڑے بھاری الفاظ رکھ دیتے ہو جس سے ممکن ہو کہ اس کے ذہن غرور آجائے عزیزو! علم۔ ان تمام مسائل میں سے نہ کسی کا اثبات کرتا ہے نہ انکار۔

یہ ہے ماہرین فن کی رلے، لیکن بعض کم درجہ کے آدمین، اپنی حدس بڑھ کر نفی کا دعوے بھی کر بیٹھتے ہیں، اور انہی کی طبع کاریاں ہیں جس نے ہمارے ملک کے نوجوانوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے، اسلئے ہم کو زیادہ غور و فکر سے دیکھنا چاہیے کہ وہ اپنے دعویٰ پر کس قسم کے دلائل قائم کرتے ہیں۔ مثال کے لیے ہم ایک اہم مسئلہ یعنی روح کے وجود کے متعلق ان کے اقوال نقل کرتے ہیں،

ڈاکٹر شفلر (Sheffler) کہتا ہے کہ ”روح مادہ ہی کی ایک قوت کا نام ہے جو اعصاب سے پیدا ہوتی ہے“ دیر شو کا قول ہے کہ ”روح ایک قسم کی میکانکل حرکت ہے“ بوٹنر (Buchner) کہتا ہے کہ ”انسان صرف مادہ کا ایک نتیجہ ہے“ اور بلواریون (Du Bois Reymond) کہتا ہے کہ ”تمام اعصاب میں ایک کربائی تیل پایا جاتا ہے“ اور جس کو فکر کہتے ہیں وہ مادہ ہی کی ایک حرکت کا نام ہے، دیر شو (Du Bois Reymond) کہتا ہے کہ

جو فرنگی سائنس کا بڑا عالم ہے کہتا ہے کہ ”زندگی فطرت کا کوئی اصلی قاعدہ نہیں بلکہ ایک اتفاقی اثنا ہے جو مادہ کے عام اصولوں کے مخالف ہے“ فرانس کے ایک مشہور میگزین نے ایک مضمون میں بیان کیا تھا کہ داغین جو فاسفورس ہو فکر اسی کا ایک نتیجہ ہے اور جس چیز کو، اخلاص، شجاعت اور فضیلت کہتے ہیں وہ اعضائے جسمانی کی کربانی مہین“ کیا یہ راین قطعیات میں شمار ہو سکتی ہیں ہلکیا انکی بنا پر یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ علوم جدیدہ نے روح کو باطل ثابت کر دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ مذہب اور سائنس کے حدود بالکل الگ الگ ہیں، سائنس کا جو موضوع ہے مذہب کو اس سے کچھ واسطہ نہیں اور مذہب کو جن چیزوں سے بحث ہے سائنس کو ان سے کچھ غرض نہیں، فلسفہ البتہ کہیں کہیں مذہب سے ٹکرا جاتا ہے، لیکن قطعیات اور یقینیات میں اسکا شمار نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کے مختلف اسکول ہیں اور ان اسکولوں میں باہم نہایت سخت اختلاف ہے۔ انہیں سے بعض خدا کے منکر ہیں تو بہت سے خدا کے قائل بھی ہیں، وجود روح کے مقرر بھی ہیں اور منکر بھی۔ اخلاق کے اصول ایک فرقہ کے نزدیک کچھ ہیں اور دوسرے کے نزدیک کچھ اس حالت میں مذہب اس لحاظ سے مطمئن رہتا ہے کہ

چو دیدی کہ در دشمن افتاد جنگ

خلط بحث اس وقت پیدا ہوتا ہے جب سائنس اور مذہب دونوں میں سر کوئی اپنی حد سے بڑھ کر دوسرے کی حد میں قدم رکھتا ہے اور یہی خلط بحث تھا جس نے ملاحدہ اور منکرین مذہب کے خیالات کو قوت دی۔ بلکہ حقیقت اسی خلط بحث نے الحاد اور بدینی کے

خیالات پیدا کر دیے۔ یورپ میں پہلے مذہب کو اس قدر وسیع کر لیا گیا تھا کہ کسی قسم کا کوئی علمی مسئلہ مذہب کی دست اندازی سے بچ نہیں سکتا تھا، چنانچہ خاص اس مقصد کی غرض سے سپین میں مجلس انکونزیشن قائم ہوئی تھی جس کا کام یہ تھا کہ جو لوگ، مذہب کے خلاف کچھ کہتے ہوں انکی تحقیقات کرے اور انپر کفر اور ارتداد کا الزام لگائے، چنانچہ اٹھارہ برس میں یعنی ۱۷۸۱ء سے لیکر ۱۷۹۹ء تک۔ دس ہزار دوسو بائیس آدمی، ارتداد کے الزام میں زندہ آگ میں جلادے گئے، اس مجلس نے ابتدائے قیام سے اخیر زمانہ تک تین لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو کافر اور ملحد قرار دیا جن میں سے کئی لاکھ آگ میں جلادے گئے،

جس قسم کی باتوں پر کفر کا الزام لگایا جاتا تھا اس کا اندازہ۔ ذیل کے واقعات سے ہوگا  
 کوپرنیکس نے نظام بطلیموسی سے انکار کر کے یہ ثابت کیا کہ زمین اور چاند وغیرہ آفتاب کے گرد گھومتے ہیں اس پر مجلس انکونزیشن نے فتویٰ نافذ کیا کہ یہ رائے۔ کتاب مقدس کی مخالف ہے اور اس بنا پر کوپرنیکس مرتد اور کافر ہے۔

گیلیلو نے جو دو بین کاموجذرا ہے، ایک کتاب کوپرنیکس کی حمایت میں لکھی جس میں ثابت کیا کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔ اس پر مجلس انکونزیشن نے فتویٰ دیا کہ وہ مستوجب سزا ہے چنانچہ اس کو گھٹونکے بل کھڑا کر کے یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس مسئلہ سے انکار کرے۔ لیکن جب وہ اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہا تو قید خانہ بھیج دیا گیا۔ اور دس سال تک محبوس رہا۔  
 کولبس نے جب کسی نئے جزیرہ کے دریافت ہونے کی امید پر سفر کرنا چاہا تو کلیسا نے فتویٰ دیا کہ اس قسم کا ارتداد، مذہب کے خلاف ہے،

زمین کے کردی ہونے کا خیال جب اول اول ظاہر کیا گیا تو پادریوں نے سخت مخالفت کی کہ یہ اعتقاد کتاب مقدس کے خلاف ہے،

غرض ہر قسم کی علمی ایجادات اور کشفیات پر پادریوں نے کفر و ارتداد کے الزام لگائے تاہم چونکہ علمی ترقی کا اٹھان تھا انکی کوششیں بے کار لگیں، اور علوم و فنون تکفیر ہی کے سرائے میں پھولے اور پھلے۔

پادریوں کے تعصبات اور دہم پرستی اگرچہ علم کو دبانہ سکے لیکن اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ علمی گروہ نے پادریوں ہی کے خیالات اور ادہام کو مذہب سمجھا اور اس بنا پر نہایت مضبوطی سے انکی رائے قائم ہو گئی کہ مذہب جس چیز کا نام ہے وہ علم اور حقیقت کے خلاف ہے، یہی ابتدائی خیال ہے، جس کی آواز بازگشت آج تک یورپ میں گونج رہی ہے،

بے شبہ اگر مذہب اسی چیز کا نام ہے تو وہ سائنس کے مقابلہ میں کسی طرح نہیں ٹھہر سکتا لیکن اسلام نے پہلے ہی دن کہہ دیا تھا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْيَاكُمْ یعنی تم لوگ دنیا کی باتیں خود خوب جانتے ہو، یہ ظاہر ہے کہ سائنس اور تمام علوم جدیدہ اسی دنیا سے متعلق ہیں معاد اور آخرت سے انکو کچھ واسطہ نہیں۔

اس موقع پر یہ نکتہ لحاظ کے قابل ہے کہ اسلام میں سیکڑوں فرقے پیدا ہوئے اور ان میں اس قدر اختلاف رہا کہ ایک نے دوسرے کی تکفیر کی، یہ تکفیر بڑے بڑے مسائل پر محدود نہ تھی بلکہ نہایت چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کو اسلام کے دائرہ سے خارج کر دیتا تھا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن علمی تحقیقات و کشفیات کی بنا پر کبھی کسی شخص کی تکفیر نہیں کی گئی

قدمائے مفسرین کا خیال تھا کہ پانی آسمان سے آتا ہے یعنی آسمان پر ایک دریا ہے، بادل اُسی سے پانی لیتے ہیں اور برساتے ہیں، آفتاب، پانی کے ایک چشمہ میں غروب ہوتا ہے، زمین مسطح ہو کر دی نہیں رہتا اسے جو ٹوٹتے ہیں شیاطین کے شعلہ ہائے آتشیں ہیں، مفسرین ان تمام باتوں کو قرآن کے نصوص سے ثابت سمجھتے تھے، چنانچہ امام رازی نے مفسرین قدیم کے یہ تمام اقوال تفسیر کبیر میں نقل کیے ہیں،

لیکن جب عباسیوں کا علمی دور آیا اور فلسفہ اور طبعیات نے ترقی کی تو لوگوں نے ان خیالات کی مخالفت کی، باوجود اسکے خود مفسرین کے گرد وہ مین کو ایک شخص نے بھی ان لوگوں کو کافر اور منکر قرآن نہیں کہا، معتزلہ کو محدثین اس بنا پر کافر کہتے ہیں کہ وہ قرآن کے مخلوق ہو سکے قائل ہیں لیکن اس بنا پر کوئی انکو کافر نہیں کہتا کہ وہ جادو کی حقیقت کو منکر ہیں، غرض جس حد تک تحقیق و تفتیش کی جائے۔ عموماً یہ ثابت ہو گا کہ مسلمانوں نے علمی تحقیقات اور ایجادات کو کبھی مذہب کا حریف مقابل نہیں سمجھا۔ بلکہ محققین نے صاف تصریح کر دی کہ اسباب کائنات اور مسائل ہئیت، وغیرہ نبوت کی سرحد سے بالکل الگ ہیں اور انہیں کو تہذیب اخلاق کے سوا اور کسی چیز سے غرض نہیں،

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ بالہ لغہ میں لکھتے ہیں۔

وَمِنْ سِيَرَتِهِمْ أَنَّهُ لَا يَسْتَعْلِیْ الْإِلَٰهَ وَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِ مَلَأَ	انبیاء کا ایک اصول یہ ہے کہ جو امور تہذیب نفس و رسوم
النَّفْسِ وَبِإِسْنَادِهِ لَا مَلَاةَ كَيْفِيًّا أَسْبَابِ حَوَادِثِ	کی سیاست تعلق نہیں رکھتے انہیں وہ مشغول نہیں ہوتے
الْجَوْزِ مِنَ الْمَطَرِ الْكَسْوَةِ وَالْهَالَةَ وَحِجَابِ اللَّيْلِ	مثلاً بارش۔ گرہن؟ اور ہار کے اسباب بیان کرنا یا نانا

وَالْحَيَوَانِ وَمَقَادِيرِ سَيَرِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَأَسْبَابِ  
 الْحَوَادِثِ الْيَوْمِيَّةِ وَقَصَصِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُلُوكِ  
 وَالْأَكْبَادِ وَنَحْوَهَا اللَّهُمَّ لَا كَلِمَاتٍ لَيْسَ ذُو  
 الْقَهْمِ أَسْمَعُهُمْ قَبْلَهَا عَقُولُهُمْ يُؤْتِي لَهَا  
 فِي التَّنْذِيرِ كَيْدُ بَلَاءِ اللَّهِ وَالتَّنْذِيرِ بِآيَاتِهِمُ اللَّهُ  
 عَلَى السَّبِيلِ الْإِسْطِطَارِ بِكَلَامٍ إِيَّاهِ لِيَسَافِرُ  
 فِي مِثْلِهِ بِإِنْدَادِ اسْتِعَارَاتٍ وَالْحِجَارَاتِ  
 وَلِهَذَا الْأَصْلُ لَمَّا سَأَلُوا النَّبِيَّ عَنْ بَلِيَّةٍ  
 لِقَصَصَانِ الْقَمَرِ وَزِيَادَتِهِ أَحْوَضَ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى  
 عَنْ ذَلِكَ إِلَى بَيَانِ فَوَائِدِ الشُّهُورِ فَقَالَ  
 يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلِ كُلِّ هِيَ مَوْقِفَتٌ لِلنَّاسِ مِنَ الْحَرْبِ  
 شاه صاحب نے انبیاء کی تعلیم کا جو اصول بتایا اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ مذہب  
 اسلام کو، سائنس اور علوم جدیدہ سے کسی قسم کے خطرہ پہنچنے کا احتمال ہے۔

## مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے

انسان اور حیوان کا مقابلہ کرو۔ حیوان اپنی ضروریات کا سامان اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتا ہے۔ انکا لباس انکے ساتھ ہوتا ہے جو موسم کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔ دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے پیچھے۔ ناخن۔ ڈنک کے ہتھیار اسکے ساتھ پیدا ہوتے ہیں جن غذاؤں پر اسکی زندگی کا مدار ہے پیدا ہونے کے ساتھ اس کو ہر طرف۔ جنگل ہو یا پہاڑ خشکی ہو یا دریا ویرانہ ہو یا آباد۔ ہر جگہ مہیا ملتی ہیں،

انسان کا یہ حال ہے کہ جب پیدا ہوتا ہے تو کسی قسم کا سامان اسکے پاس نہیں ہوتا اسکی جلد نازک ہوتی ہے۔ ہاتھ پاؤں کمزور ہوتے ہیں جسم پر کوئی لباس نہیں ہوتا دشمن سے حفاظت کے لیے سینک یا پیچھے نہیں ہوتے۔ اس کے ساتھ عالم فطرت کی جتنی چیزیں اسکے گرد و پیش ہوتی ہیں سب کی سب اسکی دشمن نظر آتی ہیں، آفتاب کی گرمی۔ بادلوں کی جھڑی، گودوں کی لپٹ۔ جائزوں کی ٹھنڈ؛ ہر چیز چاہتی ہے کہ اسکو تباہ کر دے،

ان مصائب و دشکلات کے مقابلہ کرنے کے لیے قدرت نے اس کو کوئی جسمانی ہتھیار نہیں دیا، کیونکہ جن بشیارا اور پرزور دشمنوں کا اسکو سامنا کرنا تھا، اسکے لیے کوئی جسمانی آلہ کافی نہیں ہو سکتا تھا، قدرت نے اس کو ان ہتھیاروں کے بدلے ایک ایسی عام قوت

ملی اس موقع پر یہ جادو ضرور ہے کہ اس حصہ میں ہنسنے جا بجا یورپ کے حکماء اور علما کے اقوال نقل کیے ہیں لیکن ہنسنے انکی تصنیفات کے دیکھنے کی رحمت نہیں اٹھائی ہے۔ بلکہ ہنسنے کے ایک فاضل مصنف کی تصنیفات پر اعتماد کیا ہے جسکا نام فریدی و جیدی ہے اس بحث میں اسکی تصنیفیں ہیں تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ و الخلق الفکرۃ۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جن ریڈیو فائلوں کو اقوال نقل کر کے ہیں ان کے کتب خانوں میں ہنسنے کی تعلیم یافتہ اجاہ نے جو انگریزی زبان سکھائی اور کوئی زبان نہیں جانتے ان کو ان کے متعلق غلطی نہ کرنی چاہیے۔

عطا کی جسکے ذریعہ سے اُسے ہر قسم کے دشمنوں کے مقابلہ کے لیے جدا سامان طیار کیے دھوپ گرمی۔ جاڑے سے محفوظ رہنے کے لیے ہر قسم کے لباس اور مکانات بنائے جانور دن کے مقابلہ کے لیے تیغ و خنجر طیار کیے۔ دریاؤں پر پل باندھے۔ پہاڑ تلے۔ لوہا پگھلایا۔ برق کو مسخر کیا ہوا کرتھا، غرض تھوڑے عرصہ کے بعد دیکھا تو تمام کائنات اُسکے پنجہ اقتدار میں تھی،

اس عام قوت کا نام عقل کلی یا عقل انسانی ہے لیکن چونکہ قدرت کو منظور تھا کہ انسانی عقل کلی ترقیان بلند سے بلند نقطہ پر بھی پہنچ کر ٹھہرنے نہ پائیں، اس لیے وہ (یعنی قدرت) ایک دم بھی انسان کو چین نہیں لینے دیتی، وہ اسکے مخالفوں کو نئے نئے ہتھیار دیتی جاتی ہے جس سے انسان پر نئے نئے طح کے حملے کی جاتے ہیں جن بیاریوں کا علاج معلوم ہو چکا تھا، اسکے علاوہ نئے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ دنیا کا جغرافیہ جس قدر معلوم ہو چکا تھا اسکے علاوہ نئی آبادیوں کا پتہ لگتا ہے اور وہاں نئے ضروریات پیش آتے ہیں۔ آرام و تسلی کے جو سامان ہیشا ہو چکے تھے راحت طلبی کا مادہ بڑھ کر وہ سامان بے کار ہو جاتے ہیں مجبوراً انسان ان نئے مخالفوں کے مقابلہ کے لیے نئی طیاریاں کرتا ہے، اور ترقی کی جس حد تک پہنچ چکا تھا اس سے آگے نکل جاتا ہے،

عالم کون اور انسان کی یہ باہمی کشش ہی وہ چیز ہے جو انسان کی تمام ترقیوں کی جڑ ہے اور جس کی بدولت آج سیکڑوں ہزاروں نئے ایجادات کا سلسلہ قائم ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے، لیکن ان بیرونی دشمنوں اور مخالفوں سے زیادہ سخت اور زیادہ خطرناک دشمنوں کا ایک اور گروہ ہے جو خود انسان کے اندر موجود ہے اور جن سے





فَطَرِ النَّاسِ عَلَيْهِمُ لَا تَكْفُرُ إِلَّا بِاللَّهِ ذَا لِكَلِّ خدائے انسان کو مخلوق کیا ہی، مذکی خلقت میں تغیر نہیں  
 الَّذِيْنَ اُنْعَمَ عَلَيْهِمْ وَلَكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ہوتا یہی ٹھیک دین ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں،  
 جرسن کا ایک حکیم لکھا ہے کہ مذہب ابدی چیز ہے کیونکہ مذہب جس حاسہ کا نتیجہ ہے  
 وہ کسی زمانہ میں کبھی معدوم نہیں ہو سکتا، فرانس کا مشہور فاضل معلم ریمان جو مذہب کا پابند تھا  
 اپنی کتاب تاریخ مذہب میں لکھتا ہے، کہ یہ ممکن ہے کہ کل وہ اشیا جن کو ہم محبوب رکھتے ہیں  
 اور کل وہ چیزیں جو لذت زندگی میں محسوب ہیں مٹ جائیں، لیکن یہ ناممکن ہے کہ مذہب دنیا  
 معدوم ہو جائے یا اس کی قوت میں زوال نہ جائے، وہ ہمیشہ اس بات کا علامہ ثبوت دیکھا  
 کہ مادی مذہب ریٹریٹ، بالکل غلط ہے جو یہ چاہتا ہے کہ انسان کی دائمی قوت اس  
 پست خاکی زندگی تک محدود رہ جائے،

پروفیسر سبیت (Sawyer) فلسفہ دینیہ میں لکھا ہے کہ میں کیوں پابند مذہب  
 ہوں، اس لیے کہ اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ پابند مذہب ہونا میری ذاتیات  
 میں ہے، لوگ کہیں گے کہ یہ وراثت، یا تربیت، یا مزاج کا اثر ہے میں نے خود اپنی ریلے  
 پر یہی اعتراض کیا ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے اور وہ حل نہیں ہوتا، مذہب  
 کی ضرورت جس قدر محکم اپنی ذاتی زندگی کے لیے ہے، اس سے زیادہ عام سوسائٹی کو ہے  
 مذہب کے شاخ و برگ ہزاروں دفعہ کاٹ ڈالے گئے ہیں لیکن جڑ ہمیشہ قائم رہی ہے اور  
 اس نے نئی برگ و بار پیدا کر لیے ہیں، اس بنا پر مذہب ابدی چیز ہے جو کبھی زائل نہیں ہو سکتی

سہ ماہی دونوں قول تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ صفحہ ۲۲ و ۲۵ میں مذکور ہیں،

مذہب کا چشمہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے اور فلسفیانہ فکر اور زندگی کے دردناک تجربے اس کو اور گہرا کرتے جاتے ہیں انسانیت کی زندگی مذہب ہی کو قائم ہوئی ہو اور اسی قوت پائگی

دنیا کے اخلاقی نظم و نسق کو اسی حاسہ مذہبی ہی نے تمام رکھا ہے ورنہ اگر تعلیم و تمدن پر مدار ہوتا تو یورپ کا اخلاقی پلہ اس قدر تمام دنیا سے بھاری ہو گیا ہوتا جس قدر تعلیم و تمدن میں اس کا پایہ بلند

دنیا میں افراد انسانی کے خاص خاص منکسبات یعنی زبان - قوم - ملک - صورت رنگ کو حذف کرتے جاؤ تو جو چیزیں قدر مشترک رہ جائیں گی، ان میں ایک مذہب ہو گا اور یہ

بہت بڑی دلیل اس بات کی ہے کہ مذہب فطری چیز ہے۔ جن چیزوں کو ہم انسان کی فطرت خیال کرتے ہیں مثلاً اولاد کی محبت۔ انتقام کی خواہش۔ کمال کی قدوائی وغیرہ وغیرہ

ان کے فطری ہونے کی یہی وجہ قرار دیتے ہیں کہ تمام دنیا کے آدمیوں میں مشترک پائی جاتی ہیں۔ اس بنا پر جب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر قوم۔ ہر نسل، ہر ملکہ کوئی نہ کوئی مذہب

رکھتا ہے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب فطری چیز ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مذہب کے جو مقدم اصول ہیں وہ تمام مذاہب میں یکساں پائے جاتے ہیں خدا کا وجود، آسمانی پرورش کا خیال، حیات بعد الموت، اعمال کی جزا و سزا، رحمہائی، ہمدردی، عفت کا اچھا

سمجھنا، جھوٹ۔ دغا۔ زنا۔ چوری کو برا جاننا۔ دنیا کے تمام مذہبوں کا اصل اصول ہوتا

فطرت نے افراد انسانی میں بے انتہا فرق مراتب رکھا ہے۔ دولت و مال۔ جاہ و چشم فصل و کمال، ذہن و نو کا کے عطا کرنے میں ایک طرف تو یہ فیاضی ہے کہ اس سے

مذہب کے فطری ہونے کی دلیل

بہت بڑی دلیل

زیادہ ہونین سکتی، سکندر و تیمور، ارسطو و افلاطون، ہومر و فردوسی، اسی فیاضی کے نونے ہیں  
 دوسری طرف یہ بخل ہے کہ انسان اور بندر میں اتنا کم فرق رہ جاتا ہے کہ ڈارون کو نظر  
 نہ آتا۔ آتا۔ با اینہم جو باتیں شرط زندگی اور مدار حیات ہیں وہ تمام افراد انسانی کو یکساں  
 عطا کی ہیں۔ افریقہ کا جاہل سے جاہل وحشی بھی اسی طرح کھاتا پیتا۔ چلتا پھرتا سوتا جاگتا۔ بوتا  
 چاتا ہے جس طرح یرنآن کا بڑے سے بڑا حکیم ان ضروریات کو انجام دیتا ہے،

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کا اس قدر حصہ جو تمام دنیا کی قوموں میں  
 مشترک ہو لازماً انسانی تھا۔ اور اس وجہ سے قدرتی تمام قوموں کو یکساں عطا کیا، ارسطو، اور  
 ہستک دلائل کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے کہ سچائی، دیانت داری، عفت، علم اچھی چیزیں ہیں  
 لیکن افریقہ کا ایک وحشی بغیر تعلیم اور بغیر کسی دلیل کے خود بخود ان چیزوں کو اچھا جانتا اور  
 اچھا سمجھتا ہے،

## مذہبِ اسلام

یہ تو ثابت ہو چکا کہ مذہبِ فطری چیز ہے، یعنی جس طرح انسان میں ہمدردی، محبت، جوشِ انتقام، قدرتی جذبات پائے جاتے ہیں اسی طرح میلان مذہب بھی قدرتی اور فطرتی ہے، اور جس طرح اور قدرتی جذبات کسی شخص میں کم، کسی میں زیادہ، کسی میں ضعیف، کسی میں پر شدت، اور شاذ و نادر افراد میں باطل نہیں پائے جاتے، بعینہ مذہب کا یہی حال ہے، لیکن چونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے، حائے مذہبی، اس بنا پر انسان کو عطا کیا گیا ہے کہ بغیر اسکے نوع انسانی کا بقا ممکن نہ تھا، اسلئے مذہب کا جو قدر حصہ تمام انسانوں میں یکساں مشترک ہے وہ نہایت سادہ، بھل، اور نا تمام ہے، اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا، اسکی صفات اور صریح تمثیل یہ ہے کہ انسان کے زندہ رہنے کے لیے، کھانا پینا، گرمی سردی، سونچنا، ضروری ہے اسلئے قدرت نے ان ضروریات کا سامان، ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے لیے بھی مہیا کیا ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ یہ سامان اعلیٰ درجے کے بھی ہوں، کھانے کے لیے سہو درخت، رہنے کے لیے خُش کا جھونپڑا، لباس کے لیے درختوں کے پتے بھی مہیا ہو گئے تو قدرت کا فرض ادا ہو گیا، اس سے بڑھ کر مختلف قسم کے الوان نعمت، عالیشان محل، بیش بہا ملبوسات، سب کے لیے ہونے ضرور نہیں قَعَلْنَا لِبَعْضِهِمْ عَلَى الْبَعْضِ

یہی حال مذہب کا ہے۔ خدا کا اعتراف، عبادت کا میلان، معاد کا خیال، جزا و سزا کا یقین، نبوت کا اعتراف، لازمۃً انسانی تھا اسلئے سب فرقوں میں مشترک ہے۔ ہاں اور اس میں کسی قوم اور کسی فرقہ کی تخصیص نہیں۔ لیکن یہ امور کہ خدا کے کیا اوصاف ہیں؟ کس قسم کی

عبادت فرض ہے؟ کیوں فرض ہے؟ معاد کی کیا حقیقت ہے؟ جزا و سزا کی کیا غرض ہے؟  
 نبوت کے کیا معنی ہیں؟ ان سوالات کا جواب تمام مذاہب میں یکساں نہیں مل سکتا۔  
 اس میں فرق مراتب ہے اور جس نسبت سے جس مذہب کے ان سوالات کا صحیح جواب یا  
 ہے، اسی نسبت سے وہ مذہب زیادہ صحیح اور کامل ہے،

یورپ میں منکرین مذاہب کا جو گروہ پیدا ہو گیا ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے  
 ان کے انکار مذہب کی وجہ یہی ہے کہ وہ مذاہب موجودہ میں سوالات مذکورہ بالا کا صحیح اور مکمل  
 جواب نہیں پاتے،

پروفیسر لاروس (Larousse) مذہب کی مخالفت کرتے ہوئے لکھتا ہے  
 ”اگر ہم کہتے ہیں کہ ان باتوں کا اعتقاد کرنا چاہیے جو عقل میں آئیں، تو ہم کر کہا جاتا ہے  
 نہیں ہرگز نہیں عقل کو جو نیک و بد کی میز ہے، ذلیل کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ جب عقل کی  
 اس قدر اندھی کر دی جاتی ہے کہ خرق عادت، ایک معمولی بات بجا تی ہے، سفیر سیاہ ہو جاتا ہے، بدنام  
 چیز خوشنام ہو جاتی ہے تو مذہب آتا ہے اور کہتا ہے کہ گردن ڈال دو اس کے آگے؟ عقل کے آگے؟  
 نہیں، فطری فرائض کے آگے؟ نہیں، احساسات اندرونی کے آگے؟ نہیں، ہول فطرت کے آگے؟ نہیں“  
 مانیوئیل کانتان نے جو فرانس کا مشہور عالم ہے، مذہب کی حقیقت اور مذہب  
 کی نشوونما پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں وہ مذہب کے نقصانات کی تفصیل بیان  
 کر کے لکھتا ہے کہ ”مذہب جن بنیادوں پر قائم ہوا ہے وہ علم کی مخالفت ہیں اور اس لیے

تمام مذاہب میں  
 کسی ایک کی ترجیح  
 کی وجہ

یورپ کو مذہب  
 کیوں مخالفت

یقینی ہے کہ تمام مذاہب برباد ہو جائیں۔“

برٹلو (Bertolo) لکھتا ہے ”علم نے اب پوری آزادی حاصل کر لی ہے اور  
سب کا خوف نہیں رہا کہ مذہب مسکو دے“۔

ان تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان منکرین مذاہب کے نزدیک چونکہ مذہبی اصول،  
تحقیقات علمی کے مخالفین اسلئے وہ صحیح نہیں ہو سکتے، ورنہ اگر کوئی مذہب ایسا ہو جسکے  
تمام اصول عقل کے موافق ہوں تو منکروں کو بھی اس کی تسلیم سے انکار نہ ہو گا، اسی بنا پر  
یورپ کے بڑے بڑے محققین نے مذہب کا ایک خیالی خاکہ کھینچا ہے اور اس کا نام  
”دو یا تہ طبیعیہ“ رکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مذاہب موجودہ غلط ہیں لیکن اگر ایک نیا مذہب  
ایجاد کیا جائے جسکے اصول حسب ذیل قرار دیے جائیں تو وہ بے شبہ تسلیم کے قابل ہوگا۔  
اور تحقیقات علمی کا ساتھ دے سکیگا،

فطری مذہب

ڈیول سیان نے اس عقلی مذہب کا تفصیلی خاکہ حسب ذیل کھینچا ہے،

ثواب آخرت کے یہ معنی ہیں کہ انسان قانون کا پابند ہو لیکن یہ قانون کیا ہے؟  
اپنی ذات کی حفاظت، اُن خصائص کو ترقی دینا جو انسان کی فطرت میں مضمر ہیں جنی نوع  
کی محبت اور خدمت، خدا کی عبادت، لیکن خدا کی عبادت کے کیا معنی ہیں؟ اپنے فرائض  
کا ادا کرنا۔ اچھے کام کرنا۔ وطن کی محبت، عمل اور اخلاص، یہی فطری مذہب ہے، اور  
یہی فطری عبادت ہے۔“

فطری مذہب کا  
خاکہ

”یہ تو فطری مذہب کے اعمال ہیں، عقائد یہ ہیں۔ ایک قادر مطلق کا یقین، جو ہر چیز پر قادر ہے جس کو کوئی شے بدل نہیں سکتی اور جس کے تمام کام اصول اور ترتیب پر مبنی ہیں“  
 لاروش کہتا ہے، اگر مذہب کی یہ تعریف کی جائے کہ وہ اُن معقول خیالات کے مجموعہ کا نام ہے جن کا مقصود یہ ہے کہ تمام افراد انسانی ایک رشتہ میں منسلک ہو جائیں اور وہ جسمانی فائدوں سے اسی طرح بہرہ یاب ہوں جس طرح قوت عقلیہ سے، تو تم یہ کہہ سکتے ہو کہ مذہب، نوع انسانی کے لیے ایک لادبھی چیز ہے۔“

ایک اعلیٰ تر مذہب کے  
 کیا اصول قرار  
 پاسکتے ہیں

غرض خواہ ان اقوال کی بنا پر خواہ خود واقعت کے لحاظ سے، ایک صحیح۔ کامل اور ابدی مذہب کے لیے جو باتیں ضروری ہیں یہ ہیں،  
 (۱) مذہب کی صحت کا مدار عقل قرار دیا جائے نہ تقلید  
 (۲) کوئی عقیدہ مذہبی عقل کے خلاف نہ ہو،  
 (۳) عبادات کے یہ معنی نہ قرار دیے جائیں کہ وہ مقصود بالذات ہیں اور خدا ہمارے  
 تکلیفات شاقہ اٹھانے سے خوش ہوتا ہے، بلکہ عبادات سے خود نوع انسانی کا فائدہ مقصود  
 ہوگا اور وہ اعتدال سے متجاوز نہ ہوں۔

(۴) دینی اور دنیوی فرائض کو اس اعتدال کے ساتھ قائم کیا جائے کہ ایک سے  
 دوسرے کو ضرر نہ پہنچے بلکہ ایک دوسرے کا دست و بازو بن جائے۔  
 (۵) مذہب، تمدن کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا ساتھ دیکے بلکہ خود اس ترقی کا رتہ دکھائے۔



ہم اس کتاب میں اول اپنی اصول کے معیار پر اسلام کو جانچنا چاہتے ہیں۔

### عقل اور مذہب

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ تمام مذاہب میں عقل کو کیا درجہ دیا گیا ہے اور اسلام نے عقل کی کیا منزلت قائم کی ہے، دنیا میں آج جس قدر مذاہب موجود ہیں ان سب میں یقین کی ابتدا اس حکم سے شروع ہوتی ہے کہ ”مذہب میں عقل کو دخل نہ دو“ یہی جابرانہ حکم ہے جس کی بدولت مذہب ہر قسم کی تحقیقات، اور اجتہادات سے مطمئن رہتا ہے اور ان میں سے کوئی چیز اس کی جبری کو کم نہیں کر سکتی۔ اسی کا اثر ہے کہ ایک شخص منطقی فلسفہ ریاضیات میں سیکڑوں عجیب و غریب ایجادات کرتا ہے۔ اور ارسطو و فلاطون کی غلطیاں کھاتا ہے لیکن جب اسکے سامنے اس مسئلہ کا ذکر آتا ہے کہ ”ایک تین ہیں اور تین ایک“، تو اس کی نقادی اور نکتہ سنجی بالکل کن اور بیکار ہو جاتی ہے، اسی کا اثر ہے کہ سقراط و اناکزاگورس فلسفی ہو کر جان دینے کے وقت وصیت کرتا جاتا ہے کہ فلاں بت پرست نے مجھے چڑھانے کی جرئت مانی تھی وہ پوری کی جائے، اسی کا نتیجہ ہے کہ تمام مذاہب میں یکساں حکماء و علماء پیدا ہوتے ہیں لیکن مذہب کے لغو سے لغو عقیدہ کی نسبت حتیٰ ان کو شک نہیں پیدا ہوتا عقل کی اس بنیادی یہ صرف یہ نقصان نہیں پہنچتا کہ جو لغو عقیدہ ایک وغیرہ قائم کر لیا گیا تھا، اپنے حال پر قائم رہتا ہی، بلکہ توہمات اور عجائب پرستی کا زور و زبرد زبردہ جاتا ہے یہاں تک کہ چند روز کے بعد مذہب کے عمدہ عقائد بھی ان توہمات کے هجوم میں چھپ جاتے ہیں، اور مذہب ہمہ تن عجائبات اور ناممکنات کا مجموعہ بن جاتا ہے

یہی چیز ہے جس نے یورپ کے آزاد خیالوں کو مذہب سے متنفر بنا دیا ہے۔ پروفیسر لاروس نے تمام مذاہب کے برباد ہو جانے کی جو پیشین گوئی کی ہے اسی بنا پر کہ مذہب عقل کو برباد کرنا چاہتا ہے اس لیے ضرور ہے کہ خود برباد ہو جائے، یہی پروفیسر ایک مقام پر لکھتا ہے کہ اگر ہم بغیر خود غرضی اور وہم پرستی کے اس بات کا پتہ لگائیں کہ دنیا میں آج تک جقدر مادی، دماغی، اور اخلاقی ترقیاں ہوئی ہیں ان کا اصلی سبب کیا ہے تو صرف یہ جواب ہے کہ عقل کا جبر کے شکنجے سے نجات پانا۔

اب دیکھو اسلام کی کیا تلقین ہے؟

✓ اسلام کی تلقین

قرآن مجید میں یہودیوں، عیسائیوں، بت پرستوں اور ملحدوں کو سیکڑوں جگہ مختلف طریقوں سے عقائد اسلام کی دعوت دی ہے لیکن ایک جگہ بھی یہ نہیں کہا کہ تقسیداً ان عقائد کو مان لو، بلکہ ہر جگہ اور ہر موقع پر اجتہاد اور غور کے ذریعہ سے انکو منوانا چاہیے اور تقلید پرستی کی سخت برائی کی ہے، مخالفین اسلام کو سب سے بڑا الزام جو دیا وہ یہ تھا۔

وَكَايْنِ قَوْمٍ آيَةً فِي السَّمَاءِ تَكَلَّأْنَ مِنْ يَوْمٍ إِلَى يَوْمٍ  
عَلَيْكُمْ وَأَهْلُ عَمَلٍ مَعَكُمْ صُنُّوا (یسف)

انکے دل تو رہیں لیکن اس سے سمجھ کا کام نہیں لیتے۔

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ مِلَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ

مِلَّةِ آبَائِنَا لَفِي شَكٍّ مِمَّا كَانُوا عَلَىٰ (پارہ ۲۵)

اور بعض تو ایسی زمین جو خدا نے باپین کی تعلیم کے تحت

نُفِثَ فِيهَا النَّاسُ فِي شَكٍّ مِمَّا كَانُوا عَلَىٰ (پارہ ۲۵)

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ کیا یہ لوگ، قرآن پر غور نہیں کرتے۔

أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ کیا یہ لوگ آسمان و زمین کو کاغذ کو وغیرہ نہیں دیکھتے

یہ تمام آیتیں تو کلی طور پر عقل سے کام لینے کے متعلق تھیں، مذہب کے تمام اصول و فروع کے متعلق، اسلام نے جو یقین کی وہ عقل کی بنا پر کی، نفس مذہب کی ضرورت اس طرح ظاہر کی۔

أَوَلَمْ يَجْعَلْ لِلَّذِينَ احْتَفَظُوا بِاللهِ آيَاتٍ لِّظَرِّهِمْ اپنا منہ سب سے پھیر کر دین کی طرف کر یہ خدا کی وہ قدرت

لنَّاسٍ عَلَيْهِمْ لَا تَكْبُرُ عَلَى خَلْقِ اللهِ جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا اور خدا کی خلقت میں تبدیلی نہیں آتی

اسلام کی دعوت کا حکم دیا تو اس کے یہ طریقے بتائے،

أَخْرِجُوا إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ اپنے خدا کی راہ کی طرف لوگوں کو بلا دھمکی نہایت اور

الْحُسْنَى وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ اُن لوگوں سے بحث کر دہ طرز پسند یہ

خاص خاص اسلامی عقائد جہاں کہیں بیان کئے ہر ایک عقیدہ کے ساتھ اس کی عقلی

دلیل بیان کی۔ خدا کے ثبوت کے دلائل تو اس کثرت سے مذکور ہیں کہ اس کتاب میں اس کا

احاطہ نہیں ہو سکتا وحدانیت کو اس طرح ثابت کیا،

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلُ الْإِلَهِ أَكْثَرُ لَفَسَدَتَا اگر آسمان و زمین میں کئی خدا ہوتے تو دونوں میں فساد آ جاتا

خدا کے عالم ہونے کی یہ دلیل بیان کی۔

أَفَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ کیا جس نے پیدا کیا وہ علم نہیں رکھتا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر مخالفوں کو جو احتجاج تھا اس کو اس طرح رفع کیا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کہہ دو کہ میں پیغمبروں میں سے کوئی انوکھا نہیں،

معاذ کے ممکن ہونے کا اس طرح یقین دلایا۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي مَيَّ أَلْشَّاءَ أَوَّلَ مَرَّةٍ کہہ دے کہ وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا ہے

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ خَلَّافًا لِّمَا قَدْ خَلَقَ کہ جس نے آسمان اور زمین پیدا کیا وہ اسپر قادر نہیں

بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ کہ ان جیسے، اور پیدا کر دے،

معاذ کی ضرورت اس طرح ثابت کی۔

أَتَحْسِبُ أَنَّكُمَا خَلَقْتُمَا عَبَثًا وَأَنتُمْ أَعْيُنًا کہ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ ہم نے تم کو یوں ہی بیکار پیدا کیا

إِلَّا لَنُبَدِّلَنَّهُ لَكُمْ خَلْقًا أُخَرَ لَعَلَّكُمْ تُرْجَعُونَ اور یہ کہ تم ہمارے ہاں لوٹ کر آؤ گے،

غرض خواہ نفس مذہب خواہ بالخصوص مذہب اسلام، خواہ خاص خاص اسلامی عقائد

جس چیز یقین دلانا چاہا، ساتھ ہی دلیل بھی بیان کی اور ایک جگہ بھی یہ نہیں کہا کہ ان عقائد

کو بنا دلیل تسلیم کر لو

اس موقع پر یہ بات، خاص لحاظ کے قابل ہو کہ آجکل زمانہ کے مذاق کیوجہ سے، تمام

اہل مذاہب اس بات کے مدعی ہیں کہ ہمارا مذہب عقل سے ثابت ہو، لیکن دیکھنا یہ ہو کہ یہ خود

انکا دعویٰ ہے یا ان کے مذہب نے بھی ایسا دعویٰ کیا ہے،

اسلام کے سوا۔ دنیا میں اور کسی مذہب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ عقل سے ثابت

ہے اور مذہب کو عقل کے بنا پر ماننا چاہیے۔ اور یہ وہ بڑا فرق ہے جو علانیہ اسلام کو تمام

دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتا ہے،

## وجود باری

خدا کے اثبات پر قدام اس طرح استدلال کرتے تھے، کہ عالم حادث ہے اور جو چیز حادث ہے یعنی ازلی نہیں ہے وہ کسی علت کی محتاج ہے اور یہی علت خدا ہے، اس استدلال کا دوسرا مقدمہ بدیہی ہے، پہلے مقدمہ پر یہ استدلال کیا جاتا تھا کہ عالم میں تغیر ہوتا رہتا ہے اور جو چیز تغیر پذیر ہے وہ حادث ہے۔ یہ استدلال بظاہر نہایت صاف اور واضح تھا اور اس لیے اس کی زیادہ چھان بین نہیں کی گئی، لیکن وہ فی الواقع صحیح نہ تھا۔ تمام چیزیں جو عالم میں موجود ہیں، دو چیزوں کا مجموعہ ہیں۔ مادہ اور ایک خاص صورت، جو چیز بدلتی رہتی اور تغیر پذیر ہے، وہ صرف صورت ہے، اصل مادہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ کوئی چیز جب فنا ہوتی ہے تو صرف اسکی صورت فنا ہوتی ہے اصل مادہ کسم نہ کسی صورت میں ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ ایک کاغذ کو جلا دو کاغذ جل کر راکھ ہو جائیگا، اب کاغذ فنا ہو گیا لیکن راکھ موجود ہے جو اصل مادہ کی ایک دوسری صورت ہے، راکھ کو برباد کرو، کسی نہ کسی صورت میں وہ قائم رہیگی، غرض جو چیز حادث ہے وہ صرف صورت ہے اصل مادہ کے حادث ہونے پر نہ کوئی تجربہ پیش کیا جاسکتا ہے، نہ کوئی استدلال قائم کیا جاسکتا ہے، اس بنا پر عالم کو حادث کہنا صورت کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن مادہ کے لحاظ سے صحیح نہیں اور جب عالم کا حدوث ثابت نہیں تو استدلال بھی صحیح نہیں، ارسطو نے اس اعتراض کے لحاظ سے استدلال کا دوسرا طریقہ اختیار کیا یعنی یہ کہ عالم کے تمام اجزاء ہیں

وجود باری پر قدام  
کا طریقہ استدلال

کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے، کیونکہ تمام اجسام یا بڑھتے رہتے ہیں یا گھٹتے ہیں اور بڑھنا یا گھٹنا حرکت ہی کی ایک قسم ہے۔ جن چیزوں کو ہم بحال خود قائم دیکھتے ہیں، ان کے اجزاء بھی بدلے رہتے ہیں یعنی پُرانے اجزاء فنا ہو جاتے جاتے اور ان کے بجائے نئے آتے جاتے ہیں، اجزاء کا بدلتا رہنا، بھی ایک قسم کی حرکت ہے اس لیے تمام عالم متحرک ہے اور جو چیز متحرک ہے، ضرور ہے کہ اس کے لیے کوئی محرک ہو، اب دو صورت ہے یا یہ سلسلہ

کسی حد تک جا کر ٹھہر جائیگا یعنی اخیر میں ایک ایسی چیز ثابت ہوگی جو بالذات یا بڑھتا تمام شایاں کی محرک ہے اور خود متحرک نہیں، ایسی خدا ہے یا یہ سلسلہ کہیں ختم نہ ہوگا، اس صورت میں غیر تنہا ہی کا وجود لازم آئے گا اور یہ محال ہے،

ارسطو کا استدلال

ارسطو کا اصل مذہب یہ ہے کہ عالم قدیم ہوا اور وہ بذات خود پیدا ہوا، لیکن اسکی حرکت حادث ہوا اور خدا اسی حرکت کا خالق ہے، اس بنا پر ارسطو نے خدا کے ثبوت میں حرکت سے استدلال کیا۔ حکماء اسلام میں۔ سے اربعہ روشد کا بھی یہی مذہب ہے۔

بولی سینا بھی عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہے لیکن اسلام کے اثر سے اس بات کا قائل ہو گیا کہ عالم خدا کا پیدا کیا ہوا نہیں، اس لیے مستند یہ رہے اختیار کی کہ عالم قدیم ہی ہوا اور خدا کا مخلوق بھی ہے، اس پر اعتراض وارد ہوتا تھا کہ جب عالم اور خدا دونوں قدیم علم ازلی ہیں تو ایک کی علت اور دوسرے کو معلول کیونکر کہا جاسکتا ہے، کیونکہ علت و معلول میں زمانہ کا تقدم و تاخر ضرور ہے۔ بولی سینا نے اس کا جواب دیا کہ علت کے لیے صرف تقدم بالذات کافی ہے، زمانہ کے لحاظ سے مقدم ہونا ضرور نہیں، مثلاً کنجی کی حرکت سے، قفل کے

بولی سینا کا مافیہ

کھل جانے کی علت ہو لیکن کبھی کی حرکت اور قفل کے کھلنے میں ایک لحظہ اور ایک آن کا بھی  
آگاہ پھانین،

متکلیمن کے نزدیک چونکہ خدا کے سوا کسی چیز کا قدیم ہونا خدا کی یکتائی میں خلل نڈان  
تھا اسلئے انھوں نے عالم کے حدوث کا دعویٰ کیا اور حدوث ہی سے خدا کے وجود پر  
دلیل قائم کی، عالم کے حادث ہونے پر متکلیمن کا جواب استدلال ہے اُس کے سمجھنے کے لیے پہلے  
مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہیے،

۱، عالم میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں عرض یعنی جو چیزیں بذات خود قائم نہیں  
بلکہ سب پائی جاتی ہیں تو کسی دوسری چیز میں ہو کر پائی جاتی ہیں مثلاً بورنگ مزہ رنج خوشی  
جوش جو ہر یعنی وہ چیزیں جو بذات خود قائم ہیں۔ مثلاً پتھر مٹی، پانی،

۲، کوئی جو ہر عرض سے خالی نہیں ہو سکتا، کیونکہ جس قدر جو ہر ہیں کسی کسی صورت  
اور ہیئت میں ہوتے ہیں اور صورت و ہیئت عرض ہیں، تمام جو ہر میں کسی کسی قسم کی حرکت  
پائی جاتی ہے اور حرکت عرض ہے، جو ہر کے بقدر افراد ہیں اُن میں کسی نہ کسی عرض کا  
پایا جانا ضرور ہے، اور اس بنا پر کوئی جو ہر عرض سے خالی نہیں ہو سکتا،

۳، عرض حادث ہے یعنی پیدا ہوتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے،  
۴، جو چیز عرض سے کبھی خالی نہ ہو سکتی ہو ضرور ہے کہ حادث ہو کیونکہ اگر وہ قدیم ہو  
تو لازم آئے گا کہ عرض بھی قدیم ہو کیونکہ دو چیزیں جو لازم و ملزوم ہوں ان میں سے ایک چیز اگر قدیم  
ہوگی تو ضرور ہے کہ دوسری چیز بھی قدیم ہو اور نہ لازم و ملزوم میں فصل زمانی لازم آئے گا اور محال ہے

متکلیمن کا استدلال

اب عالم کے حادث ہونے پر اس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے کہ عالم بد صورت سے خالی نہیں جو ہر ہوگا یا عرض اور جو ہر عرض دونوں حادث ہیں عرض کا حادث ہونا تو ظاہر ہے جو ہر ایسے کہ کوئی جو ہر عرض سے خالی نہیں ہو سکتا، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو چیز عرض سے خالی نہ ہو سکتی ہو، وہ حادث ہے،

اور جب یہ ثابت ہوا کہ عالم حادث ہے تو ضرور ہے کہ اس کے لیے کوئی علت ہو اب اگر علت بھی حادث ہو تو اس کے لیے بھی کوئی علت درکار ہوگی۔ اس صورت میں اگر یہ سلسلہ کہیں جا کر ختم ہوگا تو وہی خدا ہے اور نہ ختم ہوگا تو دور و تسلسل لازم آئیگا اور دور و تسلسل محال متکلمین کا یہ استدلال فر فریوس (پار فریس) سے ماخوذ ہے جیسا کہ ہم نے تاریخ علم الکلام میں نقل کیا ہے لیکن یہ استدلال اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زمانہ غیر متناہی کا وجود نہیں ہو سکتا ورنہ یہ استدلال محض مغالطہ ہے،

یہ سچ ہے کہ جو ہر عرض سے خالی نہیں ہو سکتا لیکن کسی خاص عرض کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ہر وقت کسی نہ کسی عرض کا وجود چاہیے اور جب زمانہ غیر متناہی ہے تو یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ عالم قدیم ہو، اور علی سبیل البدیۃ کسی نہ کسی عرض کے ساتھ متصف رہتا ہو یہ اعراض الگ الگ تو حادث ہیں لیکن انکا سلسلہ جو علی سبیل البدیۃ ہے، غیر متناہی اور قدیم ہے عالم کے حادث ہونے پر استدلال یہ تھا کہ اگر عالم قدیم ہو تو اعراض کا بھی قدیم ہونا لازم آئیگا، ہم کہتے ہیں کہ اعراض کے ہر ہر فرد کا قدیم ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اعراض کے سلسلہ علی سبیل البدیۃ کا قدیم ہونا لازم آتا ہے اور جب زمانہ غیر متناہی ہے تو سلسلہ کا قدیم ہونا بھی ممکن ہے



مشکلین نے اور بھی بہت سی دلیلیں قائم کی ہیں لیکن سب کی صحت اس بات پر موقوف ہے کہ سلسلہ غیر متناہی کا محال ہونا ثابت کیا جائے بغیر متناہی کے محال ہونی پر حکم اور تکلیف نے بہت سے دلائل قائم کیے ہیں لیکن وہ تمام دلائل اس صورت میں جاری ہوتے ہیں جب یہ مانا جائے کہ یہ سلسلہ مرتب موجود ہے، لیکن منکرین خدا علیٰ کا سلسلہ اس طرح مانتے ہیں کہ ہر علت فنا ہو کر اس کے بجائے دوسری علت آجاتی ہے، محقق دوانی نے رمالہ و راہ کی شرح میں دعویٰ کیا ہے کہ اس صورت میں بھی دلیل جاری ہو سکتی ہے کیونکہ اگر علتیں فنا ہوتی جاتی ہیں لیکن انکا مجتمع و مرتب ہونا فرض کیا جاسکتا ہے کیونکہ علل کا مجتمع ہونا محال عقلی نہیں اور جو چیز محال نہیں وہ فرض بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن محقق موصوف کا یہ قول صحیح نہیں، علتوں کا اجتماع کو محال بالذات نہیں، لیکن محال بالغیر ہو سکتا ہے اور محال بالغیر کے فرض کر لینے سے بھی محال آتا ہے اگر یہ محال محال بالغیر ہوگا۔

ان دلائل میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ ان سے اگر خدا کا وجود ثابت بھی ہوتا ہے تو اس کا فاعل یا اختیار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ان دلائل سے صرف ایک علت لعل رکاز آف دی کا لفظ کا وجود ثابت ہوتا ہے لیکن علت کے لیے یہ ضرور نہیں کہ اس سے محلول بہ ارادہ اور بہ اختیار صادر ہو، آفتاب روشنی کی علت ہے لیکن آفتاب کو نہ علم ہے نہ ارادہ، بلکہ روشنی اس سے خود بخود بلا علم و ارادہ صادر ہوتی ہے۔ اسی بنا پر بہت سے حکما کا مذہب ہے کہ خدا نے عالم کو بہ اختیار نہیں پیدا کیا اور تعجب ہے کہ شیخ بوعلی سینا بھی انہی کا ہمنوا ہے، ان تمام تقریروں سے معلوم ہوا ہوگا کہ افلاطون اور ارسطو اس سلسلہ کو حل نہ کر سکے

اور متکلمین بھی چونکہ انہی کے نقش قدم پر چلے تھے اس لیے وہ بھی ناکام رہے۔  
اب دیکھو قرآن مجید نے اس عقیدہ کو کیوں کر حل کیا۔

## وجود باری

پر

### قرآن مجید کا طریقہ استدلال

حقیقت یہ ہے کہ خدا کا اعتراف انسان کی اصل فطرت میں داخل ہے، علم انسان کے ماہر و ن نے اس مسئلہ پر بحث کی جو کہ انسان جب بالکل فطری حالت میں تھا یعنی علوم و فنون اور تہذیب و شائستگی کا بالکل وجود نہیں ہوا تھا اس وقت اس نے سچے پہلے اصنام کی پرستش کی تھی یا خدا کی؟ مادیین (میٹریسٹ) کے سوا اور تمام محققین نے فیصلہ کیا ہے کہ انسان نے پہلے خدا کی پرستش اختیار کی تھی مشہور محقق مکس مولر اپنی کتاب میں لکھتا ہے ہمارے اسلاف نے خدا کے آگے مسوقت سر جھکا یا تھا جب وہ خدا کا نام بھی نہ رکھ سکے تھے، جمالی خدا رب، اس حالت کے بعد اس طرح پیدا ہوسکتا ہے کہ نظریۂ اصلی، مثالی صورت کے پر وہ میں چھپ گئی۔

یہی وجہ ہے کہ جس زمانہ سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے، دنیا کے ہر حصہ میں خدا کا اعتقاد موجود تھا، آٹوری، مصری، کنڈانی، یہود، اہل نشیب سب کے سب خدا کے قائل تھے، پلوٹارک کہتا ہے کہ اگر تم دنیا پر نظر ڈالو گے تو بہت سے ایسے مقامات ملیں گے جہاں نہ قلعے ہیں نہ سیاست نہ علم نہ صناعت نہ حرفہ نہ دولت۔ لیکن ایسا کوئی مقام

خدا کا خیال  
انسانی فطرت  
میں داخل ہو

نہیں مل سکتا، جہاں خدا نہ ہو،

فولتیر جو فرانس کا مشہور فاضل اور وحی والہام کا منکر تھا۔ کہتا ہے کہ زرداشر منو  
سولن بقراط، اسرو ب کے سب، ایک سردار، ایک منصف، ایک باپ کی پرستش کرتے  
تھے یہی فطرت ہے جس کو قرآن مجید نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے،

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ بُنَيِّ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ  
وَوَيْتَهُمْ وَآشَقَّتْهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ  
أَلَسْتَ بِرَبِّكَمُ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا  
اور جب کہ خدا نے بنی آدم کی پیٹھوں کی نسل کو کالا،  
اور خود ان کو انہی پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں  
ہوں سب بول اُٹھے کہ ہاں ہم گواہ ہیں۔

لیکن چونکہ خارجی اسباب سے اکثر یہ فطری احساس رب جاتا ہے اس لیے خدا نے  
جا بجا اسی فطرت کو متنبہ کیا ہے،

إِنِّي اللَّهُ شَكُّ قَاطِلِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
اور چونکہ خارجی اسباب کی وجہ سے بعض اوقات یہ فطری احساس اس قدر دب جاتا ہے کہ  
محض اشارہ اور تنبیہ کافی نہیں ہوتی اس لیے اسی پر کفائتیں کیا بلکہ تجویزی اور حسی مقدمات  
کے ذریعہ سے استدلال بھی کیا ہے،

انسان کو آغاز میں جن بدیہی اور حسی مقدمات کا علم ہوتا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ

لہ دیکھو مانیو بدیہی کی کتاب الفلک، ترجمہ مولیٰ مطبوعہ بیروت صفحہ ۵۰۰ اہمیت فرانس کی یونیورسٹی لا پروفیسر  
ایلیے نقیصین اور باب نہار نے اس آیت کے ہی سے بیان کیے ہیں کہ خدا نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ خواہ  
خواہ اس کو خدا کی خدائی کا قائل ہونا پڑے۔ دیکھو تفسیر کہیمز

کر وہ جب کسی چیز کو مرتب۔ باقاعدہ اور منظم دیکھتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ کسی دانشمند  
نے ان چیزوں کو ترتیب دیا ہے، اگر کسی جگہ ہم چند چیزیں بے ترتیب رکھی دیکھیں  
تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ سے آپ یہ چیزیں اکٹھی ہو گئی ہوں گی، لیکن جب وہ اس  
ترتیب اور سلیقہ سے چنی گئی ہوں کہ ایک ہوشیار صنّاع بھی مشکل اس طرح جن سکتا  
ہے تو یہ خیال کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ سے آپ یہ ترتیب پیدا ہو گئی ہوگی ہوگی ہوگی  
ایک اور واضح مثال میں سمجھو۔ خواجہ حافظ یا نظامی کا کوئی شعر۔ اس کے الفاظ  
ملت پلٹ کر کسی معمولی آدمی کو دو اور اس سے کہو کہ الفاظ کو آگے پیچھے رکھ کر  
ترتیب سے، وہ سو سو طرح الٹ پلٹ کر گیا، لیکن اتفاقاً طور سے بھی کسی یہ نہ ہوگا کہ حافظ  
اور نظامی کا شعر مل آئے حالانکہ وہی الفاظ ہیں۔ وہی حروف ہیں، وہی جملے ہیں صرف  
ذرا سی ترتیب کا پھیر ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ نظام عالم جو اس قدر باقاعدہ مرتب و موزون  
ہے وہ خود بخود قائم ہو گیا ہو، قرآن مجید میں خدا کے وجود پر اسی سے استدلال کیا ہے،

صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي آفَتَنَ كُلَّ شَيْءٍ مَا تَرَى  
فِي خَلْقِ الرَّحْلَيْنِ مِنْ لَمَّا دُتِ فَاذْ جَمِ  
الْبَصَرِ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُورٍ  
خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رَكَعًا يُسَبِّحُ  
لَا تَبْدِيلَ لِمَنْ يَخْلُقُ اللَّهُ  
فَلَنْ يَحْجَلَ مُسْتَهْزَأُ اللَّهُ تَبْدِيلًا  
یہ خدا کی کاریگری ہے، جس نے ہر شے کو خوب پختہ طور سے بنایا  
خدا کی کاریگری میں تم کو کہیں فرق نظر نہ آئے گا، پھر دوبارہ  
دیکھو کہیں دُرُودِ کھائی دیتی ہو  
خدا نے ہر شے کو پیدا کیا پھر اس کا ایک انداز بھی نہیں کیا  
خدا کی بناوٹ میں رد و بدل ممکن نہیں،  
خدا کے طریقہ میں تم رد و بدل نہیں پاسکتے،

وجود باری پر  
استدلال

ان آیتوں میں عالم کی نسبت تین اوصاف بیان کیے ہیں۔ کامل اور بے نقص ہر  
 موزون اور مرتب ہے۔ ایسے اصول اور ضوابط کا پابند ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتے۔ یہ  
 دلیل کا صغریٰ ہے۔ کبریٰ خود ظاہر ہے یعنی جو چیز کامل۔ مرتب اور ستر نظام ہوگی وہ خود  
 بخود پیدا نہیں ہوگی بلکہ کسی صاحب قدرت اور صاحب اختیار نے اسکو پیدا کیا ہوگا،  
 آج جبکہ تحقیقات و تدقیقات کی انتہا ہو گئی ہے، جبکہ کائنات کے سیکڑوں اسرار  
 فاش ہو گئے ہیں، جبکہ حقائق، شیاؤں، اپنے چہرہ سے نقاب الٹ دیا ہے بڑے بڑے فلاسفر  
 اور حکما انتہائے غور و فکر کے بعد خدا کے ثبوت میں یہی استدلال پیش کر سکے جو قرآن مجید نے  
 تیرہ سو برس پہلے نہایت قریب الغم اور صاف طریقہ میں ادا کیا تھا،

کریک نیوٹن کہتا ہے "کائنات کے اجزائیں باوجود ہزاروں انقلابات زمان  
 و مکان کے جو ترتیب اور تناسب ہے، وہ ممکن نہیں کہ بغیر کسی ایک ذات، کہے پایا جا سکے  
 جو سب سے اول ہے اور صاحب علم اور صاحب اختیار ہے۔"

اس زمانہ کا سب سے بڑا حکیم ہر برٹ اسپنسر کہتا ہے "ان تمام اسرار سے جن کی  
 یہ کیفیت ہے کہ جب قدر ہم زیادہ غور کرتے ہیں اس قدر وہ اور غافل ہوتے جاتے ہیں،  
 اس قدر قلعی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت موجود ہے جس سے  
 تمام اشیا صادر ہوتی ہیں۔"

کیل فلاسٹریان کہتا ہے تمام اساتذہ اس بات کے سمجھنے سے عاجز ہیں کہ وجود کیونکر ہوا

اور یہ کیوں کہ برابر چلا جاتا ہے، اسی بنا پر انکو مجبوراً ایک ایسی خالق کا اقرار کرنا پڑتا ہے جسکا موثر ہونا ہمیشہ اور ہر وقت قائم ہے۔“

پروفیسر لینی (Linne) لکھتا ہے: ”خداے قادر و دانا اپنی عجیب و غریب کاریگریوں سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اور میں بالکل دیوانہ بن جاتا ہوں، ہر چیز میں گو وہ کتنی ہی چھوٹی ہو، اُسکی کس قدر عجیب قدرت، کس قدر عجیب حکمت، کس قدر عجیب ایجاد پائی جاتی ہے۔“

فوتس۔ السائیکلو پیڈیا میں لکھتا ہے،

”علوم طبیعیات کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ ہماری عقل کی پیاس بجھائے بلکہ اسکا بڑا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی عقل کی نظر خالق کائنات کی طرف اٹھائیں اور اسکے جلال و عظمت پر فریفتہ ہو جائیں۔“

## ملاحظہ (یعنی منکرین خدا) کے اعتراضات

سب سے پہلے یہ بات بتانے کے قابل ہے کہ خدا کا انکار کوئی جدید خیال نہیں، ہمیشہ ہر زمانہ میں ملاحظہ کا ایک گروہ موجود تھا، جو خدا کے وجود کا قطعی منکر یا کم از کم متروک اور شک تھا، اسائن اور فلسفہ حال سے اس مسئلہ پر کوئی نئی روشنی نہیں پڑی ہے، خدا کے انکار کے متعلق کوئی نئی دلیل نہیں قائم ہو سکی ہے بلکہ ملاحظہ سابق و حال میں یہ فرق ہے کہ ملاحظہ سابق کے دلائل زیادہ دقیق اور پر زور ہوتے تھے، ان کے مقابلہ میں ملاحظہ حال کے دلائل کو دلائل نہیں کہہ سکتے، ان کے تمام مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ "خدا کا کوئی ثبوت نہیں ملتا"، "ماورہ کے سوا عالم میں اور کوئی چیز موجود نہیں" اور خدا کے احتراف کے بغیر نظام عالم کا سلسلہ قائم ہو سکتا ہے۔ یہ ظاہر ہو گیا کہ کوئی استدلال نہیں، بلکہ عدم علم کا اعتراف ہے،

مشکلیں اسلام نے ملاحظہ سابق کے دلائل نہایت تفصیل سے نقل کیے ہیں علامہ ابن حزم نے مل و نخل میں ملاحظہ ہی کے اعتراضات سے ابتدا کی ہے اور پھر ان کے جواب دیے ہیں۔ یہ اعتراضات نہایت ہی قوی اور پر زور ہیں، تفسیر کے لیے ہم ایک اعتراض کی تقریر نقل کرتے ہیں،

خدا کا وجود اگر تسلیم کیا جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ ایک واقعہ جو آج پیش آیا۔ اُسکی علت قدیم ہوگی یا حادثہ اگر قدیم ہو تو لازم آئے گا کہ یہ واقعہ بھی قدیم اور ازلی ہو، کیونکہ

خدا کے وجود  
ملاحظہ قدیم  
کا احتراف

علت کے ساتھ معلول کا وجود لازم ہے اور اگر حادث ہو تو اس کی علت بھی حادث ہوگی اور پھر اس کے لیے کوئی اور علت درکار ہوگی، اب اگر یہ سلسلہ کسی ایسی علت پر جا کر ختم ہو جو قدیم اور ازلی ہے تو اس تمام سلسلہ کا درجہ بدرجہ قدیم ہونا لازم آئیگا، کیونکہ علت العلل جب قدیم ہی تو اس کا پہلا معلول قدیم ہوگا، اور جب پہلا معلول قدیم ہے تو اس کا معلول بھی قدیم ہوگا۔ **وَلَمْ يَكُنْ لَكَ** اور اگر یہ سلسلہ کسی قدیم اور ازلی علت پر ختم نہیں ہوتا بلکہ الی غیر النہایہ چلا جاتا ہے تو خدا کہاں باقی رہتا ہے؟

ملاحظہ سابق کے اور بہت سے قوی اعتراضات ہیں، لیکن ہم کو ان سونے ہوئے فتنوں کے جگانے کی ضرورت نہیں، یورپ کے ملاحظہ آج کل خدا کے وجود پر جو اعتراضات کر رہے ہیں اور جس کی بنا پر ہمارے ملک میں مذہب کی طرف سے بیداری پھیلتی جاتی ہے، ہمارے صرف ان اعتراضات کا نقل کرنا اور ان کا جواب دینا کافی ہے،

جن لوگوں کو منکر خدا کہا جاتا ہے وہ مادیین (مٹریسٹ) ہیں، لیکن درحقیقت ان لوگوں کا یہ دعویٰ نہیں کہ خدا نہیں ہے، بلکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ہماری تحقیقات کے دائرہ سے باہر ہے کیونکہ ان کا دائرہ علم مادہ تک محدود ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا مادی نہیں ہے اور فیصلہ یقیناً کا قول ہم اوپر نقل کر آئے ہیں کہ ”مادی مذہب اپنے آپ کو عقل اول کی بحث سے بالکل الگ رکھتا ہے کیونکہ اس کو اس کے متعلق کسی قسم کا علم نہیں ہے، ہم حکمت الہی کے نہ منکر ہیں نہ مثبت، ہمارا کام نفی و اثبات دونوں سے الگ رہتا ہے“

اسی گروہ میں سے بعض ترقی کر کے یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا کے اقرار و انکار کے



دونوں پہلوؤں میں سے انکار کا پہلو زیادہ قوی ہے وہ کہتے ہیں کہ سب پہلو جھوٹو  
 کرنا چاہیے کہ کسی شے کے انکار یا اقرار اثبات یا نفی کے اصول ادنیہ کیا ہیں؟ فلسفہ حال  
 نے تحقیقات علمیہ کا سب سے پہلا اصول جو قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ جب تک کسی شے کے  
 وجود کی قطعی شہادت موجود نہ ہو، ہم کو اس کا وجود تسلیم نہیں کرنا چاہیے، کانت اور کین نے  
 اپنے فلسفہ کا سنگ بنیاد اسی مسئلہ کو قرار دیا اور اسی مسئلہ کی بدولت ارسطو کے ظنی فلسفہ کے  
 تمام ارکان متزلزل ہو کر قطعیات اور یقینیات کی بنیاد قائم ہوئی اور دوسرے کے تجربہ میں ہم  
 اسی اصول کے پابند ہیں، فرض کرو ایک شے ہے جسکے نہ وجود کی شہادت ہو نہ عدم کی، تو  
 ہمارا علم اس کی نسبت کس قسم کا ہوتا ہے؟ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس شے کے متعلق ہم کچھ نہیں  
 جانتے، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے یہ شے موجود نہیں مثلاً یہ ممکن ہے کہ دنیا  
 کے کسی حصہ میں ایسے آدمی موجود ہوں جنکے دوسرے ہوں، ممکن ہے کہ ایسے جانور موجود ہوں  
 جو صورت آدمی ہوں، ممکن ہے کہ ایسے دریا ہوں جن میں پھلیوں کے بجائے آدمی رہتے ہوں،  
 لیکن ہم ان چیزوں کی نفی کا یقین رکھتے ہیں، کیوں؟ اسی لئے کہ انکے وجود کی کوئی شہادت  
 موجود نہیں، اس اصول کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کے ثبوت، و عدم ثبوت، دونوں کو کسی پر اگر  
 کوئی دلیل قائم نہ ہو تو یقین کا رجحان اسی طرف ہوگا کہ خدا موجود نہیں ہے،

مادہ میں کون سا  
 خدا کے قائل نہیں

اس بنا پر ہر خدا کی نفی پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف یہ دیکھنا  
 ہے کہ ثبوت کے جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں، ثبوت کے جقدر دلائل  
 ہیں سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ اگر خدا کا وجود نہ ہو تو سلسلہ غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا لیکن

غیر تنہا ہی کے حال ہونے پر کوئی دلیل نہیں، (یہ بحث بہ تفصیل اوپر گزر چکی ہے) شاید یہ کہا جائے کہ غیر تنہا ہی کا خیال انسان کی عقل سے بالاتر ہے، اور یہی اُس کے حال ہونے کی دلیل ہے، لیکن خدا کو جس طرح قدیم اور ازلی مانا جاتا ہے، وہ بھی غیر تنہا ہی کی ایک دوسری صورت ہے، ایک خدا جو ازل سے موجود ہے، اور جس کی کوئی انتہا نہیں کیا ایک سلسلہ غیر تنہا ہی کے تسلیم کرنے سے کچھ کم عجیب ہے؟

خدا کے ثبوت میں یہ مقدمہ بڑے آب و تاب سے پیش کیا جاتا ہے کہ ہم براہہ دیکھتے ہیں کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے اُس کی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے،

لیکن یہ مسئلہ کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے، اُسکی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے تشریح طلب ہے یہ بیشک صحیح ہے کہ ہم نے جن چیزوں کو پیدا ہوتے دیکھا ہے بغیر علت کے نہیں دیکھا لیکن سوال یہ ہے کہ ہم نے کیا چیز پیدا ہوتے دیکھی ہے؟ کیا ہم نے اصل مادہ کو پیدا ہوتے دیکھا ہے؟ ہم نے جن چیزوں کو پیدا ہوتے دیکھا ہے وہ مادہ کی صورتیں ہیں نہ کہ اصل مادہ اس لیے اس سے صرت یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صورتوں کے پیدا ہونے کے لیے علت درکار ہے اس سے زیادہ جو دعویٰ کیا جائے اسکی بنیاد تجربہ، اور مشاہدہ نہیں ہے بلکہ صرت تخیل ہے اس بنا پر یہ دعویٰ کرنا کہ عالم کے لیے کوئی علت ضرور ہے صحیح نہیں، کیونکہ عالم مادہ کا نام ہے اور مادہ کا حادث اور مخلوق ہونا ثابت نہیں ہوا اس لیے اس کی علت بھی ثابت نہیں ہو سکتی،

شاید یہ کہا جائے کہ مادہ قدیم اور مخلوق ہے لیکن مادہ کبھی صورت سے

خالی نہیں ہو سکتا، اس لیے ان صورتوں کے لیے کوئی علت ہوگی اور وہی خدا ہے، لیکن یہ استدلال بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ مادہ قدیم ہے اور یہ صورتیں علی سبیل تبدیلیۃ پیدا ہوتی اور فنا ہوتی رہتی ہیں، اس بنا پر ان کے لیے ایک قدیم علت نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں حادث علتیں درکار ہیں،

اصل یہ ہے کہ خدا کے وجود کی جو ضرورت ہے وہ صرف اس لحاظ سے ہے کہ نظام عالم کا سلسلہ کس بنیاد پر قائم کیا جائے؟ اس لیے ہم کو صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ عالم کا وجود اور عالم کا نظام، خدا کے وجود کے بغیر فرض کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کیا جاسکتا ہے تو خدا کے وجود کے تسلیم کی کوئی ضرورت نہیں رہتی،

عالم کا وجود  
قدیم ہے  
فرض کیا جاسکتا  
ہے یا نہیں

یہ امر قطعی ہے کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں نہیں آسکتی، اس بنا پر عالم کا مادہ قدیم ہے، تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم کی ترکیبی صورت سے پہلے فضائے غیر متناہی میں، نہایت چھوٹے چھوٹے اجزاء پھیلے ہوئے تھے، ان اجزاء کو علمی اصطلاح میں دیقراٹھسی کہتے ہیں، یہ اجزاء آپس میں ملے اور ترکیب پا کر رفتہ رفتہ یہ عالم پیدا ہو گیا۔

اس تجزیہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ اجزاء خود بخود کیونکر مل گئے؟ اور یہ گونا گون مرکبات خود بخود کیونکر پیدا ہو گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مادہ قدیم ہے حرکت اور قوت بھی قدیم ہے، حرکت ان اجزاء دیقراٹھسی کی فطری خاصیت ہی، جو اجسام ہم کو ساکن نظر آتے ہیں، ان کے اجزاء دیقراٹھسی بھی ہر وقت حرکت میں رہتے ہیں، اور اگر ان کو کبھی سکون ہوتا ہے تو دور تقابل جذب کے تعارض کی وجہ سے ہوتا ہے

بہر حال مادہ کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے، اور مادہ کبھی حرکت سے خالی نہیں ہو سکتا اس بنا پر اجزائے دقیقہ طبعی کا باہم مل جانا کوئی استبعاد کی بات نہیں

اب جو کچھ شہسہ باقی رہتا ہے وہ یہ ہے کہ محض بخت و اتفاق کو ایسی عجیب و غریب مخلوقات جو سرتاپا حکمت اور صنعت سے بھری ہوئی ہیں کیونکر پیدا ہو سکتی ہیں؟ اسی سوال کو مذہب نے نہایت موثر الفاظ میں ادا کیا ہے، اور یہ سمجھایا ہے کہ خدا کا وجود اس سؤل کا لازمی نتیجہ ہے۔ **راہین کہتا ہے:** اے آسمانوں! مجھ کو خبر دو، اے دریاؤ! مجھ کو بتاؤ! اے زمین! مجھ کو جواب دے! اے بے انتہا ستاروں! تم بولو کون سا بات ہے جس نے تم کو افق میں تھام رکھا ہے؟ اور شب چارہ اے تیری تاریکی کو خوبصورت بنا دیا ہے؟ تو کس قدر پریشان ہے، کس قدر عظمت مآب ہے! تو خود بتا رہی ہے کہ تیرا کوئی صانع ہو جس نے تجھ کو بغیر کسی زحمت کے بنایا ہے، اس نے تیری چھت کو قبہ ہائے نور سے مرصع کیا ہے جس طرح کہ اس نے زمین پر خاک کا فرش بچھایا ہے اور گرد و کوہ بھارا ہے، اور فردہ رسان سحر اور غیر شگفتہ اور ہمیشہ روشن رہنے والا ستارہ! اور آفتاب درخشان! سچ بتاؤ کس کی اولے طاعت کے لیے محیط کے پردہ سے باہر آتا ہے، اور نہایت فیاضی کیساتھ اپنی روشن شمعیں عالم پر ڈالتا ہے؟ اے پر عجب سمندر! اے وہ کہ غضبناک ہو کر زمین کو نکل جانا چاہتا ہے، کس نے تجھ کو مجبوس کر رکھا ہے جس طرح شیر کٹرہ میں قید کر دیا جاتا ہے، تو اس قید خانہ سے بے فائدہ نکل جانے کی کوشش کرتا ہے تیری موجوں کا زور ایک حد میں سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکتا،

ان سوالات کے جواب دینے کے لیے پہلے ہم کو دیکھنا چاہیے، کہ خود اہل مذہب نے کائنات کی خلقت، اور اس کے بقا اور استمرار کا کیا اصول قرار دیا ہے، اس بارہ میں اہل مذہب کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ عالم میں جو کچھ پیدا ہوتا رہتا ہے ایک ایک چیز کو خود خدا، بالذات اور بلا واسطہ پیدا کرتا ہے، اسباب و علل اور درمیانی وسائل کوئی چیز نہیں، پانی جو برستا ہوا تو اس وجہ سے نہیں برستا کہ سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے وہ اوپر جا کر، سردی کی وجہ سے پانی بنجاتی ہے اور بادل بن کر برتی ہے، بلکہ خدا بالذات پانی برساتا ہے،

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ خدا نے اشیاء میں خواص اور تاثیر رکھی ہے اور انہی خواص اور تاثیر کی وجہ سے کائنات کا سلسلہ پیدا ہوتا رہتا ہے، مثلاً خدا نے پانی میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ حرارت یا گروہ بھاپ کی صورت میں بدل جاتا ہے، بھاپ کا یہ خاصہ ہے کہ خنکی پا کر وہ پانی بنجاتی ہے، اب ان خاصیتوں کے پیدا کرنے کے بعد خدا کو بار بار ہمیشہ دست اندازی نہیں کرنی پڑتی بلکہ انہی خاصیتوں کی بنا پر اوقات معینہ میں خود بخود بھاپ پیدا ہوتی ہے، اوپر جاتی ہے، پانی بنتی ہے، اور برتی ہے۔ اسی طرح خدا نے خلقت کے اصول اور قوانین مقرر کر دیے ہیں جن کے موافق، نظام عالم قائم ہے اور نئے حوادث کا سلسلہ جاری رہتا ہے، محققین اہل مذہب کا عموماً یہی مذہب ہے، اور خود مسلمانوں میں اشاعرہ کے سوا، باقی تمام فرقوں کی یہی طے ہے،

جب یہ مسلم ہو گیا کہ عالم کا سلسلہ چند قوانین قدرت پر قائم ہے تو بحث صرف یہ رہ جاتی ہے

کہ یہ قوانین قدرت خود بخود بنے ہیں، یا خدا نے بنائے ہیں اگر پہلا احتمال فرض کیا جائے تو خدا کی مطلق ضرورت نہیں رہتی۔

قوانین قدرت  
خود بنے ہیں

مادہ کی نسبت یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ قدیم ہے۔ علوم جدیدہ نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ مادہ کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے، یعنی جب محض اجزائے دیفرانسیسی تھے تو یہ اجزا ہمیشہ حرکت میں تھے، اور جب ان اجزا کی ترکیب سے مختلف اجسام بنے، تب بھی یہ اجزا ہر وقت خود بخود حرکت میں رہتے ہیں گو ہم کو نظر نہیں آتے، ان امور کے تسلیم کے بعد اس بات کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ قوانین قدرت کے لیے، ایک الگ صانع یعنی خدا تسلیم کیا جائے، اجزائے دیفرانسیسی جب آپس میں امتزاج پاتے ہیں، تو مختلف صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں، اور ہر صورت خود ایک خاصہ اور ایک اثر رکھتی ہے، یہ خاصہ و اثر خود اس ترکیب و امتزاج کا نتیجہ ہے، باہر سے کوئی شخص، ان صورتوں میں وہ خواص پیدا نہیں کرتا، اس مضمون کو یوں سمجھو کہ خود فلسفہ قدیمہ میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ ذاتیات اور لوازم جھول نہیں مثلاً خدا نے مختلف انواع کے درخت پیدا کیے جن میں سے ہر نوع کا پتہ شاخیں پھول پھل۔ مزہ رنگ مختلف ہوتا ہے، لیکن یہ چیزیں خدا نے بالذات پیدا نہیں کیں، بلکہ صرف اس نوع کو پیدا کیا، اور یہ چیزیں اس کے لوازم ہونے کی وجہ سے آپ سے آپ پیدا ہو گئیں،

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ بالہ ثقفہ میں لکھتے ہیں،

فَاِنَّهُ جَعَلَ لِكُلِّ نَوْعٍ اَوْ دَا قًا بِشَكْلِ حَاصٍ  
 وَ اَرْهَادًا بِلَوْنٍ حَاصٍ وَ شَا دًا مَحْصَصَةً  
 لِبَطْنٍ مِمَّنْ وَ تَبْلُوكَ لَامُورٍ يُعِيْنُ اَنَّ هَذَا  
 اَلْعَرَضُ مِنْ نَوْجٍ كَذَا اَوْ كَذَا وَ هَلَا هُ كَلْهًا  
 تَابِعَةً لِلصُّوَرَةِ التَّوَعِيَةِ مُلْتَوِيَةً  
 خدا نے ہر قسم کے درخت کے لیے جدا گانہ شکل کی ہے۔ جدا گانہ  
 رنگ کے پھول۔ جدا گانہ مری کے پھل بنائے جنکے ذریعہ سے  
 معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص درخت فلاں درخت کے افراد ہیں  
 داخل ہوا اور یہ خاصیت ہیں، صورت نوعیہ کی تابع ہیں اور  
 اسی میں لپٹی ہوئی ہیں

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں

وَ كَيْسٌ لِّكَ اَنَّ تَقُولُ لِمَ كَانَتْ ثَمَرَةُ الْفُضْلِ عَلٰى  
 هَذِهِ الصِّفَةِ فَانَّهُ سَوَّلَ بَابِلَ صِلَاتٍ  
 وَ جَوْدَ لَوَا زِمِ الْمَصِيَّاتِ مَعَهَا لَا يُطَالِبُ بِلَمِ  
 اور تم یہ پوچھ نہیں سکتے کہ چرا کا پھل اس صفت کا کیوں  
 ہوا؟ کیونکہ ایسا سوال کرنا لغو ہے جو سوجھ بوجھ کے بغیر ہوتا ہے  
 سنا ہی پیدا ہوتے ہیں اور انکی نسبت یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ کیوں ہے

اس امر کے تسلیم کرنے کے بعد کہ مظاہر قدرت کا ہر حصہ خود اشیا کی صورت نوعیہ کا  
 نتیجہ ہے یعنی انکو بالذات خدا نے پیدا نہیں کیا بلکہ وہ صور نوعیہ کا لازمی نتیجہ تھیں جو خود بخود انکے  
 ساتھ پیدا ہو گئیں، یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ صور نوعیہ کا خالق کون ہے؟ اس قدر  
 حکماء قدیم کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ صور نوعیہ، قدیم اور مازلی ہیں، نشر الطوائع میں ہے

صور نوعیہ قدیم  
 ہیں یا حادث

وَدَعَمًا اَوْ سَطَا طًا لَيْسَ قَالُوْا لَصُوْرُ الْفَا رِجٰى  
 قَالُوْا عَلٰى بِنِ سَيْنَا اَنَّ الْاَفْلَاكَ قَدِ اُتِمَّتْ بِمَوَادِّهَا  
 وَ مَقَادِيْرُهَا وَ اَشْكَالُهَا سَوَّخًا تَامًا لِّمَوَادِّهَا  
 وَ صُوْرًا لِّجِسْمِيَّةِ بَنُوْعِهَا وَ صُوْرًا لِّلنَّوْعِيَّةِ بِحَسْبِهَا  
 اوسط اور نضر فارابی اور ابو علی سینا کا خیال ہے کہ افلاک کا  
 مادہ، مقدار اور اشکال، قدیم ہیں صرف انکی حرکت قدیم  
 نہیں ہے اور عناصر کا مادہ اور انکی صور جسمیہ کی نوع  
 اور صور نوعیہ کی جن قدیم ہے،

صور نوعیہ کا قدیم ہونا جب خود اہل مذہب تک تسلیم کرتے ہیں تو اب صرف یہ بحث رہ جاتی ہے کہ صور نوعیہ خود بخود پیدا ہو گئیں یا خدا نے پیدا کیں اہل مذہب اس بات پر کوئی دلیل نہیں قائم کر سکتے کہ صور نوعیہ خدا نے پیدا کیں، بلکہ یہ احتمال زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ خود بخود پیدا ہو گئیں کیونکہ جب وہ قدیم اور ازلی ہیں تو ان کو بغیر کسی قوی دلیل کے معلول کہنا بالکل خلاف عقل ہے۔ حاصل یہ کہ اجزاء و مقترطیسی قدیم ہیں، ان کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے۔ حرکت سے امتزاج پیدا ہوا، امتزاج نے مختلف صور نوعیہ پیدا کیں، باقی تمام مظاہر کائنات ان صور نوعیہ کے نتائج لازمی ہیں جیسا کہ خود اہل مذہب کو تسلیم ہے،

مابرٹ انگریس سال جو امریکہ کا مشہور محقق ہے، اپنی کتاب ”انکار خدا“ میں لکھتا ہے، ”فرض کر دو کہ نیچر سے برتر کوئی قوت نہیں اور مادہ اور قوت ازل ہی موجود ہیں اب خیال کر دو کہ دو ذرہ باہم ملین تو کیا کوئی نتیجہ پیدا ہو گا؟ ہاں! فرض کر دو اگر وہ مخالف جہتوں سے برابر قوت کے ساتھ آئیں تو دونوں رک جائیں گے اور یہی نتیجہ ہو گا۔ اگر ایسا ہی ہو تو مادہ قوت اور نتیجہ بلا کسی ایسی قوت کے ہیں جو نیچر سے برتر ہو۔ اگر فرض کر دو کہ دو ذرے اس طرح ملین تو کیا نتیجہ بعینہ وہی نہ ہو گا؟ ہاں! ایک ہی قسم کی حالت سے ایک ہی قسم کا نتیجہ ہو گا۔ اور اسی کے معنی قانون اور ترتیب کے ہیں۔ تو اب مادہ قوت۔ قانون۔ ترتیب بلا ایسی قوت کے ہیں جو نیچر سے بالاتر ہو۔“

شاید یہ کہا جائے کہ جس طرح یہ سلسلہ فرض کیا جاتا ہے، یہ بھی فرض کیا جاسکتا ہے کہ مادہ و اجزاء و مقترطیسی قدیم ہیں لیکن خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور پھر ان کے



امتزاج اور اختلاط سے عالم پیدا ہوا، اور جب اس سلسلہ کے فرض کرنے میں کوئی احتمال نہیں تو اسی کو ترجیح کا حق ہے کیونکہ جواز میں دونوں احتمال برابر ہیں اور دوسرے احتمال کو ترجیح زائد یہ ہے کہ دنیا کا بڑا حصہ اسی احتمال کو آج تک ماننا آتا ہے۔

لیکن یہ خیال بھی صحیح نہیں کیونکہ واقعیت کے لحاظ سے دونوں احتمال یکساں نہیں ہیں تمام مدركات اور معلومات کی واقعیت کا اصلی معیار یہ ہے کہ جو علم جس قدر زیادہ، محسوسات پر مبنی اور محسوسات سے زیادہ قریب ہے اسی قدر یقینی اور زیادہ قابل اعتماد ہے، جس قدر محسوسات سے بعد ہوتا جاتا ہے اسی قدر یقینی ہونے کا درجہ گھٹتا جاتا ہے اور اگر تحلیل کرنے کے بعد اس کی انتہا محسوسات تک نہیں پہنچتی، تو وہ محض دہمی علم ہے کیونکہ یہ محقق ہو چکا ہے کہ انسان اُن اشیاء کو جان سکتا ہے جو یا محسوس ہیں یا محسوسات سے ماخوذ ہیں اس بنا پر پہلا احتمال یعنی محض مادہ اور حرکت کا مبدا کائنات ہونا زیادہ تر قریب یقین ہے۔ عالم میں جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ مادہ ہے، حرکت ہے، قوت ہے یہ سب کچھ محسوسات میں داخل ہے کہ تمام دنیا ملکہ کسی چیز کو نہ مطلق فنا کر سکتی نہ عدم محض سے پیدا کر سکتی، اس سے خود بخود ثابت ہوتا ہے کہ مادہ قدیم ہے ایسے مادہ کا قدیم ہونا بھی گویا محسوسات میں داخل ہے یہ بھی محسوسات میں داخل ہے کہ چند قوانین قدرت ہیں جن کے مطابق کائنات کا سلسلہ قائم ہے مثلاً کشش اجسام مسئلہ ارتقا۔ انتخاب طبعی وغیرہ وغیرہ۔

لیکن دوسرا احتمال یعنی خدا کا وجود نہ خود محسوسات میں ہے نہ محسوسات سے ماخوذ ہے اس قدر بے شبہ محسوس ہے کہ ہر حادث، علت کا محتاج ہے، لیکن مادہ، حادث نہیں،

خدا کا وجود محسوسات سے ماخوذ نہیں

اور چونکہ حرکت اور قوت، خود مادہ کے لازم طبعی ہیں اس لیے وہ بھی حادث نہیں، اور جب مادہ - قوت - حرکت قدیم ہیں، اور کائنات کے تمام انواع، انہی چیزوں کا نتیجہ ہیں، تو خدا کا وجود کن محسوسات سے ماخوذ کہا جاسکتا ہے؟ پروفیسر ریتزہ کہتا ہے کہ "جن اسباب کائنات کو پیدا کیا ہے، بظاہر وہ خود کائنات میں موجود ہیں اور ان سے الگ نہیں اور انہی اسباب کو ہم قوانین فطرت سے تعبیر کرتے ہیں" ایک مشہور پروفیسر کہتا ہے کہ "قوانین فطرت اور خدا، ان دونوں میں سے ہم کو صرف ایک کی ضرورت ہے"

یہ ان ملاحظہ کے خیالات ہیں جن کا یہ بیان ہے کہ ہم کو خدا کے وجود پر کوئی دلیل نہیں ملتی، اور اگر صرف احتمال سے کام لیا جائے تو خدا کے عدم کا احتمال وجود سے زیادہ قوی ہے، لیکن ملاحظہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو علانیہ اس بات کا مدعی ہے کہ خدا کا وجود جس طرح بیان کیا جاتا ہے، وہی نہیں سکتا۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کے منے اگر صرف علیہ العلل کے ہیں تو ہم کو کچھ سمجھ نہیں لیکن اگر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ قادر مطلق - حکیم - صاحب ارادہ - عادل - اور رحیم بھی ہے تو اس کا ثبوت نہیں ہوتا، بلکہ اس کے خلاف بہت سے دلائل موجود ہیں جن کی تفصیل ذیل میں ہے،

۱۰  
مذکورہ بالا کے  
دلائل

(۱) ڈارون کے مسئلہ ارتقاء ثابت کر دیا ہے کہ تمام مخلوقات نہایت ادنیٰ درجہ سے ترقی کرتے کرتے موجودہ حالت پر پہنچی ہیں خود انسان جو شرف المخلوقات کہا جاتا ہے نہایت ادنیٰ درجہ کا جانور تھا، ترقی کرتے کرتے بندر کی حد تک پہنچا اور پھر ایک دوزین کے بعد

آدمی بن گیا، اس بنا پر کیوں کر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کا پیدا کرنا مطلق اور حکیم ہو، مابریٹ انگریز سال اپنی کتاب میں جو خدا کے انکار پر ہے لکھتا ہے،

”فرصت کہ ذایک چیز پر ایک آدمی دس لاکھ برس کی عمر کا طے جس کے پاس ایک نہایت عمدہ خوبصورت گاڑی موجود ہو، اور اس کا یہ دعویٰ ہو کہ یہ گاڑی اسکی لاکھوں برس کی محنت کا نتیجہ ہے جس کے ایک ایک پرزہ کے ایجاد کرنے میں پچاس پچاس ہزار برس صرف ہوئے، تو کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ وہ شخص ابتدا ہی عرفین و جنتیں میں رہتا تھا۔ وہ مخلوق کی ترقی سے کیا یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ خالق میں بھی ترقی ہوئی ہو، کیا ایک نیک عاقل اور قادر مطلق خدا انسان کو پیدا کرنا چاہتا تو اسطرح پیدا کرتا کہ پہلے نہایت ابتدائی اور ادنیٰ درجہ کی سادہ حالت میں پیدا کرتا۔ پھر ایک غیر محدود زمانہ کے بعد آہستہ آہستہ ترقی دیکر انسان بناتا اس طرح سالہائے بشمار، ان شکلوں اور مہینوں کے بنانے میں صرف ہوئے جن کو آخر کار خارج کرنا پڑا۔“

(۲) دنیا میں نہایت کثرت کے جو درد ظلم، فحش و زانیہ اور قتل، معصیت اور رنج پایا جاتا ہے، اس لیے کیوں کر قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ دنیا کا خالق، رحیم اور عادل ہو، انگریز سال لکھتا ہے کہ وہ دنیا کی سطح کو ایسے خوفناک اور نفرت انگیز جانور دن سے بھرنا جو ایک دوسرے کی تکلیف اور ایذا پر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں، کیا اس میں بعصیت اور عقلمندی کی علامت پائی جاتی ہے؟ اس دنیا کے پیدا کرنے والے کے رحم کی کون قدر کر سکتا ہے جب کہ ہر جانور دوسرے جانور کو کھاتا ہے، یہاں تک کہ ہر ننھ ایک ننھ اور ہر پیٹ ایک قبرستان ہو

اس عام اور دائمی فخر و تیزی میں غیر محدود بصیرت اور محبت کا وجود غیر ممکن ہے،  
 درسا لہا سال کی تاریکی میں جو تکلیفیں بنی نوع انسان کو پہنچیں وہ قیاس نہیں کی  
 جاسکتیں، زیادہ تر حصہ، اس تکلیف کا کمزور، نیک و معصوم لوگوں فی برداشت کیا، عورتوں سے  
 زہریلے درندوں کی طرح سلوک کیا گیا، معصوم بچے، حشرات الارض کی طرح ہانوں سے کچلے  
 گئے، قوم کی قوم پر صدیوں غلامی کا فتویٰ رہا اور تمام عالم میں وہ ستم برپا رہا جس کو  
 زبان قلم ادا نہیں کر سکتی۔

اگر کوئی کہے کہ آئندہ دنیا میں ان مصیبت زدوں کو تکلیف کا بدلہ مل جائیگا تب بھی  
 اس اعتراض کا جواب نہیں ملتا، اس بات کی امید کرنے کا ہم کو کیا حق حاصل ہے کہ ایک  
 کامل، عاقل، نیک اور با اقتدار حکیم ہمارے ساتھ بقابلہ حال کے آئندہ بہتر سلوک کرے گا،  
 کیا خدا میں زیادہ قوت آجائگی؟ کیا وہ زیادہ رحیم ہو جائیگا؟ کیا اسکی مہربانی اپنی عاجز مخلوق  
 کے ساتھ زیادہ ترقی کر جائیگی؟

(۳) یہ امر ظاہر ہے کہ سیکڑوں آدمی خلقت نہایت بے رحم، سخت دل، بدکار اور بے  
 مائل بہ شہوات، ہوتے ہیں، بلکہ خلقت کا زیادہ حصہ بُرے ہی آدمیوں کا ہے، اس صورت  
 میں کیوں کر قیاس ہو سکتا ہے کہ ایک حکیم اس قسم کے اشخاص کا پیدا کرنا جائز رکھتا  
 قیامت کی جزا و سزا۔ اس عقدہ کو حل نہیں کر سکتی، کیونکہ اصل سوال یہ ہے کہ ان اشخاص کے  
 پیدا ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ پیدا کرنا اور پھر ان کو قیامت میں سزا دینا اس سے  
 کیا فائدہ؟ اگر خدا قادر مطلق ہے تو اسکو دنیا میں صرف نیکی، راست بازی، انکو کاری

پیدا کرنی چاہیے تھی، غریب، چھوٹ، قس، غور، حسد، نقیض، دشمنی، انتقام، تیرحمی کے وجود کی کیا ضرورت تھی؟ ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی صاحب ارادہ اور مختار خدا نہیں ہے، بلکہ صرف آلاتِ نیچر ہے، جس کے موافق کائنات کا ایک سلسلہ قائم ہے اور بغیر کسی غرض، اور مقصد کے جو کچھ ہوتا ہے ہوا جاتا ہے،

ایک مشہور محد کتاب ہے کہ جہاں تک ہم تیز کر سکتے ہیں ہلکے معلوم ہوتا ہے کہ نیچر بلا محبت اور بلا ارادہ ہمیشہ مختلف اشکال بناتا اور بدلتا رہتا ہے نہ اس کو غم ہے نہ خوشی، نہ ہر غذا اور بیج و طرب، زندگی و موت، مہنی اور آسوا سب اس کے نزدیک یکساں ہیں، نہ وہ دیکھتا ہے نہ وہ خوشا بد سے خوش ہوتا ہے، نہ آنسو گرانے سے متاثر ہے،

### ملاحظہ کے اعتراضات کا جواب

ہم کو اس سے انکار نہیں کہ عالم، اجزاء و مقراطیسی سے بنا ہے۔ ہلکے بھی تسلیم ہے کہ عالم قدیم ہے جیسا کہ خود مسلمانوں کے ایک بڑے فرقہ معتزلہ، اور حکماء اسلام یعنی فایلابی، ابن سینا اور ابن رشد کی رائے ہے۔ بلکہ جیسا کہ ابن رشد نے تلخیص المقال میں لکھا ہے خود قرآن مجید کی ان آیتوں سے إِنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا وَكَانَ عَنْ شِدَّةِ عَلَى الْمَاءِ ثَمَلًا اسْتَوْحَىٰ لَطَا السَّمَاءِ وَهِيَ كَحَنَانٍ، یہی تباہ و مہوتا ہے، ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مادہ کے اجزاء متحرک ہیں حرکت، مادہ کی ذرات میں جو مختلف قوانین قدرت ہیں جن کے موافق اجزاء باہم ملتے ہیں، ترکیب پاتے ہیں اور پھر زمین خاص خاص قوتیں اور خواص پیدا ہو جاتی ہیں، لیکن کائنات کا عقیدہ ان باتوں سے

ملاحظہ کیے  
اعتراض کا  
رد

بھی حل نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے،

اس میں شبہ نہیں کہ عالم کا عام نظام، قوانین قدرت، یا آلات نیچر قائم ہے لیکن یہ قوانین، الگ الگ مستقل بالذات، اور ایک دوسرے سے بے تعلق نہیں ہیں بلکہ سب

ایک دوسرے کے موافق، متناسب اور معین ہیں ان میں باہم اس قدر تناسب اور ربط ہے کہ ایک چھوٹی سی چیز کے پیدا کرنے میں کل قوانین قدرت باہم مل کر کام کرتے ہیں۔ ایک

تمام قوت قدرت  
باہم موافق اور  
معاون ہیں

کمزور سے کمزور گھاس اُس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب خاک ہو۔ پانی وغیرہ سے لیکر بڑے

بڑے اجرام فلکی مثلاً آفتاب و ماہتاب، وغیرہ کے افعال اور خواص اُسکے پیدا کرنے میں

مشارکت اور توافقی کو عمل میں لائیں، اسکی مثال بالکل ایسی ہے جس طرح انسان کے جسم

میں سیکڑوں اعضا، جوارح اور اعصاب ہیں، یہ اعضا اور جوارح الگ الگ ہیں اور ہر ایک کا کام جدا ہے لیکن کوئی عضو ہر وقت تک کام نہیں لے سکتا جب تک اور

تمام اعضا بالذات یا بواسطہ اُسکے عمل میں شریک نہیں ہوں، لاکھ سے کم یہ کہ اُس کے کام میں خلل انداز نہ ہوں، اسی سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ ان اعضا کے قومی مستقل

حیثیت نہیں رکھتے بلکہ انسان میں کوئی اور عام قوت ہر جوان تمام اعضا کی جدا گانہ قوتوں سے

بالا تر ہے، اور جس کی ماتحتی میں یہ سب باتفاق کام کرتے ہیں، اس عام قوت کو نفس۔  
روح۔ یا مزاج سے تعبیر کیا ہے،

قوانین قدرت کا بھی یہی حال ہے، عالم میں سیکڑوں ہزاروں قوانین قدرت ہیں۔  
لیکن اگر ان میں سے ایک بھی باہمی توافقی کے مرکز سے ذرا ہٹ جائے تو تمام نظام عالم

برہم ہو جائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی اور بالاتر قوت ہر جان تمام قوانین قدرت کو محکوم رکھتی ہے اور جس نے ان تمام قوانین میں، باہم توافقی تناسب ربط اور اتحاد پیدا کیا ہے میٹرکس یہ کہہ سکتا ہے کہ مادہ خود بخود پیدا ہوا، مادہ کے ساتھ حرکت پیدا ہوئی، حرکت نے استرجع پیدا کیا، اور پھر رفتہ رفتہ بہت سے قوانین قدرت پیدا ہو گئے لیکن وہ اس بات کی وجہ نہیں بنا سکتا کہ ان سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں قوانین قدرت میں یہ توافقی تناسب اور اتحاد کہاں سے آیا؟ توافقی اور اتحاد پیدا ہونا۔ خود ان قوانین کی ذاتی خاصیت نہیں ہو اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو محض ایک فرضی احتمال ہو گا جسکی کوئی نظریہ پیش نہیں کیا جاسکتا، یہی بالاتر قوت جو تمام قوانین قدرت پر حاکم ہے اور جس نے ان تمام قوانین میں ربط اور اتحاد قائم کیا ہے خود اسے یہی معنی ہیں قرآن مجید کی اس آیت کے **وَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَيُمْرِطُ الْمَوْتَىٰ** اور اسان میں جو کچھ چرے مکالمات میں بہرہ بخوشی یورپ کے بڑے بڑے حکما اور فلاسفر کو اسی بنا پر خدا کا اقرار کرنا پڑا ہے۔

ملین اڈورڈ *Milne Edwards* کہتا ہے، "انسان اس وقت سخت حیرت زدہ ہو جاتا ہے، جب یہ دیکھتا ہے کہ ان کمر اور ناطق مشابہات کے ہوتے ہوئے ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام عجائبات صرف بخت و اتفاق کے نتائج ہیں یا دوسری عبارت میں یون کنا چاہیے کہ وہ کی عام خاصیت کے نتائج ہیں، فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیاں جنکو لوگوں نے علم الحسوسات کا لقب دیا ہے علم حقیقی نے ان کو بالکل باطل کر دیا ہے، فزیکل سائنس جاننے والا کبھی اس پر اعتقاد نہیں لاسکتا۔"

ہر برٹ اسپنسر کہتا ہے ”یہ اسرار جو روز بروز زیادہ دقیق ہوتے جاتے ہیں جب ہم ان پر زیادہ بحث کرتے ہیں تو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت ہے جس سے تمام اشیاء وجود میں آتی ہیں“

پروفیسر لینے کہتا ہے ”وہ خداے اکبر جو ازلی ہے، جو تمام چیزوں کا جاننے والا ہے، جو ہر چیز پر قادر ہے، اپنی عجیب و غریب کاریگریوں سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میں مبہوت اور مدہوش ہو جاتا ہوں“

اب ہم ان اعتراضات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو خدا کے قادر مطلق، رحیم اور عادل ہونے کی نسبت کیے جاتے ہیں، یہ اعتراض کہ اگر خدا قادر مطلق ہوتا تو دنیا کو بدترج کیوں پیدا کرتا، اس قدر بخوبی کہ توجہ کے بھی قابل نہیں،

ایک قطرہ کا رحم میں پڑنا۔ پرورش پانا، گوشت پوست چڑھنا، مختلف اعضا کا پیدا ہونا، جان کا پڑنا، خون سے غذا پانا اور پھر نور کا پتلا بنکر ہستی کے منظر پر آنا، زیادہ عجیب و غریب اور کمال قدرت کی دلیل ہے؟ یا دفعۃً بنا بنا ایک انسان مجسم کا پیدا ہو جانا؟

البتہ یہ اعتراض توجہ کے قابل ہے کہ دنیا میں نیکی کے ساتھ برائی کیوں ہو؟  
 بوعلی سینا نے شفا میں اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ دنیا کی تین حالتیں فرض کی جاسکتی ہیں،

محض بھلائی ہی بھلائی ہوتی۔ محض بُرائی ہوتی۔ زیادہ بھلائی ہوتی اور کسی قدر بُرائی

سلہ ہر برٹ اسپنسر اور پروفیسر لینے کے یہ اقوال پہلے بھی ہم نقل کر چکے ہیں،



اب فرض کرو کہ قدرت کے سامنے یہ تینوں پیش ہیں تو اسکو کیا کرنا چاہیے؟  
 پہلی صورت کی نسبت کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ وہ اختیار کرنے کے قابل ہو دوسری  
 صورت بھی قابل بحث نہیں کیونکہ ہر شخص کے نزدیک وہ قابل اختیار ہے اور قدرت  
 نے بھی ایسا ہی کیا، یعنی ایسی دنیا پیدا نہیں کی جس میں برائیاں ہی برائیاں ہوں  
 صرف تیسری صورت بحث کے قابل ہے۔ یعنی قدرت کو ایسا عالم پیدا کرنا چاہیے  
 یا نہیں جس میں بھلائیوں زیادہ اور برائیاں کم ہوں، اگر ایسا پیدا نہ کیا جاتا تو بے شبہ  
 یہ فائدہ ہوتا کہ چند برائیاں عالم وجود میں نہ آتیں لیکن اس کے ساتھ بہت سی بھلائیوں کا بھی  
 وجود دیتا۔ اسکا یہ نتیجہ ہوتا کہ چند برائیوں کے لیے دنیا ہزاروں بھلائیوں سے محروم رہ جاتی۔  
 ابن رشد نے اس اعتراض کا اور جواب دیا ہے، وہ کہتا ہے کہ دنیا میں جو برائی  
 پائی جاتی ہے وہ بالذات نہیں بلکہ کسی بھلائی کی تابع اور لازم ہے، غصہ بری چیز ہے  
 لیکن اس حاشہ کا نتیجہ ہے جس کی بدولت انسان حفاظت خود اختیار کر رہا ہے،  
 یہ حاشہ نہ ہو تو انسان ایک قاتل کے مقابلہ میں اپنی جان بچانے کی کوشش نہ کرے  
 فسق و فجور بری چیزیں ہیں لیکن یہ اسی قوت سے متعلق ہیں جو نسل انسانی کا بقا مختصر ہے  
 آگ گھر دن کو جلا دیتی ہے شہر کے شہر اس سے تباہ ہو جاتے ہیں لیکن اگر آگ نہ ہو تو  
 انسان کا زندگی بسر کرنا محال ہو جائے۔

اب صرف یہ شبہ رہتا ہے کہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جو چیز پیدا کی جاتی اس میں اچھائی ہی  
 اچھائی ہوتی۔ برائی مطلق نہ ہوتی، ابن رشد کہتا ہے کہ ہاں یہ ممکن ہی تھا کوئی ایسی آگ

نہیں پیدا کی جاسکتی کہ اس سرکھانا پکانا چاہیں تو پک جائے لیکن اگر مسجد کو جلانا چاہیں تو نہ جلائے،  
 باقی یہ اعتراض کہ دنیا میں اکثر اچھے آدمی تکلیف اٹھاتے ہیں اور بُرے آدمی  
 عیش و عشرت سے بسر کرتے ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ انسان کی زندگی اس حیات فانی  
 تک ختم نہیں ہو جاتی، اس لیے یہ کیونکر فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ ہم جبکو عیش و عشرت میں بسر کرتا  
 ہوا دیکھ رہے ہیں یہ انکی پوری زندگی کی تصویر ہے، ہمارے سامنے اس سلسلہ کا بہت  
 چھوٹا سا حصہ ہے، اس کی بنا پر ہم پورے سلسلہ کی نسبت کیونکر رائے دے سکتے ہیں؟  
 آگے چلکر ہم ثابت کرینگے کہ جزا و سزا، افعال انسانی کے لازمی نتائج ہیں جو کس طرح اُنسے  
 جدا نہیں ہو سکتے جس طرح مرنے پر کھانے کا اور سیراب ہونے پر پینے کا لازمی نتیجہ ہے،  
 اس بنا پر یہ کہنا صحیح نہیں کہ بہت سے لوگ اچھے یا بُرے کام کرتے ہیں، اور اُن کے  
 نتیجے اُن کو پیش نہیں آتے،

نظام عالم میں ہر جو تجربا یا ان اتریان اور نقائص نظر آتے ہیں کون کہہ سکتا ہے  
 کہ واقعی نقائص ہیں؟ یا اس وجہ سے نظر آتے ہیں کہ نظام عالم کا پورا سلسلہ ہماری  
 آنکھوں کے سامنے نہیں ہے۔ ایسی حالت میں صرف اتنی بات پر خدا کے کمال اور  
 عزت و جلال کا کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے؟ وَمَا آتَيْنٰهُم مِّنَ الْاٰلَمِ الْاَوَّلِیَّۃِ

### توحید

توحید

ذات باری کا اجالی اعتراف، تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ اس بنا پر اسلام نے  
 اس سلسلہ پر چند ان زور نہیں دیا اسلام کے مختصات میں جو چیز ہے وہ توحید ہے کیونکہ

دوسرے مذاہب میں یا تو سرے سے توحید تھی ہی نہیں یا تھی تو کامل نہ تھی۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے بار بار کہا کہ کفار کو بھی خدا سے انکار نہیں، کفار کو جو وحشت ہر وہ توحید سے ہے،

إِذَا دَعَىٰ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَإِنْ يُشْرِكْ بِهِ  
تُؤْمِنُونَ إِذْ أَنْوَكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ  
الْكَافِرِينَ لَا يُوْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ،

جب کیلئے خدا کا راجا ہوا تو تم منکر ہو جاتے ہو اور اگر کوئی اور  
شریک کر لیا جا تو تم مان لیتے ہو۔ اور جب خدا کا تہاد کر  
کیا جاتا ہے تو منکرین قیامت کا دل بکھ جاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ جن اسباب سے ہم کو خدا کے وجود کا یقین ہوتا ہے بعینہ وہی اسباب  
اس بات کے بھی شاہد ہیں کہ خدا ایک ہی ہے، نظام عالم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے  
کہ گونا گوا ہر وہ کثیر الاجزاء یا کثیر الافراد ہے لیکن سب ملکر ایک ہی یعنی اس کل کا ایک ایک  
پرزہ دوسرے سے اس قدر وابستہ ہے کہ وہی ایک شخص اسکو چلا سکتا ہے جو تمام پرزوں  
کا موجد اور انکے باہمی تناسب کا محافظ ہو اسی دلیل کو قرآن مجید میں اس طرح ادا کیا ہے،

تَوَكَّلْ فَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا اللَّهُ لَنَسْفَعًا

اگر آسمان اور زمین میں کسی خدا ہوتے تو نظام عالم برباد ہوتا

منطقی پیرایہ میں اگر یہ استدلال بیان کیا جائے تو پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہیے

۱۔ عالم میں گونا گوا ہر ہزاروں لاکھوں اشیاء نظر آتی ہیں لیکن عالم ایک شے واحد  
ہے اور یہ تمام اشیاء اسکی ذاتیات اور اجزاء ہیں، جس طرح انسان میں باوجود اسکے کہ ہاتھ  
پاؤں، کان، آنکھ، ناک، بہت سے اعضا پائے جاتے ہیں تاہم انسان ایک شخص واحد ہی ہے،

۲۔ ایک چیز کی دو علت تاہم نہیں ہو سکتیں، کیونکہ علت تامہ کے یہ معنی ہیں کہ  
اسکے وجود کے ساتھ بلا انتظار کسی اور چیز کے معلول وجود میں آجائے۔ بلکہ اگر ایک معلول کیلئے

دو علت تامہ ہوں تو ایک بالکل بیکار ہوگی۔

۳۔ خدا، عالم کی علت تامہ ہے،

اب استدلال کے مقدمات یہ ہیں۔ عالم ایک شے واحد ہے۔ اور شے واحد کی دو علت تامہ نہیں ہو سکتیں، اس لیے عالم کی دو علت تامہ نہیں ہو سکتیں۔ خدا عالم کی علت تامہ ہے اور علت تامہ متعدد نہیں ہو سکتی، اس لیے خدا متعدد نہیں ہو سکتا۔ یہ بات خاص طور پر خیال کے قابل ہے کہ مطلق توحید بھی درحقیقت تمام مذہبوں میں پائی جاتی ہے، جن قوموں کو مشرک کہا جاتا ہے وہ بھی قادر مطلق ایک ہی ذات کو مانتے ہیں البتہ اس کے مظاہر اور صفات کو متعدد کہتے ہیں جس سے شرک کا گمان ہوتا ہے، عیسائی تین خدا مانتے ہیں لیکن اسکے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تینوں ایک ہیں، تعمیر کتنی ہی غلط ہو لیکن اس سے اس قدر ضرورت ثابت ہوتا ہے کہ حقیقی تعدد انکو بھی گوارا نہیں۔ اس لحاظ سے مطلق توحید بھی کوئی نئی بات نہیں اسلام کو اس باب میں جو خصوصیت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اسے توحید کو کامل یعنی شرک کے ہر قسم کے شاہیوں سے پاک کر دیا۔ اور یہ منجملہ ان تکمیلوں کے ہے جنکی وجہ سے اسلام کے بعد اور کسی مذہب کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ کمال کے بعد پھر کوئی درجہ نہیں، توحید کامل کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح خدا کی ذات میں کوئی شریک نہیں اس طرح اسکی صفات میں بھی کوئی شریک نہیں پیدا کرنا، زندہ رکھنا، مارنا، عالم الغیب ہونا۔ دور و نزدیک سے یکساں تعلق رکھنا یہ تمام صفات خدا کی ذات کیساتھ مخصوص ہیں اسلام کے سوا اور مذہب والے اوتاروں اور پیغمبروں میں بھی یہ اوصاف مانتے تھے اور مانتے ہیں اور یہی

توحید پر  
استدلال

توحید کا نقص ہے، اگرچہ افسوس ہے کہ بہت سے مسلمان بھی اب اصطلاح کا پردہ رکھ کر ان اوصاف کو اوردن میں بھی ماننے لگے ہیں۔ اسلام نے توحید کے کمال کے لیے توحید فی الذات کے ساتھ توحید فی الصفات اور توحید فی العبادت کو بھی ضروری قرار دیا یہاں تک کہ سجدہ تعظیمی جو تمام دوسرے مذاہب میں، خدا کے سوا اوردن کے لیے بھی جائز تھا اسلام نے ہرگز بھی حرام کر دیا،

توحید فی الصفات  
وفی العبادت

حقیقت یہ ہے کہ خدا کے اقرار اور اعتراف کا دلچسپ اور اخلاقی اثر پڑتا ہے وہ توحید کامل کو بغیر پیرائے نہیں ہو سکتا۔ اطاعت۔ انقیاد۔ شیعہ۔ استقلال۔ توکل۔ اخلاص کی حالت اس وقت دلچسپی ہو سکتی ہے جب خیال ہو کہ ہماری تمام حاجتوں تمام ضرورتوں تمام امیدوں، تمام اغراض، تمام خواہشوں کا ایک ہی مرکز ہے انسان میں استقلال، آزادی، دلیری، بے نیازی کے اوصاف بھی توحید کامل کو بغیر پیرائے نہیں ہو سکتے، جو شخص ایک کے سوا اور کو بھی حاجت روا مانتا ہو۔ اس کا سر سر آستانہ چھٹک نیکو لی تیار رہتا ہے

### نبوت

نبوت کی کیا حقیقت ہے؟ اسکے کیا شرائط ہیں؟ بتنی اور غیر بتنی میں حد فاصل کیا ہے؟ ان سوالات کا جواب آج تمام اسلامی فرقوں کی طرف سے عموماً یہ دیا جاتا ہے کہ نبوت خدا کا عطا کیا ہوا ایک منصب ہے، خدا جسکو چاہتا ہے دیتا ہے نبوت کے لیے معجزہ شرط ہے، اور یہی نبوت کی فصل اور نمیز ہے، اس جواب کی ابتداء شاعرہ ظاہر میں ہی ہوئی اور رفتہ رفتہ تمام اسلامی فرقوں میں یہی اعتقاد پھیل گیا،

جناب رسالت پناہ اور صحابہ کے زمانہ میں تو علمی اور اصطلاحی حیثیت سے اس مسئلہ پر

بحث پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن دولت عباسیہ کے ابتدائی میں جب فلسفہ نے مذہب کے احاطہ میں قدم رکھا تو یہ بحث زور و شور کے ساتھ پیدا ہوئی۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے سب سے پہلے اس مسئلہ پر جا حنظل نے قلم اٹھایا اور ایک مستقل کتاب لکھی، علوم عقلیہ و نقلیہ میں جا حنظل کا جو پایہ ہے اس کے لحاظ سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اُس نے کیا کچھ لکھا ہوگا؟ لیکن قدامی کی تمام تصنیفات اس طرح برباد ہو چکی ہیں کہ آج اُس خرمین کا ایک دانہ بھی موجود نہیں، ایشارا الحق میں جو نوین صدی کے ایک مجتہد یعنی کی تصنیف ہے اور آج کل مصر میں چھاپی گئی ہے، ایک جگہ صرف اس کتاب کا تذکرہ ہے، اور شرح مواقف میں نبوت کے اثبات کے جو چار طریقے لکھے ہیں ان میں سے دوسرے طریقے کی نسبت لکھا ہو کہ یہ جا حنظل کا مذہب ہے اور امام غزالی نے بھی اسکی تحسین کی ہے۔

نبوت کی ترویج  
سب سے پہلے  
جا حنظل کی

اشاعرہ کا جو اعتقاد ہے گو تمام دنیا میں پھیل گیا ہے لیکن یہ عجیب بات ہو کہ آج اس پر جو اعتراضات کیے جا رہے ہیں، انہیں سے کہیں زیادہ خود، اشاعرہ اسی کے زمانہ میں کیے جا چکے تھے، اسی بنا پر امام غزالی، رازی، ابن رشد، راغب اصفہانی، اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ اساطین کلام نے، اشاعرہ کے نقش قدم کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کی، لیکن اشاعرہ کا مذہب عوام کے طبائع کے استعدا موافق واقع ہوا تھا کہ امام غزالی وغیرہ نے جو کچھ اُنکے موافق کہا وہ آج ایک ایک بچے کے دل میں، اور زبان پر ہے اور جو کچھ اُنکی خاص رائیں تھیں وہ اس شور و ہنگامہ میں لوگوں کو سنائی بھی نہیں مجبوراً ان بزرگوں نے بھیڑ سے الگ ہو کر ایک خاص دائرہ اختیار کیا اور جو کہنا تھا اسی خاص مجمع سے مخاطب ہو کر کہا

خدا کا شکر ہے کہ انکی رازدارانہ گفتگو نہیں، گو پھیلین نہیں، لیکن بالکل ناپید بھی نہیں ہوئیں، میں اس بحث کو نہایت استیغاب کے ساتھ لکھونگا جس سے امور ذیل مقصود ہیں،  
(۱) یہ ظاہر کرنا کہ مسئلہ نبوت کے متعلق مجتہدین اور ائمہ فتن کے ذاتی خیالات اور تحقیقات کیا ہیں؟

(۲) نبوت پر جو اعتراضات کیے جا رہے ہیں نئے نہیں ہیں، بلکہ معشے زمانہ پہلے کیے جا چکے ہیں،

(۳) یہ اعتراضات، زیادہ ایک خاص ظاہر پرست گروہ مذہب پر وارد ہوتے ہیں حقیقین کا مذہب ان حملوں کی زد سے محفوظ ہے،

(۴) علم کلام کی مروجہ اور زبردست کتابیں عامیانہ مذاق پر لکھی گئی ہیں حقیقین اور ائمہ کلام کی تحقیقات، یا سرے سے انہیں مذکور نہیں، یا انہیں تو ان کو ایسے کمزور پیرایہ میں داکیا ہے کہ انپر توجہ تک مائل نہیں ہو سکتی۔

اب ہم اصل بحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں،

## خرق عادت کے مسئلہ کی بنا پر

### نبوت پر اعتراض

نبوت کی تعریف جیسا کہ موافق میں ہے اشاعرہ نے یہ کی ہے اور اسی کو تمام اہل حق کی طرف منسوب کیا ہے،

اشاعرہ کی نزدیک  
نبوت کی حقیقت

مَنْ قَالَ لَهٗ اَللّٰهُ اَرْسَلْتَنِيْ اَوْ بَلَّغْتَهُمْ  
عَنِّيْ وَخَوَّلَهُ مِنْ اَمْرِ لِّفَاظٍ وَكَهٗ  
يَشْتَرِكُ فِيْهِ شَرْطٌ وَلَا اسْتِعْدَادٌ  
بَلَّغَ اَللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ  
مِنْ عِبَادِهِ۔

پہنچوہ جس کو خدا نے یہ کہا ہو کہ میں تجھ کو بھیجا یا لوگوں کو  
میرے طرف سے پیغام پہنچا یا اس قسم کے اور لفاظ اور پیغمبر ہو گئے  
یہ کوئی شرط نہیں ہے بشرط یہ کہ کہیں کسی قسم کی قابلیت ہو بلکہ  
خدا اپنی رحمت کے ساتھ اپنے بند زمین سے جس کو چاہتا ہے  
خاص کر لیتا ہے۔

لیکن یہ تعریف اس قسم کی ہے کہ اسکی بنا پر کسی شخص کو نبی کہنا بھی نبی کا کام ہو سکتا ہے کیونکہ  
عام لوگوں کو اس اطلاع کا کیا ذریعہ ہے کہ فلاں شخص سے خدا نے بائین کین اور اس سے  
یہ کہا اس بنا پر اشاعہ نے نبوت کی شناخت کے لیے معجزہ کو دلیل قرار دیا یعنی جس سے  
معجزہ صادر ہو اسکی نسبت یقین کیا جائے گا کہ خدا نے اس سے خطاب کیا اس بنا پر  
امور ذیل تنقیح طلب ہیں،

معجزہ کی کیا تعریف ہے اور اسکے کیا شرائط ہیں؟

کیا اس سے نبوت پر استدلال ہو سکتا ہے؟

معجزہ کی تعریف اشاعہ نے یہ کی ہے کہ جسکے ظاہر کرنے سے نبوت کی تصدیق مقصود

ہو اور اسکے لیے سات شرطیں قرار دی ہیں

خدا کا فعل ہو۔ خارق عادت ہو۔ اس کا معاوضہ ناممکن ہو۔ دعویٰ نبوت سے ظاہر ہو۔ دعویٰ نبی

کے موافق ہو۔ نبی کا مذهب ہو، دعویٰ پر مقدم ہو،

ان شرطوں میں سے دو شرطیں قابل بحث ہیں،



یہ شرط کہ خارقِ عادت ہو، اس سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ سلسلہٴ اسباب اور اصولِ فطرت کے خلاف ہو تو سوال یہ ہو کہ معجزہ واقع بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ انسان کو جب قدرِ علوم حاصل ہوتے ہیں انکی دو قسمیں ہیں، بدہیات۔ نظریات، بدہیات وہ امور ہیں جو بغیر غور و فکر کے حاصل ہوتے ہیں، یعنی انسان کو بغیر استدلال و احتجاج کے آپ سے آپ امکانِ یقین حاصل ہو جاتا ہے، مثلاً یہ کہ آفتاب روشن ہے۔ آگ جلاتی ہے۔ کل جزو سے بڑا ہوتا ہے۔ دو متناقض ایک جامع نہیں ہو سکتے، نظریات وہ امور ہیں جو غور اور فکر سے حاصل ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ عالم حادث ہے۔ خدا موجود ہے، روح قدیم ہے، نظریات اگرچہ خود بدہی نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کی انتہا بدہیات تک ہو،

بدہیات کے ہر ایک اقسام میں۔ نظامِ قدرت میں جو چیزیں ہمیشہ ایک طرح پر وقوع میں آتی رہتی ہیں انکے استقراء سے جو علم کلی پیدا ہوتا ہے وہ بھی بدہیات کی ایک قسم ہے۔ انہی بدہیات میں سے یہ بھی ہے کہ عالم میں علل و اسباب کا سلسلہ جاری ہے یعنی جو چیز وجود میں آتی ہے اس کے علل اور اسباب ہوتے ہیں، اور جب کسی شے کے علل اور اسباب موجود ہوتے ہیں تو ضرور اس شے کا وجود ہوتا ہے۔ اب معجزہ کی اگر یہ تعریف ہے کہ علت و معلول کے سلسلہ کے خلاف وقوع میں آئے، تو معجزہ بدہتہٴ باطل ہوگا، کیونکہ علت و معلول کا علم انسان کو بدہتہٴ حاصل ہوتا ہے، اور جب معجزہ اس سلسلہ کے خلاف ہے تو بدہتہٴ کے خلاف ہے،

امام رازی نے مطالب عالیہ میں جہاں اس اعتراض کی تقریر کی ہو لکھتے ہیں کہ  
 در علم کی دو میں ہیں بدیتی و نظری۔ نظری بدیتی پر مستفیع ہوتا ہے اس لیے اگر کوئی نظری  
 ایسا ہو جو بدیتی کو باطل کرتا ہو تو اس کے یہ منہ ہونگے کہ فرع اصل کے خلاف ہو اور یہ  
 محال ہے، اس سے معلوم ہوا کہ علوم نظری بدیہیات میں خلل انداز نہیں ہو سکتے،  
 اب ہم جب غور کرتے ہیں کہ بدیتی کیا چیز ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ جو علم انسان کو  
 خود بخود یقینی طور پر حاصل ہوتا ہے جیسے وہ کسی طرح شک نہیں کر سکتا وہی بدیتی ہے،  
 جب یہ مقدمہ ثابت ہو چکا تو ہم کہتے ہیں کہ جب ہم کسی انسان کو دیکھتے ہیں تو ہم کو  
 قطعی یقین ہوتا ہے کہ یہ شخص پہلے رحم میں تھا پھر رحم سے بچہ ہو کر نکلا، بچہ سے جوان ہوا، اب اگر  
 کوئی شخص یہ کہے کہ نہیں بلکہ وہ دفعتاً پیدا ہو کر جوان ہو گیا تو ہم قطعاً یقین کر لیتے کہ یہ شخص  
 غلط کہہ رہا ہے اور اس کا قول باطل و افتراء ہے،  
 اس سے ثابت ہوا کہ غرق عادات کا دعویٰ ایک لغو بات ہے، اور جب یہ کلیہ  
 ثابت ہو چکا تو ہم چند مثالوں کے ذریعہ سے اس کو سمجھاتے ہیں،  
 ۱، کوئی شخص اگر یہ کہے کہ یہ ممکن ہے کہ دریا اور چشمون کا پانی، آب زر بن جائے  
 یا پاؤ زر خالص ہو جائے تو ہر شخص اس کو محض ہنس کے گا،  
 ۲، کوئی شخص اگر یہ کہے کہ ممکن ہے کہ میرے گھر میں جو پتھر پڑا ہے وہ حکیم بن جائے  
 اور منطق و فلسفہ کے دقائق کا ماہر ہو جائے، ممکن ہے کہ گھر میں جتنے کیڑے ہیں عالم و فاضل  
 یہ امام صاحب کی عبارت کا نقلی ترجمہ ہے،

انسان بن جائیں۔ ممکن ہے کہ جب میں گھر کو واپس جاؤں تو میرا گدا بطلیموس ہو چکا ہو اور مجھے ٹپڑ مارا ہو۔ اور گھر میں جو کیڑے کوڑے تھے وہ آدمی بن کر ہندسہ و منطق و آکیات میں مباحثہ کر رہے ہوں، تو ہر شخص ایسے آدمی کو انتہا درجہ کا مجنون کہے گا،

(۳) اگر کوئی شخص کف دست میدان کو دیکھ کر کہے کہ ممکن ہے کہ بنیر کسی معمار اور سامان تعمیر کے یہاں عالیشان ایوان اور محل بن جائیں، اور نہ زمین جاری ہو جائیں تو ہر شخص ایسے آدمی کو مجنون کہے گا،

اس سے ثابت ہوا کہ عقل بالبدایت اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ جب قدر حوادث ہیں وہ نظام مقررہ اور عادت مستمرہ کے موافق وقوع میں آتے ہیں اور یہ احتمال پیدا کرنا کہ ممکن ہے کہ اسکے خلاف ہو، بدیہیات میں قبح کرنا ہے۔

بہر حال خرق عادت کو معجزہ کہنا خود معجزہ کے وجود سے انکار کرنا ہے اسی بنا پر

بعض اکابر اشاعرہ نے خرق عادت کی قید معجزہ کی تعریف سے خارج کر دی شرح ملو قف میں ہے

وَمَا الْمُعْجَزَةُ عِنْدَنَا مَا يُفْصِدُ بِهِ تَصَدِيقُ | اور معجزہ کی تعریف ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس کو ردی

مَصْدَقُ حَقِّ الْوَسَائِلِ وَقَدْ كَانَ يُكْفَرُ بِالْعَادَةِ | نبوت کی تصدیق مقصود ہو، گو وہ خرق عادت نہ ہو،

اب فرض کرو کہ خرق عادت ممکن ہے اور معجزہ خرق عادت کا نام ہے، یعنی یہ کہ ایک چیز بغیر

اسباب و علت کے وجود میں آئے، یا یہ کہ باوجود علت کے وجود کے معلول نہ پایا جائے،

مثلاً کسی پیغمبر کو آگ نے نہیں جلایا تو اسکے یہ معنی ہیں کہ جلانے کی علت، یعنی آگ موجود تھی

لہ بیان تک امام رازی کی اصلی عبارت کا لفظی ترجمہ تھا۔

اور وہ جلائے سکی۔ یا مثلاً کسی پیغمبر نے پتھر پر عصا مارا اور چشمہ جاری ہو گیا، تو اُس کے یہ منے کہ چشمہ کے جاری ہونے کی کوئی علت نہ تھی باوجود اس کے چشمہ جاری ہو گیا،

اس صورت میں یہ بحث پیدا ہوگی کہ اس بات کا کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ واقعہ میں اس واقعہ کا کوئی سبب موجود نہ تھا، اور خصوصاً اشاعرہ کے موافق تو یہ احتمال نہایت قوی ہو جاتا ہے۔ اشاعرہ اس بات کے قائل ہیں کہ جن اور شیاطین ہر قسم کی خرق عادات پر قادر ہیں، اسکے ساتھ وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جن اور شیاطین، انسان کے بدن میں حلول کر سکتے ہیں، اور اُس وقت اس آدمی سے وہ تمام عجیب غریب افعال صادر ہو سکتے ہیں جو خود اجنبی اور شیاطین سے صادر ہو سکتے ہیں، اب فرض کر دو کہ ایک مدعی نبوت، کسی خرق عادت کا اظہار کرتا ہے تو یہ کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ یہ درپردہ کسی جن کا فعل نہیں ہے،

اشاعرہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جادو سے ہر قسم کے خرق عادات سرزد ہو سکتے ہیں یہاں تک کہ آدمی گدبا اور گدھا آدمی بن سکتا ہے اس صورت میں کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ یہ خرق عادت معجزہ ہے سحر نہیں، شرح مواقف میں اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ سحر سے عظیم الشان خرق عادات سرزد نہیں ہوتے۔ جادو گر جب عظیم الشان خرق عادات دکھاتا ہے تو نبوت کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور اگر وہ ایسا دعویٰ کرے تو خدا اُس کے خرق عادات کو روک دیگا،

لیکن یہ جواب بالکل نا کافی ہے، اشاعرہ اس بات کے قائل ہیں کہ سحر سے

آدمی ہو پر اڑ سکتا ہے، آدمی گدما اور گدما آدمی بن جاتا ہے، زمین سے چٹنے ابل سکتے ہیں، جمادات میں حرکت پیدا ہو سکتی ہے، کیا یہ عظیم الشان خرق عادات نہیں ہیں؟ اسکے علاوہ انبیاء کے بھی تمام معجزے عظیم الشان نہیں ہوتے، باقی یہ امر کہ جادوگر خرق عادات کے ساتھ نبوت کا دعویٰ نہیں کر سکتا، محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے جسکی کوئی دلیل نہیں بیان کیجا سکتی اگر مان لیا جائے کہ فی نفسہ جادوگر سے عظیم الشان خرق عادات سرزد ہو سکتے ہیں، تو کون تسلیم کرے گا کہ دعویٰ نبوت کی حالت میں، اسکی یہ قدرت جاتی رہے گی، عبداللہ بن المقفع اور زردشت نے بڑے بڑے خرق عادات دکھائے اور نبوت کا دعویٰ بھی کیا ان امور کے علاوہ، شعبہ بات۔ نیز گجرات۔ اور مسریم وغیرہ سے نہایت عجیب و غریب امور سرزد ہوتے ہیں، اس لیے یہ کیوں کر اطمینان ہو سکتا ہے کہ جس سیز کو معجزہ کہا جاتا ہے اس میں، ان چیزوں کا شاہد نہ تھا۔

غرض معجزہ کے متعلق یہ احتمال ہر وقت موجود ہے کہ مخفی اسباب کی وجہ سے اسکا ظہور ہوا ہو، اس لیے معجزہ کا معجزہ ہونا نہایت مشکل ہے،

ان اعتراضات سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو عدم ممانعت کی شرط کیونکر ثابت ہو سکتی ہے، یعنی یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ اس معجزہ کا جواب نہیں ہو سکتا۔ جواب ہنوسکتے سے اگر یہ مراد ہے کہ معجزہ کے اظہار کے وقت ہوا اسکا جواب کسی سوز ہو سکا تو عبداللہ بن المقفع اور زردشت وغیرہ کو بھی سیز ماننا پڑے گا کیونکہ جو خارق عادت باتیں انہیں ظہور میں آئیں اس میں انہیں کوئی شخص انکا لٹا ام رازی تفسیر کبیر، مروت و مروت کے قصہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اما اهل السنة تقلدوا ان يقدر الساجد غلام ان يطير في الهواء ويقلب الانسان حمارا والحمار انسانا۔

جواب نہ لاسکا، اور اگر یہ مراد ہے کہ قیامت تک کوئی شخص اسکا معارفہ نہ کر سکے تو یہ پیشین گوئی  
کیونکر کیجا سکتی ہے کہ قیامت تک اسکا جواب نہوسکیگا حضرت موسیٰ کے زمانہ میں انکے معجزہ کا  
جواب نہوسکا لیکن یہ کیونکر ثابت کیا جاسکتا ہے کہ قیامت تک اسکا جواب نہوسکیگا،

ان سب امور کو مان بھی لیا جائے تو یہ بحث باقی رہے گی، کہ معجزہ صرف ان لوگوں پر  
حجت ہو سکتا ہے جو اس وقت موجود تھے، آئندہ نسلوں کو اس کا علم صرف روایت  
کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے لیکن اس قسم کی روایتوں کو قطعی اور یقینی کیونکر ثابت کیا  
جاسکتا ہے، روایت میں سب سے بڑا درجہ تواتر کا ہے یعنی جو خبر متواتر ہوئی ہے اس کو  
یقینی کہا جاتا ہے، لیکن کیا تمام متواترات یقینی ہیں؟ یہود و بہ تو اتر بیان کرتے ہیں کہ تورات  
میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی، یہود اور نصاریٰ دونوں متفق اللفظ ہیں اور بہ تو اتر  
بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے، پارسی زردشت کے معجزات کو بہ تو اتر بیان  
کرتے ہیں، غرض ہر فرقہ اپنے مذہب کے متعلق بہت سے واقعات کو بہ تو اتر بیان  
کرتا ہے، لیکن کیا ان واقعات کو ہم یقینی سمجھتے ہیں؟ شاید یہ کہا جائے کہ روایت کی  
صحت کیلئے اسلام شرط ہے، جبکہ یہ معنی ہوئے کہ صرف مسلمانوں کا تو اتر مفید یقین ہے،  
لیکن اس ایک طرفہ فیصلہ کو مخالفت کیونکر تسلیم کر سکتا ہے؟

یہ تمام بحثیں تو معجزہ کے امکان اور وقوع سے متعلق یقین، اب فرض کر دو کہ معجزہ  
ممکن بھی ہو۔ واقع بھی ہوتا ہے۔ تو اتر سے اسکا ثبوت بھی ہو سکتا ہے، لیکن یہ مرحلہ  
اب بھی باقی ہے کہ اس سے نبوت پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں

ہندسہ دان ہوں، اور اسکی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ میں میں دن تک متصل بھوکا رہ سکتا ہوں، تو گودہ میں دن تک بھوکا رہے، اور گویہ کتنا ہی خرق عادت واقعہ ہو لیکن اس سے اس کا ہندسہ دان ہونا کیونکر ثابت ہو گا؟ اسی طرح ایک شخص کہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں جسکے یہ معنی ہیں کہ وہ سعادت دارین کا رہنما ہے، اس کی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ وہ لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے تو گودہ ایسا کرتا ہوا، اور گویہ کتنا ہی عجیب امر ہو لیکن اس سے اسکی پیغمبری کیونکر ثابت ہو گی؟ دلیل کو دعویٰ کے ساتھ کیا ربط ہے؟

اعتراف کی یہ تقریر، امام راندی کی تقریر کے مطابق فی، لیکن ابن رشد نے اس اعتراض کو زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اسکی تقریر کا خلاصہ یہ ہے

”معجزہ سے جب نبوت پر استدلال کیا جاتا ہے تو مقدمات دلیل یہ ہوتے ہیں“

”نبی سے معجزہ صادر ہوتا ہے جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے۔“

”ان مقدمات کا ثبوت ہونا امور ذیل کے ثبوت ہونے پر موقوف ہے“

(۱) معجزہ ممکن الوقوع ہے اور واقع ہوتا ہے،

(۲) مدعی نبوت سے معجزہ صادر ہوا،

(۳) نبوت اور پیغمبری کا وجود ہے،

(۴) جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے،

سب سے پہلے یہ متعین کرنا چاہیے کہ پیغمبری کی حقیقت اور جنس و فصل کیا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ پیغمبری کی ماہیت میں معجزہ داخل نہیں ہوا بلکہ جو لوگ معجزہ کے قائل ہیں وہ بھی معجزہ کو

پیغمبری کی علامت قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ علامت، عین حقیقت نہیں ہوتی پیغمبر کی حقیقت اشاعرہ وغیرہ نے یہ بیان کی ہے کہ جو شخص خدا کا بھیجا ہوا ہو وہ پیغمبر ہے،

اب یہ ثابت کرنا چاہیے کہ رسالت کا وجود ہے یعنی خدا اپنے احکام کے پہنچانے کے لیے لوگوں کو بھیجا بھی کرتا ہے، کیونکہ ایک گردہ کثیر سرے سے رسالت ہی کا مسکر ہے اس بات کے ثابت کرنے کے بعد ثابت کرنا چاہیے کہ جس معجزہ صادر ہوتا ہے وہ پیغمبر ہوتا ہے اشاعرہ نے اس پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ مثلاً اگر کوئی بادشاہ اپنا قاصد کسی شخص کے پاس بھیجے اور اس کے پاس، بادشاہ کی کچھ نشانیاں ہوں تو قطعاً یقین ہو جائیگا کہ وہ بادشاہ کا قاصد ہی اسی طرح معجزہ خدا کی نشانی ہو، اس لیے جس کے پاس یہ نشانی ہوگی وہ خدا کا قاصد اور پیغمبر ہوگا،

لیکن پہلے یہ غور کرنا چاہیے کہ ہم کو اس بات کا علم کیونکر ہوتا ہو کہ فلاں چیز فلاں شخص کی نشانی ہی اسکا یا یہ طریقہ ہے کہ خود اس شخص نے کسی موقع پر ظاہر کیا ہو کہ جب میں کسی قاصد کو بھیجوں گا تو اس کے پاس یہ نشانی ہوگی، یا خود قاصد کے بیان پر اعتماد کیا جائے، یا یہ کہ بار بار کے تجربہ سے ثابت ہو چکا ہو کہ اس شخص کے پاس سے جب جب قاصد آیا ہے تو اس کے پاس اس قسم کی کوئی نشانی ضرور تھی، پہلا احتمال تو صریح البطلان ہے۔ کیونکہ خود خدا نے کسی موقع پر تمام لوگوں سے یہ نہیں کہا کہ فلاں شخص میرا رسول ہے۔ دوسری صورت اس لیے ممکن نہیں کہ پیغمبر ہی خود سمجھتا ہو، اب صرف تیسرا احتمال رہ گیا، وہ اگر مفید بھی ہو تو صرف انبیاء متاخرین کے لیے ہو گا سب سے پہلے جو پیغمبر آیا ہو گا، اس کا معجزہ لوگوں پر کیونکر حجت ہوگا،



یہ تمام اعتراضات، اس بنا پر تھے کہ پیغمبری کی شناخت کا ذریعہ مجرہ کو قرار دیا گیا تھا، اس پہلو سے قطع نظر کر کے نبوت پر جو عام اعتراضات کیے گئے ہیں وہ آگے آتے ہیں،

### عام اعتراضات

۱۔ نبوت کا مقصد، اعتقادات، اور اصلاح معاش و معاد کی تعلیم ہے، لیکن ان امور کے لیے خود عقل کی رہنمائی کافی ہے، خدا کے بان سے کسی شخص کے آنے کی کوئی ضرورت نہیں، بہت سے حکمانے جینر نہ وہی آتی تھی، نہ انکو الہام ہوتا تھا ان مسائل کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ انبیاء اس سے زیادہ نہ کر سکے، اس لیے رسول و پیغمبر کی کیا ضرورت ہے،

۲۔ انبیاء کی شریعتیں منسوخ ہوا کرتی ہیں یعنی ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کی شریعت کو منسوخ کر دیتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ جو احکام منسوخ ہوئے وہ مہات امور اور مقاصد اصلیت تھے۔ یا فرعی اور زائد باتیں تھیں۔ پہلا احتمال تو ممکن نہیں، کیونکہ مہات امور تمام مذاہب میں مشترک ہیں اور ان کو منسوخ کرنا خود مذہب کو باطل کرنا ہے، اس لیے صرف دوسرا احتمال رہ گیا، لیکن جب کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو وہ اپنی شریعت کے قبول کرنے پر اس قدر اہتمام اور اصرار کرتا ہے کہ جو لوگ، اسکو تسلیم نہیں کرتے انکو گمراہ، مرتد اور قابل جہنم ٹھہراتا ہے، یہاں تک کہ لڑائیاں برپا ہوتی ہیں اور نہایت سخت خونریزیوں تک نوبت پہنچتی ہے، اس بنا پر کیوں کر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص مبعوث من اللہ ہوگا، وہ فرعی باتوں کے لیے اس قسم کے شقاق اور ہیرحمیوں کو جائز رکھے گا؟

مثلاً ناز کا اصلی مقصد، صرف تطہیر اور خشوع الی اللہ ہے، یہ مقصد عیسائیوں

یہودیوں، پارسیوں، غرض تمام مذاہب کے طریقہ نماز سے حاصل ہو سکتا ہے، کسی ایک طریقہ کی تخصیص کرنی، اور باقی تمام طریقوں کو غلط قرار دینا اور اسکی بنا پر قتل و خون کو جائز رکھنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے، تمام اور مذہبی اعمال کا بھی یہی حال ہے کہ جو مقصد اصلی ہے وہ سب میں مشترک ہے اور جو غیر مشترک ہے وہ مقصد اصلی نہیں۔

(۳) مذہب کا اصلی مقصد، خدا کا اعتقاد، اعمالِ حسنہ کی پابندی اور اعمالِ قبیحہ سے احتراز ہے جس شخص میں یہ باتیں پائی جائیں ضرور ہے کہ وہ نجات کا مستحق ہو، لیکن انبیاء ان باتوں کو ساتھ اپنی نبوت کے اقرار کو بھی جزو ایمان قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو شخص انکو پیغمبر تسلیم نہ کرے وہ باوجود توحید اور اعمالِ حسنہ کے ناجی نہ ہو گا، یہ امر صریح خلاف عقل ہے۔

(۴) دنیا میں جب قدر مذاہب موجود ہیں سب میں قابلِ اعتراض باتیں پائی جاتی ہیں، یہود خدا کو مجسم مانتے ہیں اور تمام وہ اوصاف ثابت کرتے ہیں جو معمولی آدمیوں میں پائے جاتے ہیں، عیسائی خدا کی رُبوت، اور حلول و اتحاد کے قائل ہیں، پارسیوں کے ہاں دو خدا ہیں، قرآن مجید میں جبر و قدر کے متعلق نہایت کثرت سے متناقض و متعارض آیتیں ہیں،

تبیینِ امامِ رازی نے اس اعتراض کو مطالبِ عالیہ میں ان الفاظ سے ادا کیا ہے،

إِنَّ الْقُرْآنَ مَمْلُوءٌ بِالْجَبْرِ وَالْقَدَرِ لَا يَأْتِ الْوَارِدُ فِيمَا أَكْتَرُ مِنْ عَدَدِ أَلْوَالِ الْعَالَمِ وَالْعِلْمِ وَلَا شَكَّ أَنَّ مَنَّا بَصِيْرَةً وَأَنَّ التَّوْفِيقَ بَيْنَهُمَا لَا يَحْصُلُ إِلَّا بِتَسْفِيفِ سِدِّدِي وَهَذَا أَيْدِي اللَّهِ عَلَى أَنْ صَاحِبَ هَذَا الْكِتَابِ كَانَ مُضْطَرَبًا الرَّأْيِ فِي الْجَبْرِ وَالْقَدَرِ غَيْرَ حَازِمٍ بِالْحَدِّ الْقَائِمِينَ

انہی کا فقرہ نہایت سخت ہے، اور اسی وجہ سے ہم اس عبارت کے ترجمہ کی جرات نہ کر سکے، اس کے نقل کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بزرگان سلف نے نہایت بے تعصبی کے ساتھ معتز ضلوع کے ہر قسم کے اعتراض کو سنا اور انکو اپنی تصنیفات میں درج کر کے اُنکے جواب دیئے بخلات اس کے آج ہمارے علمایہ متیقن کرتے ہیں کہ دشمن کو آتا دیکھ کر اپنی آنکھیں بند کر لینی چاہئیں۔

نبوت اور خرق عادت

کی

اصلی حقیقت

جو اعتراضات اوپر مذکور ہوئے اُن کا اجمالی جواب، امام رازی نے مطالبہ علیہ میں اور تفصیلی، قاضی عضد نے موافق میں دیا ہے، لیکن جواب ایسے ہیں جو اعتراضات کو اور زیادہ قوی کر دیتے ہیں، اور چونکہ علم کلام کی تاریخ میں ہم نے اُنکا ذکر بھی کیا ہے۔ اس لیے یہاں اُن کے اعادہ کی کچھ ضرورت نہیں۔

اب ہم ان مباحث کو انفرن کی رائے کے موافق لکھتے ہیں جس سے معتز ضلوع کے اعتراضات خود بخود رفع ہو جائیں گے اور ان مسائل کی اصلی حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔

یہ بحث درحقیقت مسائل ذیل پر مبنی ہے،

(۱) کیا خرق عادت ممکن اور ممکن ہو تو ع ہے؟

(۲) کیا وہ نبوت کی حقیقت میں داخل ہے؟

(۳) کیا اس سے نبوت پر استدلال ہو سکتا ہے؟

(۴) نبوت کی اصلی حقیقت کیا ہے؟

پہلا مسئلہ حقیقت یہ ہے کہ انسان جب قدر خالق اشیاء سے نا آشنا ہوتا ہے اسی نسبت سے  
 علل و اسباب کے سلسلہ پر اسکی نظر کم پڑتی ہے اور وہ ہر چیز کو براہ راست خدا کی طرف  
 منسوب کرتا ہے، ایک وہقان کا بچہ برسات کے زمانہ میں جب بادلوں کو آتا دیکھتا ہے تو  
 کہتا ہے کہ در اللہ میان آئے، یعنی بادلوں کا آنا خود خدا کا آنا ہے۔ اس حالت میں جب ترقی  
 کرتا ہے تو کہتا ہے کہ در اللہ میان کے حکم سے پانی برسا، اب اس نے خدا میں اور پانی میں  
 بادل کو واسطہ قرار دیا۔ اس درجہ کے بعد یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ بادل براہ راست خدا  
 کے حکم سے پیدا ہو گئے، یا خدا نے اُن کو بھی کسی اور علت کے ذریعہ سے پیدا کیا، اٹھیٹھ  
 مذہبی آدمی یہ فیصلہ کرتا ہے کہ بادل اور خدا میں کوئی درمیانی علت نہیں ہے، خدا حکم دیتا ہے  
 بادل آپ سے آپ پیدا ہو جاتے ہیں اور برستے ہیں۔ یا یہ کہ آسمان پر بہت بڑا دریا ہے  
 وہاں سے پانی گرتا ہے اور بادل کی شکل بن جاتا ہے چنانچہ قدمائے مفسرین اسی بات کے  
 قائل تھے امام رازی نے اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً کی تفسیر میں اُن کے اقوال نقل کیے ہیں  
 لیکن صاحب نظر اور آگے قدم بڑھاتا ہے اور کہتا ہے کہ زمین یا سمندر کو بخارات اُٹھتے ہیں  
 وہ اوپر جا کر سردی کی وجہ سے پانی کے قطرے بن جاتے ہیں، غرض جب قدر حقیقت طلبی اور غور  
 رسی بڑھتی جاتی ہے، علل و اسباب کا سلسلہ وسیع ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ بالآخر اس بات کا  
 یقین ہو جاتا ہے کہ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ علت و معلول کے سبب سے پیدا ہوتا ہے اور ہر سلسلہ کے بغیر نہیں ہوتا

کیا خرق عادت  
 ممکن ہے

خرق عادت کا  
 خیال انسان کو  
 کیونکر پیدا ہوتا ہے

اسی سلسلہ اور نظام کا نام فطرت سنتہ اللہ اور خلق اللہ ہے اور قرآن مجید کی ان آیتوں میں  
اسی کی طرف اشارہ ہے،

لَا تَبْدِلْ دِيْنًا لِّلْحَقِّ ۖ اَللّٰهُ

خدا کی خلقت میں تبدیلی نہیں

كُنْ تَجِدَ اِلٰسِنَّةً ۚ اَللّٰهُ يَكُوْنُ يَدًا ۚ وَ كُنْ تَجِدَ

خدا کی عادت میں تغیر نہیں۔ اور تم خدا کی عادت

اِلٰسِنَّةً ۚ اَللّٰهُ تَبْدِيْلًا ۚ

میں تبدیلی نہ پاؤ گے،

اسلامی فرقوں میں سے صرف اشاعرہ، اس سلسلہ کے منکر ہیں، اُنکے نزدیک  
کوئی شے کسی کی علت نہیں نہ اشیا میں خواص و تاثیر ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الرد  
علی المنطق میں جہاں اشاعرہ کے وہ مسائل گنائے ہیں جنہیں وہ متغیر دین، اور دین اس مسئلہ  
کو بھی شمار کیا ہے،

صرف اشاعرہ  
سلسلہ اسباب کے  
منکر ہیں

اشاعرہ کے سوا باقی تمام فرقے بلکہ تمام دنیا، اس سلسلہ کی معترف ہے اسکا یہ نتیجہ  
ہونا چاہیے تھا کہ خرق عادت کے غیر ممکن ہونے پر بجز اشاعرہ کے اور سب کا اتفاق ہوتا  
لیکن با اینہما بظاہر اختلاف ہے، امام رازی تفسیر کبیر سورہ اعراف، حضرت موسیٰ کے  
عصا کے معجزہ کے ذکر میں لکھتے ہیں:-

اَعْلَمَ اَنَّ الْقَوْلَ بِتَجْوِزِ الْقَلَابِ لِعَادَاتٍ عَنْ

جاننا چاہیے کہ انقلاب عادت کا قائل ہونا صعب اور

تَجَاوِزِهَا صَعْبٌ مُّشْكَلٌ ۚ وَالْعَقْلُ عَوَاضِلٌ مُّجَوِّدٌ

مشکل جو ادوار با عقل اس میں مضطرب ہیں

اس کے بعد امام صاحب نے اس مسئلہ کے متعلق تین قول نقل کیے ہیں  
اشاعرہ کے نزدیک ہر قسم کے خرق عادت عموماً ممکن ہے یہاں تک کہ یہ بھی ممکن ہے

کہ ایک جزر لای تجزی دفعۃً عالم اور عاقل بن جائے یا یہ کہ ایک اندھا جو اندس میں بیٹھا ہو اور  
چین کے کسی گائون کو دیکھے،

۲۔ حکمائے طبعیین کے نزدیک بالکل نامکن ہے،

(۳) معتزلہ کے نزدیک بعض مخصوص صورتوں کے سوا نامکن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جو اختلافات ہیں وہ دراصل نزاع لفظی ہے  
اشاعرہ کے سوا کوئی اس بات کا قائل نہیں کہ معلول کا وجود بغیر علت کے ہو سکتا ہے  
اور جو شخص اس کا قائل نہیں وہ خرق عادت کا بھی قائل نہیں ہو سکتا۔ اختلاف اسطرح  
پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی واقعہ عادت جاریہ کے خلاف وقوع میں آتا ہے، تو عام لوگ  
اس کو خرق عادت سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خرق عادت ممکن ہے ورنہ اُس کا  
وقوع کیونکر ہوتا۔ حالانکہ وہ واقعہ اسباب ہی کی وجہ سے وقوع میں آتا ہے گو وہ اسباب  
غیر معمولی ہوتے ہیں، امام صاحب نے مطالب عالیہ میں خرق عادت کے امکان کو اسطرح  
ثابت کیا ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی غیر معمولی حرکت فلکی پیدا ہو اور اُس سے کوئی غیر معمولی امر وقوع  
میں آئے، لیکن امام صاحب نے یہ خیال نہیں کیا کہ اس حالت میں وہ امر خرق عادت نہیں ہے  
کیونکہ اُسکی علت حرکت فلکی موجود ہے امام صاحب کے اس استدلال سے ثابت ہوتا ہے  
کہ وہ اس شے کو جو خلاف عادت وقوع میں آئے، خرق عادت کہتے ہیں گو اس کے لیے  
کوئی غیر معمولی علت موجود ہو،

اشاعرہ میں بھی اس مسئلہ کے متعلق اختلاف رائے ہے عام اشاعرہ ہر قسم کے

خرق عادت کے  
متعلق لوگوں میں  
جو اختلاف ہے  
وہ نزاع لفظی ہے،

خرق عادات کے  
متعلق اشاعرہ میں  
اختلاف رہے

خرق عادات کے قائل تھے اور ہر شخص سے اس کا صادر ہونا تسلیم کرتے تھے، ان کے  
نزدیک جس قسم کے خرق عادات پیغمبر سے صادر ہوتے ہیں۔ اسی قسم کے ادلیا بلکہ کافر  
زندقہ جادوگر وغیرہ سب سے صادر ہو سکتے ہیں، صرف یہ فرق ہے کہ ان کا نام  
بدل جاتا ہے یعنی کافر وغیرہ سے جو سرزد ہوا، اس کو سحر اور ستراج کہتے ہیں، اور انبیاء سے  
جو سرزد ہوا اس کا نام آجاذ ہے۔ لیکن جب قدر غور و فکر سے زیادہ کام لیا گیا یہ دست گھٹتی  
گئی، علامہ ابوالحاق افرامی جو بہت بڑے پایہ کے شخص تھے اور اشعری طریقہ رکھتے  
تھے، ان کا قول ہے کہ

إِنَّ الْكَأَمَةَ لَا تَمْلِكُ مَبْلَغَ خَرَقِ الْعَادَةِ | کرامت خرق عادات کی حد تک نہیں پہنچتی،

ابوالقاسم قشیری جو اشاعرہ میں بہت بڑے صوفی گذرے ہیں ان کا قول ہے کہ بہت سی  
چیزیں گو مقدرات الہی کے لحاظ سے ممکن ہیں لیکن یہ قطعاً معلوم ہے کہ وہ کسی ولی سر  
سرزد نہیں ہو سکتیں،

بوعلی سینا کی  
راے

بوعلی سینا نے اشارات کے اخیر میں ایک باب باندھا ہے جس میں خرق عادات  
پر بحث کی ہے، اس میں لکھا ہے کہ اگر تم سے کوئی شخص کے کسی درویش نے مدت  
تک کھانا نہیں کھایا۔ یا کوئی ایسا کام کیا جو اسکی قوت سے زیادہ تھا یا کوئی پیشین گوئی کی  
یا اسکی بددعا کی وجہ سے کوئی شخص زمین میں دھنس گیا، یا زلزلہ آگیا، یا درندہ مسخر ہو گیا وغیرہ  
وغیرہ تو تم اس سے انکار نہ کرو، کیونکہ ان سب کے اسباب طبعی ہو سکتے ہیں، جن کے ذریعے سے  
یہ دونوں قول بن السکی نے طبقات مجددی میں نقل کی ہیں علامہ موصوفی ذی ایک نہایت مفصل مضمون عادات  
جو اظہر لکھا ہے،

انکا ظہور ہوتا ہے، بوعلی سینا نے ان اسباب طبعی کو تفصیل سے بیان بھی کیا ہے، مثلاً  
امساک طعام کی نسبت لکھا ہے کہ معدہ جب موادِ روہ کے ہضم کرنے میں مصروف  
ہوتا ہے تو صحیح غذا پر کم عمل کرتا ہے، انکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کئی کئی دن تک انسان کو بھوک  
نہیں لگتی، کیونکہ بدل مایہ کی تحلیل کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ کسی صاحب  
حال کو خدا کے تصور میں اس قدر استغراق اور محویت ہو کہ طبیعت، غذا کے ہضم کی طرف نہ  
مائل ہو، اس حالت میں مدت تک وہی غذا قائم رہے گی اور بدل مایہ کی تحلیل کی ضرورت نہ پڑے گی  
یہی وجہ ہوتی ہے کہ خوف کی حالت میں بھوک بالکل جا جاتی رہتی ہے۔

بوعلی سینا نے گو ان تمام خرق عادات کے وجوہ اور اسباب بیان کیے تاہم  
انکا نام خرق عادت ہی رکھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو چیز عام عادت کے خلاف ہوتی  
ہے وہ خرق عادت سے تعبیر کی جاتی ہے، اگر واقعہ میں وہ اصول قدرت کے خلاف  
نہیں ہوتی، شاہ ولی اللہ صاحب نے تو صاف صاف اس کا فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ  
تفہیمات الہیہ میں لکھتے ہیں،

إِنَّمَا الْمُخْرَقَاتُ وَالْكَرَامَاتُ أُمُورٌ سَابِقَةٌ خَلْقًا  
عَلَيْهَا السَّبْعُ فَبَإَيِّتْ سَائِلًا كَسَائِلِيَّاتٍ

یعنی معجزات اور کرامات امورِ سابقہ الہی ہیں لیکن ان پر کمال  
غالب ہو گیا ہے اور سوجھ بوجھ اور سابقہ الہی امور سے ممتاز ہیں  
غرض کلی طور پر اس مسئلہ میں اشاعرہ کے سوا باقی تمام اسلامی فرقے متفق ہیں کہ کوئی  
چیز اصول قدرت کے خلاف وجود میں نہیں آسکتی اس لیے جب کوئی فرقہ یا کوئی شخص  
اشاعرہ کے سوا کسی خرق عادت کا قائل نہ ہو، انہیں ان کی مراد صرف یہ ہوگی کہ وہ واقعہ یا



عام عادت جاریہ کے خلاف وقوع میں آیا ہے، نہ یہ کہ درحقیقت خلاف اصول قدرت ہے  
اختلاف جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ خرق عادات کے ثبوت کے متعلق پیدا ہوتا ہے  
واقعات کے یقین کرنے کے اصول کے متعلق، لوگوں میں نہایت اختلاف ہے محققین کے  
نزدیک واقعات پر یقین کرنے کے متعلق یہ اصول ہیں،

(۱) جو واقعہ جب قدر زیادہ معمول عام کے موافق ہوگا، اسی قدر اس کے وقوع کا  
یقین زیادہ ہوگا اور جو واقعہ جب قدر خلاف عادت اور خلاف معمول ہوگا اسی قدر اس پر  
یقین کرنے کے لیے زیادہ کد و کاوش کی ضرورت ہوگی۔ فرض کر دو کہ ایک شخص نہایت  
سچا ہے اور اُس نے یہ روایت کی کہ فلان شہر میں پانی برسا تو فوراً یقین آجائیگا، لیکن وہی  
شخص اگر پانی کے بجائے خون کا برسا بیان کرے تو یقین کی حالت بدل جائیگی اور واقعہ  
کے ثبوت کے لیے زیادہ قوی شہادت، درکار ہوگی، غرض واقعہ کی حیثیت سے شہادت  
کی حیثیت بدلتی جاتی ہے،

(۲) کسی واقعہ کا صرف ممکن ہونا واقعہ پر یقین کرنے کے لیے کافی نہیں۔

(۳) جو واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اُس کے خلاف کا ممکن ہونا، اس بات کی وجہ  
نہیں ہوتا کہ ہم کو اُن واقعات کے یقین میں شبہ پیدا ہو جائے،

(۴) جس واقعہ کی نسبت اشبہات و نفی کا کوئی پہلو یقینی نہیں ہوتا اس کی نسبت بھی ہم  
خائف الذہن نہیں رہتے بلکہ دونوں ممکن ہو سکتی ہیں سے جو زیادہ قریب یقین ہوتا ہے ہم  
اس پر اعتبار کرتے ہیں،

ملازول میرد تو اس

واقعات پر یقین  
کرنے کے لیے کیا اصول  
ہیں

عام لوگ ان اصہیل کو ٹوکتے، اور یہی اختلاف کا سبب ہوتا ہو مثلاً ایک شخص نے بیان کیا کہ ابن خلکان اسے کہ فلان صوفی آگ میں گھس گئے اور آگ نے اسے انچر کھنڈ میں کر دیا۔ اس نام لوگ فوراً اعتبار کر لیں گے کیونکہ ان کے نزدیک یہ واقعہ ممکن ہے، اور ان میں مذکور ہے، لیکن ایک محقق شخص بات پر غور کر گیا کہ یہ واقعہ حقیقت میں ممکن سے زیادہ یہ ممکن ہے کہ ابن خلکان نے غلطی کی ہو یا رادی اقل نے دھوکا دیا، یا راج کے روات سے غلطی ہوئی ہو، یا قصداً ان میں سے کسی نے جھوٹ کہا۔ درجہ کا یہ واقعہ مستبعد اور نادر وقوع ہے، اسی نسبت سے اگر اس کے ثبوت کٹھالی اور مضبوط ہوگی تو واقعہ کا یقین ہو سیکے گا۔ اور یہ قرار دیا جائیگا کہ کچھ ایسے ہو گئے ہونگے جنکی وجہ سے ان کے بدن پر آگ اتر ہوگا، اشاعرہ کی یہ شتر میں نہایت تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ وہ جب کسی خرق حادث کے وقوع فرماتے ہیں تو صرف یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ واقعہ ممکن ہے اور امکاناً یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہر قسم کے مستبعدات کو وہ انہل سے آج تک کبھی وقوع نہ کہہ سکیں۔ اس میں شامل ہو جاتے ہیں، لیکن دوسری طرف یہ خیال نہیں کہ وہ دائرہ میں قسم کا امکان وہ ثابت کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ راہ راہ ممکن ہے، اس لیے صرف امکان پر مدار ہوگا تو ایک شخص وہ پہلو کیونکہ اختیار کیا وہ بلکہ قریب الوقوع ہے، بہر حال خردیسی اسے کسی کو احمق نہیں، جو کچھ بحث ہے وہ

واقعات میں ہے، جو خرق عادت جس درجہ مستبعد نسبت سے اگر اس کے ثبوت کی شہادت قوی ہوگی تو اس سے انکار کرنے کی کوئی

دوسری بحث۔ دنیا میں ہمیشہ یہ خیال رہا ہے اعلیٰٰ من حیث الاغلب تمام

آدمیوں میں پایا جاتا ہے کہ انبیاء اور اولیاء میں ضرورتاً فوق العادت ہوتا ہے اس

خیال کا دور یہاں تک پہنچا کہ انبیاء میں شان ایزدانی، کسی ہندوؤں نے رام اور شرن

اور عیسیٰ یوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا پیکر جہانی مانا <sup>کا کھانا</sup> اور عقل کی ترقی نے

اس رتبہ کو گھٹا کر کم کیا تو خرق عادت کے درجہ پر آ کر پہنچے <sup>اللہ</sup> حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

جب مبعوث ہوئے اور اپنی نبوت کا اظہار کیا تو جو گرفت کو لازمہ نبوت سمجھتے

تھے انہوں نے نہایت تعجب سے کہا،

وَلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ (یونس)

وَلَيَقُولَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ (رعد)

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِنْ رَبِّهِ (الانبیاء)

بعضوں نے کہا معجزہ نہ سی لیکن کچھ نہ کچھ امتیاز تو ملتا ہے،

وَقَالُوا إِنَّا تَوَكَّلْنَا عَلَى اللَّهِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ لَمَحْضُونَ

يَتَّبِعُوا أَوْ تَكُونُ لَكُمْ حِجَابٌ مِنْ تَحْتِ رَبِّكَ

فَتُحْجَرُ الْكَافَّةُ خَلَقَ اللَّهُ الْفَجْرَ (فی اسراءیل)

اس کے ہائی معجزہ کیون نہیں آتا؟

کافروں کا خیال ہے کہ انہ کوئی معجزہ کیوں

نہیں آتا؟

اور ان کے پاس تو خدا ہے ان کو کیوں نہیں آتا؟

تو ان کے پاس تو خدا ہے ان کو کیوں نہیں آتا؟

تو ان کے پاس تو خدا ہے ان کو کیوں نہیں آتا؟

تو ان کے پاس تو خدا ہے ان کو کیوں نہیں آتا؟

تو ان کے پاس تو خدا ہے ان کو کیوں نہیں آتا؟

تو ان کے پاس تو خدا ہے ان کو کیوں نہیں آتا؟

خرق عادت  
نبوت کا لازمہ  
ہی نہیں ہے

اسلام جو اس لیے آیا تھا کہ مذہبی اصول کے متعلق راجح تک جو غلط خوش اعتقاد یا ان  
 چلی آتی تھیں اور جو سامعہ اپنے حال پر رہنے دی گئی تھیں ان کو قطعاً رفع کر دیا جائے جو  
 اس لیے آیا تھا کہ قیامت تک ہر قسم کی ترقی اور اصلاح سے مذہب کو مستغنی کرنے، اسکا  
 یہ کام تھا کہ جس طرح اُسے توحید کو مکمل کیا تھا، نبوت کی اصلی حقیقت بھی کھول کر دکھائے،  
 ایسے سب سے پہلے اُسے نہایت صفائی، نہایت آزادی، نہایت وضاحت سے  
 اس بات کو ظاہر کیا کہ جو چیزیں بشریت سے بالاتر ہیں وہ پیغمبر میں نہیں ہوتیں

لے پیغمبران لوگوں کو کہہ دو کہ میں نہیں کہتا کہ میری پاس  
 خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں  
 کہتا کہ میں برستہ ہوں میں تو اس حکم پہنچا ہوں جو میری طرف سے  
 کیا جاتا ہے، اور پیغمبران لوگوں کو کہہ دو کہ میں ذاتی نفس نقصان بھی نہیں  
 اختیار کرتا میں ان جو کچھ خدا چاہتا ہے ہوتا ہوں، اور اگر میں غیب کی بات  
 جانتا تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھ کو گناہ پہنچاتا تو جو خبری  
 دیں والا اور خوف لائیں والا ہوں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ حِجْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا  
 أَعْلَمُ الْغَيْبِ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ  
 إِنِّي أَنفَعُ إِيَّاكُمْ مِمَّا تَوْحَی السَّ (الانعام)  
 قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا  
 مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَاسْتَكْبَرْتُ  
 مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا  
 نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (اعراف)

یہ مسئلہ اگرچہ نہایت دقیق نازک اور متفقدات عوام کے بالکل خلاف تھا، لیکن شارع نے  
 اس اہتمام سے اسکی تفسیر کی کہ قرونِ اولیٰ تک اُسکے متعلق کسی شخص کو غلط فہمی نہیں ہوئی،  
 اس کے بعد اس عالمگیر ادوازی غلطی کو رفع کیا کہ نبوت اور معجزہ میں تلازم ہے۔

منکرین جو معجزات طلب کرتے تھے، اور نبوت کو معجزہ پر موقوف سمجھتے تھے اُس کے

جواب مختلف طریقے سو دیے لیکن ہر جگہ اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ نبوت، معجزہ پر موقوف نہیں،

اور کفار کہتے ہیں کہ انہر کوئی نشانی و معجزہ خدا کے ہاں کیوں

نہیں آتری، اسی عمر تو صرف ڈرانے والا ہو اور ہر قوم کیلئے

ایک ڈرانے والا ہوتا ہے۔

اور کافر کہتے ہیں کہ انہر کوئی نشانی خدا کے ہاں کیوں نہیں

آتری اسی عمر کہدو کہ خدا جسکو چاہتا ہو گمراہ کرنا جو اودھ

چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے،

اور کافر کہتے ہیں کہ انہر خدا کے ہاں نہ معجز کیوں نہیں

آئے کہدو معجز تو خدا کے پاس ہوتے ہیں اور میں

تو صرف ڈرانے والا ہوں۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ

عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ - إِنَّمَا أَنْتَ

مُنذِرٌ لِقَوْمٍ أَكْثَرُ مِنْ هَآءِ (رعد)

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ

عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ

مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (رعد)

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ

قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا

نَذِيرٌ مُبِينٌ (عنکبوت)

سورہ بنی اسرائیل میں بیان کیا کہ منکرین کہتے ہیں کہ ہم تو تم پر جب ایمان لائیں جب

تم زمین سے کوئی چشمہ نکال دو۔ یا کھجور یا انگور کا باغ تیار کرو۔ یا آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر اودھ

اُخذا اور فرشتوں کو سامنے لا کر کھڑا کرو۔ یا سونے کا مکان طیار کر دو۔ یا آسمان پر چڑھ جاؤ۔

پھر ان سب کے جواب میں خدا نے کہا،

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِثْلُكُمْ | کہدو کہ بھان اللہ میں تو صرف آدمی ہوں اور بغیر ہوں

اصل نکتہ جو اس موقع پر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ کفار جن باتوں کو طلب کرتے تھے وہ

ناممکن اور محال تھیں تاہم خدا نے ان کے اظہار سے اعراض کیا جس سے صرف یہ ظاہر

کرنا مقصود تھا کہ گویہ باتیں خدا کے اختیار میں ہیں لیکن نبوت کے ثبوت میں ان کو پیش کرنا، اسی قدیم غلطی میں لوگوں کو مبتلا رکھنا ہے۔ ورنہ خرق عادات کے پیش کرنے سے انکار اس بنا پر نہ تھا کہ خدا ان پر قادر نہیں، ایک آیت میں خدا خود فرماتا ہے،

وَقَالُوا كَوَلَا نُؤْتِلُ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ	اور کہا رکھتے ہیں کہ محمد پر خدا کے ان کو کوئی معجزہ کیوں
قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنْزِلَ آيَةً	کہ اُنزل دے کہ خدا اس پر قادر ہے کہ معجزہ نازل کرے
وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (الانعام)	لیکن یہ لوگ جاہل ہیں،

امام رازی سورہ عنکبوت آیت وَقَالُوا كَوَلَا نُؤْتِلُ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ،

کی تفسیر میں لکھتے ہیں،

وَكَيْسَ مَنِ شَرَّطَ الرِّسَالَةَ الْآيَةَ الْمَعْجَزَةَ	پیغمبر کے لیے معجزہ شرط نہیں ہے،
بِخَيْرِ تَهْوِئَةٍ دُونَ ذَلِكَ	بہتر تہوڑی دور کے بعد لکھتے ہیں،

وَلِهَذَا عِلْمٌ وَجُودِ رَسُولٍ كَثِيفٌ وَ	اسی وجہ سے ایسے انبیاء بھی گذرے ہیں مثلاً حضرت شیث
إِدْرَيسَ وَشُعَيْبَ وَكَمْ لَعَلَّ لَهُمْ مُعْجَزَةٌ	و ادیس و شعیب جیسے پاس کسی معجزہ کا ہونا معلوم نہیں،

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ بالانعمین لکھتے ہیں،

فَلَيْسَتْ الْمُعْجَزَاتُ وَلَا اسْتِجَابَةُ الدَّعَوَاتِ	معجزات اور حاجت دعا اور اس قسم کی اور باتیں
وَنَحْوُ ذَلِكَ أُمُورٌ آخِرَةٌ	اسل نبوت کو خارج ہیں لیکن اکثر حالات میں نبوت کے
عَنِ أَصْلِ النَّبُوَّةِ وَزِمَّةٌ لِّهَافِي الْأَكْثَرِ	ساتھ لازم ہیں،

امام غزالی نے متقدم الضلال میں نبوت کا ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے اس میں

نبوت کی حقیقت کھڑکھٹے ہیں کہ نبوت کا یقین آنحضرتؐ کی ہدایات اور ارشادات سے ہوتا ہے، اُس کے بعد لکھتے ہیں،

فَمِنْ ذَلِكَ الْمَطْلَبِ قَائِلُ الْيَقِينِ | تو اس طریقہ سے نبوت پر یقین لاؤ، نہ اس کو کہ لاٹھی  
بِالْبُشَى لَا مِنْ قَلْبٍ لَوْصَاتُهَا نَأْوَشَقُ الْقَمَرِ | سانپ بن گئی اور چاند بھٹ گیا۔

تیسری بحث۔ معجزہ کا دلیل نبوت ہونا صرف، اشاعرہ ظاہرین کا مذہب ہی اور وہ بھی یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ معجزہ، نبوت کی عقلی دلیل ہے بلکہ ان کا یہ مذہب ہی کہ معجزہ کے صادر ہونے کے وقت لوگوں کو عادتہ یقین ہو جاتا ہے، نہ عقلاً،

شرح مواقف میں ہے،

وَقَدْ هَدَى اللَّهُ آيَةً لَيْسَتْ دَلِيلَةً عَقْلِيَّةً مَحْصَنَةً | اور یہ لالت محض عقلی نہیں ہے۔ بلکہ وہ دلائل عادیہ ہے  
بَلْ دَلِيلٌ عَادِيٌّ كَمَا أَنَّ الشَّاهِدَ يَقُولُهُ وَهِيَ | جیسا کہ صاحب مواقف نے انجیل انفقون میں اشارہ کیا کہ  
عندنا آية لا شاعري ولا اجراء الله | ”یہ لالت ہمارے نزدیک نہ شاعرہ، اس بنا پر ہے کہ خدا کی عادت یہ ہے کہ  
حَقَّقَتْهُ الْعِلْمُ بِالْحَقِّ قِيَّاسُهُ | جو حقے صادر ہوتا، تو صاحب معجزہ کی حیا کی عالم خدا کو خود یقین پڑتا ہے۔“

یہ دعویٰ بھی کلی طور پر نہیں کیا جاسکتا، ورنہ ہدایت کی تکذیب لازم آئے گی علانیہ ثابت ہے کہ انبیاء کے معجزات کے ظہور کے وقت ہزاروں آدمی ایمان نہیں لاتے تھے، بلکہ نہ ایمان لانے والوں کی تعداد ہمیشہ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہوتی تھی اسی بنا پر اگر کفن اور محققین نے تصریح کی ہے کہ معجزہ نبوت کے یقین کے لیے کافی نہیں۔  
امام غزالی متقدمین الضلال بحث نبوت میں لکھتے ہیں،

ثَمِّنْ ذَلِكَ الطَّلِيقَ فَاطْلُبِ الْيَقِينَ بِالْبُتُوَّةِ  
وَمِنْ قَلْبٍ لَعَضًا نَعْبَانًا وَشَقِّ الْقَمَرِ

راغب اصفہانی لکھتے ہیں

وَذَلِكَ لِطَلْبِهِ أَحَدٌ وَجَبَتْ أَمَّا نَاقِصٌ

عَنِ الْقَرَارِ بَيْنَ الْكَلَامِ الْإِلَهِيِّ وَبَيْنَ الْبَشَرِ

وَأَمَّا نَاقِصٌ وَهُوَ مَعَ تَقْصُصِهِ مَعَانِدٌ

تو اس طریقہ سے نبوت کا یقین طلب کرو نہ اس بات  
سے کہ لامٹی اژدہا بن گئی یا چاند پھٹ گیا،

اور معجزہ دو قسم کے آدمی طلب کرتے ہیں۔ یادہ جو کلام

الہی در کلام انسانی میں تیز نہیں کر سکتا، یادہ جو اسکو

ساتھ ہٹ دھرم بھی ہے،

## نبوت کی حقیقت

(مسئلہ چہارم)

نبوت کی حقیقت اور اسکے اصول اور شرائط، اشاعرہ نے جو کچھ بیان کیے  
وہ ادھر گزر چکے، امام غزالی اور رازی وغیرہ نے ان مسائل کی تشریح عام تصنیفات میں  
اشاعرہ ہی کے مذاق کے موافق کی لیکن مخصوص تصنیفات میں اپنی خاص تحقیقات بیان  
کیں اور یہ بھی تصریح کر دی کہ اشاعرہ کا طریقہ ناکافی اور پر از مشکلات ہے۔ امام لازمی  
مطالب عالیہ میں لکھتے ہیں

إِعْلَمَنَّ الْقَائِلُ بِالْبُتُوَّةِ فَرِيقَانِ

أَحَدُهُمَا الَّذِينَ يَقُولُونَ أَنَّ ظُهُورَ الْمِعْجَرَاتِ

يَدُلُّ عَلَى صِلَاتِهِ وَهَذَا الْقَوْلُ هُوَ الظَّاهِرُ لَدُنْكَ

نبوت کے قائل دو فریق ہیں

ایک فریق کہتا ہے کہ معجزات کا ظاہر ہونا نبی کے پسے

نبوت کی دلیل ہے، اور یہ مذہب قیام طریقہ ہے، اور دنیا کے

لے کتاب لذریعہ صفحہ ۷۰



عَامَّةً أَوْ بَابِ الْمَلِكِ وَالْمَلِكِ

قَالَ لَقَوْلُ لَنَا أَنْ نَقُولَ إِنَّا لَعَمْرُكَ أَوْ لَوَ أَنَّ

الْحَقِّ وَالصِّدْقِ فِي الْإِعْتِقَادَاتِ مَا هُوَ

وَأَنَّ الصَّوَابَ فِي الْأَحْكَامِ مَا هُوَ فَاءُ أَحَرَفُنَا

وَالَّذِي لَقَدْ كَرِهْنَا إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ نُحَوِّلُكَ إِلَى

الَّذِينَ الْحَقِّ وَرَأَيْنَا أَنَّ لِقَوْلِهِ أَشْرَاقُونَا

فِي صَمَدٍ مِّنَ الْخَلْقِ مِنَ الْبَاطِلِ إِلَى الْحَقِّ

عَمْرُنَا أَنَّهُ نَبِيُّ صَادِقٍ وَاجِبٌ لَا تَبَاجُ وَهَذَا

الطَّرِيقُ أَقْرَبُ إِلَى الْعَقْلِ قَالَتِ الْهَمَاتُ فِيهِ قُلُّ

نبوت کی ایک  
دوسری تشریح

امام لازمی اس  
دوسرے طریقہ کو  
زیادہ پسند کرتے  
ہیں

عام اہل مذاہب اسکے قائل ہیں

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے یہ طر کیا جائے کہ صحیح عقائد

اور اعمال خیر کیا ہیں اس امر کے محقق ہو جائیکے بعد

جب یہ دیکھا جائے کہ ایک شخص لوگوں کو دین حق کی

دعوت دیتا ہے، اور یہ بھی نظر آئے کہ اسکی بات لوگوں کو

باطل سے حق کی طرف لانے میں نہایت قوی اثر رکھتی

ہے تو ہم کو یقین ہو جائیگا کہ وہ سچا پیغمبر ہے اور واجب

الاتباع ہے۔ اور یہ طریقہ عقل سے زیادہ قریب ہوا

اپرست کم شے دارد ہوتے ہیں

اسکے بعد امام صاحب نے اس دوسرے طریقہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے،

پھر ایک عنوان باندھا ہے جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید سے بھی یہی طریقہ افضل

ثابت ہوتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں

الْفَصْلُ الثَّانِي فِي بَيَانِ أَنَّ الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ

يَدُلُّ عَلَى أَنَّ هَذَا الطَّرِيقَ هُوَ الطَّرِيقُ

الْكَامِلُ الْأَفْضَلُ فِي اثْبَاتِ النُّبُوَّةِ

پھر اس طریقہ کی نسبت لکھتے ہیں

الْفَصْلُ الْخَامِسُ فِي بَيَانِ أَنَّ

دوسری فصل اس بات کے ثابت کرنے میں کہ قرآن

مجید سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کیے ثابت کرنے میں

یہی طریقہ زیادہ کامل و افضل ہے

پانچویں فصل اس بات کے بیان میں کہ نبوت کا اس طریقہ سے

اس طریقہ کا ثبوت  
قرآن مجید سے

إِنِّبَاتِ النَّبَوِّ لِهَذَا الْعِلِّيقِ أَفْخَى دَ | ثابت کرنا زیادہ قوی اور کامل ہر نسبت کو کہ  
أَكْمَلُ مِنْ إِنِّبَاتِهَا بِالمُجَرَّاتِ۔ | وہ معجزہ سے ثابت کی جائے۔

تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر میں يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَشِيرَةٌ لِمَنْ آمَنَ فِي الْمُهْلِكِ (سورہ یونس) نہایت اختصار کے ساتھ اس دوسرے طریقہ کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ نبوت کے ثابت کرنے کا یہ طریقہ اشرف و اعلیٰ و اکمل و افضل ہے۔ امام رازی کے سوا، امام غزالی، ابن حزم، ابن رشد، شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی نبوت کی حقیقت و ماہیت کی توضیح و تشریح نہایت خوبی سے کی ہے، ہم ان سب کی تقریر و نقل کرتے ہیں، جن سے نبوت کی پوری تصویر ذہن میں آجائے گی اور یہ ظاہر ہو گا کہ مستدل کتب کلامیہ میں جو کچھ لکھا ہے صرف اشاعۃ ظاہرین کا قول ہے، امام رازی نے مطالب عالیہ میں نبوت کی حقیقت، نہایت تفصیل سے بیان کی ہے، ہم نے مطالب عالیہ کا یہ حصہ بعینہ کتاب کے ضمیمہ میں شامل کر دیا ہے اس موقع پر ہم صرف خلاصہ لکھتے ہیں۔

امام صاحب نے نبوت کی حقیقت بتانے سے پہلے چند مقدمات قائم کیے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔  
۱۔ انسان کا اصلی کمال حقائق اشیاء اور خیر و شر کا ادراک ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ کہ انسان کو دو قسم کی قوتیں دی گئی ہیں نظری۔ عملی۔ نظری کا یہ کام ہے کہ اشیاء کے حقائق پر غور کرے، اور اس بات کا فیصلہ کرے، اس قوت کا کمال یہ ہے، کہ حقائق اشیاء کا صحیح علم ہو یعنی جوشے ذہن میں آئے ٹھیک اس صورت میں آئے جو اسکی اصلی اور حقیقی صورت ہے، عملی کے یہ معنی کہ کون سے افعال عمل کرنے کے قابل ہیں؟ اور کون سے نہیں اس کا

امام رازی کے  
نزدیک نبوت  
کی حقیقت

کمال یہ ہے کہ انسان میں ایسا ملک پیدا ہو جس سے خود بہ خود اچھے افعال سرزد ہوں۔

(۲) ان دونوں قوتوں کے لحاظ سے افراد انسانی کی تین قسمیں ہیں،

(۱) وہ لوگ جو ان اوصاف میں ناقص ہیں

(۲) خود کامل ہیں لیکن ناقصوں کی تکمیل نہیں کر سکتے،

(۳) خود کامل ہیں اور ناقصوں کو کامل بنا سکتے ہیں،

(۳) نقصان و کمال کے درجے نہایت متفاوت ہیں، نقصان کا درجہ اس حد تک

پہنچتا ہے کہ انسان اور جانور میں صرف صورت کا فرق رہ جاتا ہے، اسی طرح کمال کا درجہ

بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچتا ہے کہ انسان فرشتہ بن جاتا ہے۔ ان دونوں درجوں کے

درجے میں ہزاروں درجے ہیں یہاں تک کہ اگر ہزاروں لاکھوں افراد انسانی کے حالات کا

موازنہ کیا جائے تو ثابت ہو گا کہ ہر شخص اور دوسرے شخص سے کچھ نہ کچھ ان اوصاف میں

متفاوت ہے،

چونکہ نقصان و کمال دونوں کی انتہائی حدیں ہیں اس لیے ضرور ہے کہ ہزاروں میں

کوئی نہ کوئی شخص ایسا پایا جائے جو انتہائے کمال کے درجہ تک پہنچا ہو اب جس شخص میں

یہ دونوں قوتیں کامل درجہ پر پائی جائیں، اور دوسروں کو بھی کمال کے درجہ تک پہنچا سکتا

ہو وہی نبی اور پیغمبر ہے۔

لے یہاں ایسا لہجہ کی تقریر کا خلاصہ ہے امام صاحب نے تفسیر کبریٰ میں فرمایا: قَالَتْ لَقَدْ مَرَّ سُلَيْمَانُ عَلَىٰ مَلِكٍ لَّهِ تَقْوَىٰ وَتَحَنُّنٌ لِّمَا بَرَأَ مِنْهُمُ الْغِيَرُ فِي تَقْرِيرِهِ  
زیادہ مختصر کے ساتھ لکھا ہے کہ تفسیر کی ہر کردہ امام غزالی کو بخود ہے اس تقریر کی امام صاحب نے نہایت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ  
قَدْ مَرَّ سُلَيْمَانُ عَلَىٰ مَلِكٍ لَّهِ تَقْوَىٰ وَتَحَنُّنٌ لِّمَا بَرَأَ مِنْهُمُ الْغِيَرُ فِي تَقْرِيرِهِ ۱۲۔

امام صاحب یہ ثابت کر کے کہ نبوت صرف قوت نظری و عقلی کے کمال کا نام ہے اور  
معجزہ وغیرہ کو اس میں کچھ دخل نہیں، لکھتے ہیں،

وَمِنْ حُجَّةِ الْآيَاتِ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ  
أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ  
الْمُعْجَزَاتِ الْقَاهِرَاتِ قُوَّةِ اللَّهِ وَقَاكُوا لَنْ  
لَوْ مِنْ لَكِ حَتَّى تَجْعَلَ لَنَا مِنْ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا  
لَعَلَّاهُ اللَّهُ قَالَ قُلْ لِمَنْ مَنَاحُ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا  
رَسُولًا نَبِيًّا كَوْنِ الْخَصْرِ لَنَا أَمْ مَوْصُوفًا بِالْإِسَاءَةِ  
مَعْنَاهُ كَوْنُهُ كَامِلًا فِي قُوَّتِهِ النَّظَرِيَّةِ وَالْعَلِّيَّةِ وَقَادِرًا  
عَلَى مَعَاجِزِ النَّاقِصِينَ فِي هَاتَيْنِ الْعَوَّلَتَيْنِ فَلَيْسَ  
يَكُونُ مِنْ مَحْصُولِ هَذِهِ الصِّفَةِ كَوْنُهُ قَادِرًا عَلَى الْأَحْوَالِ

التي طلبتموها منه، (یعنی معجزات)

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں نبوت کی حقیقت زیادہ کتبہ سخی اور حقیقت شناسی کیساتھ  
لکھی ہے، چنانچہ ہم ان کے مضمون کو اپنے الفاظ اور اپنی پیروی میں ادما کرتے ہیں لیکن جو اپنی نفس کوئی باہمانہ نہیں  
دراں امر کے سمجھنے کے لیے کہ انسان کا مکلف ہونا اور شریع و ادیان کا قائل ہونا سب  
نظری امور ہیں، سلسلہ کائنات پر غور کرنا چاہیے۔

سب سے پہلے نباتات پر غور کرو، درختوں کو دیکھو، ان کے ہزاروں لاکھوں اقسام ہیں

شاہ ولی اللہ  
صاحب کے نزدیک  
نبوت کی حقیقت

لیکن ہر ایک کی شائیں پتے پھول پھل پھول کی لباس رنگ ذائقہ سب مختلف ہے، یہ اختلافات، انکی صورت نوعیت کے نتائج ہیں یعنی ہر درخت کے جتنے خصوصیات ہیں خود اس کی صورت نوعیت نے پیدا کی ہیں۔ اس بنا پر مثلاً یہ سوال کرنا کہ انگور شیرین، لطیف باریک پوست، کیون پیدا کیا گیا ایک لغو سوال ہو کیونکہ یہ سوال کرنا گویا یہ گناہ کہ انگور انگور کیون ہوا، انگور کی فطرت خود اسکی مقتضی ہے کہ وہ شیرین ہو، لطیف ہو، باریک پوست ہو، اب حیوانات کو، نباتات کی طرح ان میں سے ہر ایک کی شکل، صورت، رنگ جدا ہے لیکن ان میں نباتات سے بڑھ کر کچھ اور چیزیں بھی ہیں یعنی اختیاری حرکات اور فطرتی الہامات ہر جانور کو خاص خاص الہامی علوم عنایت ہوئے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے بنی نوع سے ممتاز ہے اور جو اسکی تمام ضروریات و خصوصیات زندگی کے کفیل ہیں، اُن کی قیادت پرورش کے لیے اُن کی فطرت کے لحاظ سے الگ الگ سامان مہیا ہیں نباتات چون کہ حساس اور متحرک بالا راہ نہیں ہیں اس لیے ان میں رنگ و ریشہ پیدا کیے گئے ہیں جو پانی، ہوا اور مٹی کے لطیف اجزاء کو چوستے ہیں اور تمام شاخ و برگ میں تقسیم کرتے ہیں حیوان چمکے حساس اور متحرک بالا راہ پیدا کیا گیا تھا اس لیے اسکو اس قسم کا فطری اور رک دیا گیا جس سے وہ خود چل پھر کر اپنی تمام ضروریات زندگی مہیا کر سکتا ہے، پھر ہر ایک کے کھانے پینے، رہنے سنے کے طریقے مختلف ہیں، چار پا کے گھانے چرتے ہیں اور زندہ گوشت کھاتا ہے۔ پرند اُڑتے ہیں پھلی تیرتی ہے، یہ تمام اختلافات بھی اُن کے مختلف صورت نوعیت کے نتائج ہیں، اور یہی صورت نوعیت ہر ایک کو اُس قسم کے خاص ادراکات، خاص علوم، خاص الہامات،

عطا کرتی ہے۔ جو اُس کی ضروریات کے مناسب ہیں، لیکن حیوانات کے جس قدر علوم اور ادراکات ہیں سب فطری اور الہامی ہیں، یعنی انکو کسب اور اکتساب سے واسطہ نہیں بلکہ وہ علوم اور ادراکات اُن کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے ہیں، اور یہ سب بڑی خصوصیت ہی جو حیوان کو انسان سے جدا کرتی ہے، انسان کو طبعی اور فطری ادراکات اور علوم کے علاوہ رحمن وہ اور دیگر تمام حیوانات برابر کے شریک ہیں، ایک دوسری قسم کا ادراک بھی دیا گیا ہے جس کو اکتسابی اور نظری کہتے ہیں اور جو تجربہ، غور و فکر اور ترتیب مقدمات سے حاصل ہوتا ہے، ایسی اکتسابی ادراک یا الہام ہے جس کے ذریعہ سے انسان تجارت، صنعت، حرفت اور ہر قسم کے علوم و فنون حاصل کرتا ہے، ایسی قوت ہے جو مختلف پیرایوں میں ظاہر ہو کر کسی بادشاہ کسی کو سپہ سالار کسی کو حکیم کسی کو صنعت گر بناتی ہے،

لیکن یہ تمام علوم و ادراکات وہ ہیں جو انسان کے جہانی حالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ انکے سوا انسان کو ایک اور قسم کا ادراک دیا گیا ہے جو اسکی روحانیت کا خاصہ ہے، اور جس کو قوتِ ملکیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسی قوت کا اثر ہے کہ انسان اپنے گرد و پیش کی مخلوقات کو دیکھ کر غور کرتا ہو کہ یہ تمام کارخانہ کیوں کر قائم ہو گیا، خود مجھ کو کس نے پیدا کیا، کون مجھ کو روزی دیتا ہے؟ ان سوالات کے جواب میں وہ ایک قوتِ اعظم کا قائل ہوتا ہو، اور پھر اسکو سچے سرعہ خرم کرتا ہو اور خضوع و خشوع کے تمام آداب بجالاتا ہے، اگرچہ تمام مخلوقات تجر و تجربہ چاند، سورج، ستارے، زمین، آسمان، سب اُس مدبرِ عظیم کے معترف ہیں اور اُسکے آگے سر نہینا، نہین جیسا کہ قرآن مجید میں ہے،

آلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَكَأَنَّ  
وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ  
لیکن فرق یہ ہے کہ اور مخلوقات کا اعتراف اور خضوع زبان حال سے ہے اور انسان کو حال  
کے ساتھ زبان حال بھی عطا کی گئی ہے۔ حاشہ انفعال بھی اسی روحانی قوت کا اثر ہے یعنی  
جب انسان کوئی اچھا یا بُرا کام کرتا ہے تو اس کا اثر اس کے دل پر قائم رہ جاتا ہے، اگر وہ  
اچھا کام تھا تو اس کے دل میں انسان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اگر بُرا تھا تو انقباض  
ہوتا ہے (جانوروں میں یہ حاشہ بالکل نہیں ہے)

غرض اس روحانی ادراک کے اقتضا سے سلسلہ بہ سلسلہ بہت سے اصول، قواعد  
عقائد، اعمال قائم ہو جاتے ہیں لیکن چونکہ یہ قوت تمام افراد میں یکساں نہیں ہوتی، اور چونکہ  
انسان کا کمال روحانی اس پر موقوف ہے کہ روحانی حیثیت سے نیکی بری، اور بُرائی، بھلائی  
کا ایک مکمل قانون طیار ہو جائے، اس لیے خدا متون میں ایک شخص پیدا کرتا ہے جو وحی الہی کے  
انوار کے قابل ہوتا ہے، شخص خدا کا خاص منظور نظر ہوتا ہے، اسی سے تعلیم پاتا ہے اسی کے  
دامن تربیت میں پلتا ہے، اس کو شریعت عطا ہوتی ہے اور تمام لوگوں کو حکم ہوتا ہے کہ اس کے  
امرونی کو سبالاتین۔ لیکن یہ جو کچھ ہوتا ہے سب انسان کی فطرت اور صورت نوعیہ کا اقتضا ہے،

فَإِنْ قِيلَ مَنْ آتَيْنَ وَجَبَ عَلَى الْإِنْسَانِ لِمَنْ آتَيْنَ  
آتَيْنَ وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يَتَقَادَرَ لِلرَّسُولِ وَمِنْ آتَيْنَ حُرِّمَ  
عَلَيْهِ لِرِئَاءِ اللَّهِ وَالشَّرَافَةِ فَالْجَوَابُ وَجَبَ عَلَيْهِ  
اگر کوئی کہے کہ انسان پر لازم پڑھنا اور پیغمبر کی اطاعت کرنا  
اور نہ دوسرے سے بچنا کیوں واجب ہوا، تو جواب یہ ہے  
کہ اسی طرح جس طرح چندوں پر یہ واجب ہے

هَذَا وَحَرَّمَ عَلَيْكَ ذَٰلِكَ مِنْ حَيْثُ وَجَبَ إِلَيْهِ  
 أَنْ تَقْرَعَ الْحَيْثُ وَحَرَّمَ عَلَيْهَا أَكْلَ الْخَمِيرِ  
 وَمِنْ حَيْثُ وَجَبَ عَلَى الْغُلَّ أَنْ يَتَّبَعَ الْقِسْوَبَ  
 إِلَّا أَنْ الْحَيَوَانِ اسْتَوْجِبَ تَلْقَى عُلُومَهَا إِلَهُامًا  
 جَلِيًّا وَاسْتَوْجِبَ الْإِنْسَانُ تَلْقَى عُلُومَهُ كَسْبًا  
 وَكُفْرًا أَوْ حَيًّا وَتَقْلِيدًا (تَحْقِيقُ اللَّهِ الْبَالِغَةُ صَفْحَةُ ۲۲)

کہ گھاس چرین اور گوشت نہ کھائیں اور جس طرح شہر کی  
 کھوپڑی پر واجب ہے کہ کھیلوں کا جو سرور پر اسکی حاجت  
 کریں فرق یہ ہے کہ حیوانات کو یہ علوم محض الہام سے  
 حاصل ہوتے ہیں، اور انسان کو کتب نظر اور وحی و  
 تقلید سے، لیکن دونوں کو ان علوم کا حاصل نہیں ہوتا  
 اور وجہی ہے،

نبوت کے متعلق  
 امام غزالی کی رائے

امام غزالی نے نبوت کی حقیقت، سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ معارج القدس  
 میں بیان کی ہے، چونکہ اس کا بعینہ بیان نقل کرنا موقع اور مقام کے لحاظ سے موزون  
 نہ تھا، ہم نے اس کو کتاب کے ضمیمہ میں شامل کر دیا ہے، اس موقع پر جو کچھ امام صاحب نے  
 کتاب المنقذ اور احیاء العلوم میں لکھا ہے اس کا خلاصہ لکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ  
 انسان اصل خلقت کے لحاظ سے، جاہل پیدا کیا گیا ہے، پیدا ہونے کے وقت وہ  
 اقسام موجودات میں سے کسی چیز سے واقف نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے اس میں لمس کا احساس پیدا  
 ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ ان چیزوں کو محسوس کرتا ہے جو چھونے سے تعلق رکھتی ہیں،  
 مثلاً حرارت۔ برودت۔ رطوبت۔ سبوت۔ نرمی۔ سختی، اس حاسہ کو مرئیات۔ اور سموعات سے  
 تعلق نہیں۔ جو شے محض سُننے سے معلوم ہو سکتی ہے اس کے حق میں یہ حاسہ بالکل معدوم ہوتا ہے،  
 پس کے بعد پھر انسان میں دیکھنے کا حاسہ پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے سے وہ رنگ اور  
 مقدار کا ادراک کر سکتا ہے، پھر سُننے کی قوت پیدا ہوتی ہے، پھر چلنے کی یہاں تک کہ محسوسات کی



ختم ہو جاتی ہے اور ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، اب اسکو تیز دیکھتی ہے اور ان چیزوں کا  
ادراک کر سکتا ہے جو اس کے دسترس سے باہر ہیں یہ دور ساتویں برس سے شروع ہوتا ہے  
اس سے آگے بڑھ کر عقل کا زمانہ آتا ہے جس سے انسان کو ممکن محال، جائز، ناجائز، کا  
ادراک ہوتا ہے اس سے بڑھ کر ایک اور درجہ ہے جو عقل کی سرحد سے بھی آگے ہو اور  
جس طرح تیز عقل کی درکات کے لیے حواس بالکل بیکار ہیں، اسی طرح اس درجہ کے  
درکات کے لیے عقل بیکار ہے اور اسی درجہ کا نام نبوت ہے،

بعض عقلا اس درجہ کے منکر ہیں، لیکن یہ اسی قسم کا انکار ہے جس طرح وہ شخص عقلی  
چیزوں کا انکار کرتا ہے جس کو ہنوز عقل کی قوت عطا نہیں کی گئی ہے،

منقذ من الضلال میں لکھتے ہیں،

نبوت کے تسلیم کرنے کے یہ معنی ہیں کہ تسلیم کیا جائے  
کہ ایک درجہ ہے جو عقل سے بالاتر ہے اور جس میں  
وہ آئندہ کھل جاتی ہے جس سے وہ چیزیں معلوم ہوتی  
ہیں جنہیں عقل بالکل محروم ہے، جیسا کہ سامعہ ربک کے  
ادراک سے بالکل معذور ہے،

بَلِ الْإِيمَانُ بِالْنبُوَّةِ أَنْ يُقَرَّ بِأَشْبَاتِ  
طُورٍ وَرَأَى الْعَقْلُ نَفْعَهُ فِيهِ عَيْنٌ يُدْرِكُ  
بِحَامِدٍ كَأَنَّ خَاصَّةً وَالْعَقْلُ  
مَعْرِفٌ وَلَعَنَّا كَعَقْلِ السَّمْعِ  
عَنْ إِدْرَاكِ الْأَكْوَانِ الْخَرِ

اس بنا پر نبوت کا اصلی اذعان صرف اس شخص کو ہو سکتا ہے جس کو خود نبوت کا رتبہ  
حاصل ہے، یا ان لوگوں کو جو نفس قدسیہ رکھتے ہیں یا جنھوں نے ریاضات اور مجاہدات سے

مکاشفات اور مشاہدات کا درجہ حاصل کیا ہے۔ امام غزالی منقذ من الضلال میں اپنی حالت کا ذکر کر کے لکھتے ہیں

وَبِالْجُلَّةِ يَوْمَئِذٍ لَّمْ يَمِزْ فِي مِنْهُ شَيْئًا بِالْذِّقِ فَلَيْسَ  
يُكْرَهُ مِنْ حَقِيقَةِ النَّبُوَّةِ إِلَّا الْأَسْفَٰ  
مختصر یہ کہ جس نے تصوف کا کچھ مزہ نہیں چکھا ہو وہ نبوت  
کی حقیقت نہیں جان سکتا بجز اس کو کہ نبوت کا نام جانے  
اس کے بعد لکھتے ہیں

وَمِمَّا بَانَ لِي بِالصَّنَاءِ وَدَرَجَاتٍ مِنْ مَّهَارِسِهِ  
حَقِيقَةُ حَقِيقَةِ النَّبُوَّةِ وَخَاصِيَّتُهَا  
صوفیوں کے طریقہ کی مشق سے ممکن نبوت کی حقیقت اور  
اسکی خاصیت بدیہی طور پر معلوم ہو گئی

نبوت کی حقیقت کا  
ایسا اور طریقہ

امام صاحب نے ایک اور طریقہ سے نبوت کی حقیقت بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں  
کہ یہ عموماً مسلم ہے کہ صفات انسانی تمام آدمیوں میں یکساں نہیں پیدا کی گئیں، ذہن و ذکاوت  
فہم و فراست عقل و ذہانت، مختلف افراد انسانی میں کچھ مختلف المراتب ہیں۔ ایک شخص  
ذہین ہو دوسرا اس سے ذہین، تیسرا اس سے بھی زیادہ ذہین۔ بڑھتے بڑھتے یہاں تک  
نوبت پہنچتی ہے کہ ایک شخص سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں جو بظاہر قدرت انسانی کے  
حد سے باہر نظر آتے ہیں۔ جو لوگ شاعری میں۔ قوت تقریر میں۔ صنّاعی میں۔ ایجاد میں تمام  
زمانہ سے متنازع گدے وہ اسی درجہ کی مثالیں ہیں۔ یہ درجہ فطری ہوتا ہو یعنی پڑھنے اور سیکھنے  
سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ ابتدا ہی سے ان لوگوں میں یہ قوت مرکوز ہوتی ہو اور ایسا جوہر  
دوسرے اشخاص کو کتنی ہی کوشش کریں ان کے ہم پل نہیں ہو سکتے انہیں قولے میں حقائق  
اشیا کے ادراک کی ایک قوت ہے۔ یہ قوت کسی میں کم ہے اور کسی میں زیادہ کسی میں

زیادہ تر ہوتی ہے، اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانوں میں اس حد تک پہنچتی ہے کہ کسب و تعلم کے بغیر انکو عقائدی اشیاء کا ادراک ہوتا ہے، انکو کسی چیز کا ہیر دینی علم نہیں ہوتا لیکن اس قوت کی وجہ سے خود بخود ان کو اشیاء کا علم ہوتا جاتا ہے اسی قوت کا نام ملکہ نبوت ہے اور اسی علم کو الہام اور وحی کہتے ہیں،

امام صاحب نے یہ مضمون احیاء العلوم کے شروع میں ایک ضمنی بحث میں لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے بَيَانُ تَفَاوُتِ النَّاسِ فِي التَّعْقُّلِ چنانچہ اس کے بعض فقرے یہ ہیں

وَكَيْفَ يَتَكَلَّمُ تَفَاوُتُهَا الْقِيَمَةُ وَكُلُّهَا اَخْتَلَفَتْ	فطرت کے تفاوت کا کیوں کر انکار ہو سکتا ہے یہ تفاوت ہوتا
النَّاسُ فِي فَهْمِ الْعُلُومِ وَكَمَا انْقَسَمُوا إِلَى	تو علوم کے سمجھنے میں اختلاف مراتب کیوں ہوتا اور یہ بات کیوں
بَلِيدٍ لَا يَفْهَمُونَ بِالْفَقِيهِ إِلَّا بَعْدَ تَعَبٍ طَوِيلٍ مِنْ	ہوتی کہ بعض آدمی ایسے کو دن ہوتے ہیں جو استاد کے سمجھانے
الْمُعَلِّمِ إِلَى حِكْمَةِ يَفْهَمُ بِأَدْنَى دَمِيزٍ وَاسْأَرَةٍ وَ	پر بھی مشکل سمجھتے ہیں۔ اور بعض ایسے ذہین ہوتے ہیں کہ ذرا سے
إِلَى كَامِلٍ يَتَّبِعُونَ مِنْ نَفْسِهِمْ حَقَائِقَ الْأُمُورِ	اشیاء میں سمجھ جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے کامل ہوتے ہیں
وَوَنَ التَّعْلُمِ كَمَا قَالَ تَعَالَى يَكَادُ ذِيهَا يُضَيُّ	کہ خود انکی طبیعت سے حقائق امر پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ
وَلَوْ كُمْ مَسْنَهُ تَارَ لَوْ رَعَى لَوْ رَدَّ ذَلِكَ مَثَلُ	خطائے کہا جو کچھ کچھ ذیہا کی ضیائی و لو لم تَمْسَسْهُ نَارًا
الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ إِذْ يَقَعُ لَهُمْ فِي بَوَائِبِهِمْ	انبیاء علیہم السلام کا یہی حال ہر انکے دل میں دقیق
أَمُورٌ مَضْنَةٌ مِنْ غَيْرِ تَعْلُمٍ وَسَمَاعٍ وَيُعَبَّرُ	باتیں خود بخود بغیر سیکھنے اور سننے کے روشن اور ظاہر
ذَلِكَ بِالْأَلْهَامِ وَعَنْ مِثْلِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ	ہر جاتی ہیں اور اسی کو الہام کہتے ہیں اور اسی کو انحضرت صلی اللہ

لے ہم نے اس مضمون کو اپنے طرز بیان میں ادا کیا ہے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثٌ قَالَ إِنَّ دُورَ الْقُدُسِ نَفْثٌ فِي رُوحِي أَخْبَرَهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَمِعَ رُوحَ الْقُدُسِ يَقُولُ مِثْلَ مَا قَالَهُ  
 امام صاحب اس تقریر سے نبوت کا امکان ثابت کر کے لکھتے ہیں کہ وہ اب اگر کسی خاص شخص کی  
 نسبت بحث ہو کہ وہ نبی ہے یا نہیں تو اس کے حالات خود اس کی شہادت دے سکتے ہیں۔  
 امام شافعی کے فقیہ ہونے کا ہم کو کیوں یقین ہے؟ اس لیے کہ فقہ میں انکی نہایت عمدہ  
 تصنیفات موجود ہیں۔ اسی طرح جب ہم قرآن مجید کو دیکھتے ہیں، اور یہ دیکھتے ہیں کہ نبوت کے  
 جو آثار ہیں اس کے ہر لفظ سے نمایاں ہیں تو صاف یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا حامل بجز نبی  
 کے اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا تھا،

محدث ابن حزم نے نبوت کی یہ حقیقت بیان کی ہے کہ بغیر تعلیم و تعلیم کے علم حاصل  
 ہو چناچہ لکھتے ہیں

قَدْ هَمَّ أَنْ الْبُؤَاءُ فِي الْأَمَّاكَانِ وَهِيَ بَصْنَةُ  
 قَوْمٍ قَدْ خَصَّاهُمْ اللَّهُ تَعَالَى بِالْفَضِيلَةِ لَا لِغِلَّةٍ  
 إِلَّا أَنَّهُ شَاءَ ذَلِكَ فَعَلَّمَهُمُ اللَّهُ الْعِلْمَ  
 بِدُونِ تَعَلُّمٍ وَلَا تَنْقُلُ فِي مَرَاتِبِهِ وَلَا طَلَبَ  
 لَهُ وَمِنْ هَذَا الْبَابِ مَا يَرَاهُ أَحَدُنَا  
 فِي الرُّؤْيَا يَفْخَرُ بِحُجْرَتِهِ

تو یہ بات ثابت ہوئی کہ نبوت ممکن ہے اور نبوت کو منہ یہ  
 ہیں کہ خدا ایک گروہ کو مبعوث کرتا ہے اور ان کو فضیلت کے  
 ساتھ مخصوص کر دیتا ہے، کسی علت کی وجہ سے بلکہ زانیہ  
 مرضی کی وجہ سے خدا ان کو علم سکھاتا ہے بغیر سیکھنے کے اور  
 درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور بغیر طلب کے اور یہی طرح کی  
 بات، جسطرح ہلکے خواہین کو پتہ لگتے ہیں اور وہ صحیح عمل تاجر

محدث موصوف نے اس کا امکان اس طرح ثابت کیا ہے کہ دنیا میں جب قدر علم و فن،

صنعت و حرمت وغیرہ ایجاد ہوئے موجد اول کو انکا علم آپ سے آپ بغیر تعلیم و تعلم کے ہوا ہوگا  
در نہ تسلسل لازم آئے گا اسلئے انبیاء کو بھی ایسا علم ہونا ممکن ہے اور اسی کا نام وحی ہونا چاہئے  
محدث موصوف بہت سے صنائع و فنون کے نام لکھ کر لکھتے ہیں،

تو یہ بات ضروری ٹھہری کہ ایک یا ایک سے زیادہ اس قسم کے	فَوَسَّيْنَا بِالْهَوَىٰ وَرَوْحِهِ لَآبِدًا مِنَ الْإِنْسَانِ
انسان پائے جائیں جنکو خدا نے یہ علوم و صنائع ابتداءً	وَإِذَا كُنَّا فَكُورًا عَلَّمَهُمَّا اللَّهُ إِبْتِدَاءً
بغیر کسی معلم کے خود اپنی وحی سے سکھائے اور یہی	كُلَّ هَٰذَا أَدُونُ مَعْلَمٍ لَّكِنِ ابْوَحِي حَقَّقَهُ
نبوت کی صفت ہے،	عِنْدَ لَا وَهَذَا صِفَةُ النَّبَوِّ

ان تمام تقریروں کا حاصل اور قدر مشترک یہ ہے کہ خدا نے انسان کو جس طرح اور  
مختلف قوتیں عطا کی ہیں جو بعض افراد میں بالکل نہیں پائی جاتیں اور بعض میں بہ فادات درجہ  
پائی جاتی ہیں۔ سطح ایک روحانی قوت عطا کی ہے جس کا نام قوت قدسیہ یا بلکہ نبوت ہے،  
یہ قوت تزکیہ نفس اور پاکیزگی اخلاق سے تعلق رکھتی ہے، جس شخص میں یہ قوت موجود ہوتی ہے  
وہ اخلاق میں کامل ہوتا ہے اور اپنے اثر سے اور انسانوں کو کامل بنا سکتا ہے، یہ شخص کسی سے  
تعلیم و تربیت نہیں پاتا بلکہ بغیر تعلیم و تعلیم کے اس پر حقائق اشیاء منکشف ہو جاتے ہیں

نبوت کی اس حقیقت کو کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ جب یہ بات براہتہ نظر آتی ہے  
کہ ایک شخص کچھ پڑھا لکھا نہیں ہوتا مثلاً ہومر اور امیر القیس، اور باوجود اس کے اس درجہ کا  
فصیح و بلیغ شاعر یا خطیب۔ یا صنّاع۔ یا موجد ہوتا ہو کہ تمام زمانہ میں اس کا جواب نہیں ہوتا

تو یہ کیا بعید ہے کہ خدا بعض افراد کو اس قسم کی قوت قدسیہ عطا کرے کہ ان پر بغیر تعلیم کے اخلاق کے حقائق و اسرار منکشف ہو جائیں،

کون اس سے انکار کر سکتا ہو کہ اکثر انبیاء مثلاً حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ، اور جناب رسالت پناہ نے علوم و فنون کی مطلق تعلیم نہ پائی تھی اور باوجود اسکے صرف ہدایت و تلقین کی تاثیر سے دنیا کی حالت بدل دی، اور فلسفہ اخلاق کے وہ اصول اور مسائل تعلیم کیے کہ فلاطون اور ارسطو کا خیال بھی وہاں تک نہ پہنچ سکا تھا،

نبوت کی تصدیق اور نبی کی باتوں کو سچ سمجھنا، خود انسان کی فطرت صحیح کا اقتضا ہے ایک شخص جو حق کا تشنہ ہو جس کا وجدان صحیح ہے، جو سچ اور جھوٹ میں تمیز کر سکتا ہے، جس کے دل میں سچی بات آپ سے آپ اتر جاتی ہے، وہ جب کسی نبی سے تلقین و ہدایت سنتا ہے تو بیہودہ کج بحثیوں میں نہیں پڑتا بلکہ آپ سے آپ اس کا دل مان لیتا ہو کہ یہ سچ ہے اور سچائی کے مرکز سے نکلا ہے۔ مولانا روم نے اسکی یہ تشبیہ دی ہے کہ اگر کسی پیاسے کو پانی دیا جائے تو کیا وہ یہ بحث پیش کرے گا کہ پہلے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ یہ پانی ہو یا اگر ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پینے کے لیے بلوائے تو کیا اس کو شک ہو گا کہ یہ میری ماں ہے اور واقعی دودھ پلانے کے لیے بلا رہی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں،

تشنہ را چون گبوی تو شتاب	در قح، آب ست بہتان زد و آب
بچ گوید؟ تشنہ کا میں عوی است رو	از برم اسے مدعی۔ مہو ر شو
یا گواہ و حجتے ہما کہ این	جنس آب ست و از ان ما معین

نبوت کی تصدیق  
کیونکہ ہوتی ہے

یا بہ طفل شیر مادر بانگ زد کہ بیا من مادرم ہاں اسے دل  
 طفل گوید؟ مادر محبت بیار تاکہ باشیرت بگیرم من قرار  
 درد دل ہر امتی کز حق مزہ است روی و آواز پیمبر معجزہ است  
 چون پیمبر از بردن بانگے زند جان است در درون سجدہ کند  
 زانکہ جنس بانگہ داند بہ جان از کسی نشنیدہ باشد گوش جان

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ انبیاء کو دو قسم کے معجزے دیے جاتے ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ وہ پاک نسب ہوتے ہیں، اُن کے چہرہ پر وہ نور ہوتا ہی جو درون کو فریفتہ کر لیتا ہے اُن کے اخلاق ایسے ہوتے ہیں جو قلوب کو مسخر کر لیتے ہیں، اُن کی تقریر ایسی ہوتی ہے جس سے سامع کو تشفی ہو جاتی ہے، پھر لکھتے ہیں۔

وَهَذِهِ الْأَحْوَالُ إِذَا حَصَلَتْ لَا يَحْتَاجُ  
 ذُو الْبَصِيرَةِ مَعَهَا إِلَى مُعْجَزَةٍ وَلَا يُطْلَبُهَا  
 اور یہ حالات جب پائے جاتے ہیں تو سمجھ دار آدمی کو اور  
 کسی معجزہ کی ضرورت نہیں ہی درود کسی معجزہ کا طالب نہیں ہوتا  
 امام غزالی نے منقذ من الضلال میں جہان نبوت پر بحث کی ہے لکھتے ہیں کہ جو  
 شخص آنحضرت کے ہدایات اور ارشادات پر بار بار غور کرے گا اُس کو خود آنحضرت کی  
 نبوت پر یقین ہو جائے گا۔ پھر لکھتے ہیں،

فَمِنْ ذَلِكَ الْفَرْقِ فَأَطْلُبِ الْيَقِينَ بِالنَّبَوَةِ  
 كَمَا مِنْ قَلِيلٍ لِعَصَا لَعْنًا وَشَقِّ الْقَمَرِ إِلَى  
 تو اس طریقہ سے نبوت پر یقین لاؤ نہ اس کو عصا سنا یا  
 ہو گیا یا چاند شق ہو گیا،

معارف فی شرح الصحائف میں جو علم کلام کی مستند کتاب ہر آنحضرتؐ کی نبوت پر دو طریقہ سے استدلال کیا ہے پہلا وہی قدیم طریقہ یعنی معجزات ہے۔ دوسرا طریقہ یہ لکھا ہے،

أَوَجِبُهُ النَّاسُ فِي إِبْتِثَاتِ نُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّيْهِ  
أَمْ لَا سِتْدَ لَدَلٍ بِأَخْلَاقِهِ وَأَعْمَالِهِ وَأَحْكَامِهِ  
دوسرا طریقہ، آنحضرتؐ کی نبوت ثابت کرنے کا آنحضرتؐ کے  
افعال، اقوال، اور احکام سے استدلال کرنا جو  
بھراس طریقہ کی نسبت لکھتے ہیں۔

وَهَذَا الْوَجْهَ بِالْحَقِيقَةِ يُعَيِّنُ حَقِيقَةَ النَّبُوَّةِ  
اور یہ طریقہ درحقیقت۔ نبوت کی حقیقت بتا دیتا ہے

## انبیا کی تعلیم و ہدایت کا طریقہ

مذہب کے مطلق بہت بڑی غلطی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ انبیاء کے اصول  
طریقہ تعلیم کو ملحوظ نہیں رکھتے، علم کلام کی متبادل کتابوں میں اس ضروری نکتہ کو بالکل  
نظر انداز کر دیا ہے، لیکن امام مازنی نے مطالب عالیہ میں۔ ابن رشد نے کشف الادلہ میں  
اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ میں تفصیل کے ساتھ یہ اصول بیان کیے ہیں،  
ان میں سے ضروری الذکر یہ ہیں،

۱۔ انبیاء کو اگرچہ عوام و خواص دونوں کی ہدایت مقصود ہوتی ہے لیکن چونکہ عوام  
کے مقابلہ میں خواص کی تعداد اقل قلیل ہوتی ہے اس لیے ان کی طرز تعلیم اور طریقہ ہدایت  
میں عوام کا پہلو زیادہ ملحوظ ہوتا ہے۔ البتہ ہر جگہ ضمن میں ایسے الفاظ موجود ہوتے ہیں  
جن سے اصل حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور جس کے مخاطب خواص ہوتے ہیں

انبیا کی تعلیم کے  
اصول

پہلا اصول



امام رازی نے آیات متشابہات کے ورد کے متعلق سب سے قوی وجہ یہ بیان کی ہے کہ۔

إِنَّ الْقُرْآنَ كِتَابٌ مُّشْتَرِكٌ عَلَى الدَّخْوَةِ وَالْحَوَاجِّ  
وَالْعَوَامِّ بِالْكَلِمَةِ وَطَبَائِقِ الْعَوَامِّ تَبَيَّنُوا  
أَكْثَرَ الْأَمْرِ عَنْ رَأْيِ الْحَقَّائِقِ  
فَكَانَ الْأَصَحُّ أَنْ يُخاطَبُوا بِاللُّغَاظِ وَالْأَلْفِ  
عَلَى الْبَعْضِ مَا يَكْسِبُ مَا يَتَوَهَّمُونَ وَيَخَيَّلُونَ وَكَانَ  
ذَلِكَ مَخْلُوطًا بِمَا يَدُلُّ عَلَى الْحَقِّ الْأَصْبَحِ

قرآن ایسی کتاب ہے جس سے فاضل عام سیکھ کر بظن  
دعوت دی گئی ہمارے عوام کا یہ حال ہے کہ انکی طبیعت اکثر  
اسو میں حقائق کے اور اس سے انکار کرتی ہے  
اسیے مصلحت یہ تھی کہ ایسے الفاظ کے ساتھ خطاب کیا جائے  
جو عوام کے خیالات اور تصورات کیساتھ کچھ مناسب  
رکھے ہوں اور اس کے ساتھ حقیقت واقعی بھی ملحوظ رہے

(تفسیر کبیر آل عمران آیت ھو الذی اُنزل علیک الکتاب جنہ ایت مُحْكَمَاتٌ)

ابن رشد فی فصل المقال میں لکھتے ہیں،

وَكَانَ الشَّرْعُ مَقْصُودًا لِأَوَّلِ الْغَنَابَةِ  
بِأَكْثَرِ مَنْ غَيْرِ أَغْفَالٍ لِتَبَيُّهِ الْحَوَاجِّ

شریعت کا مقصود اولیٰ اہم و عوام کے ساتھ اعتنا کرنا ہے  
تاہم خواص کی تنبیہ سے بھی چشم پوشی نہیں کی جاتی۔

(۲) انبیاء لوگوں کی عقل و علم کے لحاظ سے اُن سے خطاب کرتے ہیں لیکن اس علم  
و عقل کے لحاظ سے جو اکثر افراد انسانی میں پائی جاتی ہے۔ اکتساب مجاہدہ۔ مراقبہ  
مست کیوجہ سے جو علم و عقل پیدا ہوتی ہے وہ انبیاء کے خطاب کا موضوع نہیں،

وَمِنْ سِيَرَتِهِمْ أَنَّهُ لَا يَكَلِّمُ النَّاسَ إِلَّا  
عَلَى قَدْرِ حَقِّهِمْ لَتَنِي خُلِقُوا عَلَيْهِمْ

اور انبیاء کے اصول میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کو  
انکی خلقی عقل کے موافق خطاب کرتے ہیں

دوسرا اصول

فَالْأَنْبِيَاءُ لَكُمْ مَحَاطِبُ النَّاسِ الْأَعْلَى مِنْهُمْ  
إِذْ رَأَيْتُمُ السَّادِجَ الْمُؤَدِّجَ فِيهِمْ بِأَصْلِ  
الْخَلْقَةِ فَلَيْلَ الْإِكِّ لَمْ يَكْفُؤْ النَّاسُ أَنْ يَغْفُوا  
رَبَّهُمْ بِالْعَجَلِيَّاتِ وَالْمَسَاهِدَاتِ وَلَا بِالْبَرَانِ  
وَالْقِيَاسَاتِ وَلَا أَنْ يَغْفُوا مِنْهُمْ نَزَاهًا مِنْ  
جَمِيعِ الْجَمَّاتِ (مُحَمَّدٌ اللَّهُ الْبَالِغَةُ صَفْحَةً)

اس پر انبیاء نے محض اس نعم اور ادراک کے لحاظ سے  
خطاب کیا، جو ان لوگوں کی خلقت میں دہشت ہو چنانچہ  
انبیاء نے لوگوں کو یہ تکلیف نہیں دی کہ وہ خدا کو تجلیات  
مشاہدات، براہین اور قیاسات کو ذریعہ سے پہچانیں  
ذرا کہ اس بات پر مکلف کیا کہ وہ خدا کو ہر جہت، اور  
ہر حیثیت سے منزہ خیال کریں،

(۳) سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ انبیاء تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کے سوا  
اور قسم کے مسائل و مباحث اور حقائق سے متعرض نہیں ہوتے، اور اس قسم کے امور  
کے متعلق کچھ بیان کرتے ہیں تو انہی کی روایات اور خیالات کے مطابق، اور اس میں بھی  
استعارات اور مجازات سے کام لیتے ہیں،

وَمِنْ سِيرَتِهِمْ أَنْ لَا يَسْتَفِئُوا بِمَا لَا يَتَعَلَّقُ  
بِتَهْذِيبِ النَّفْسِ سِيَاسَةً أَلَا مَتَكَبِّرَانِ سَبَابَ  
حَوَادِثِ الْجَوْرِ مِنَ الْمَطْرِ وَالْكُسُوفِ وَالْمَهَالَةِ  
وَحِجَابِ اللَّيْلِ وَالْحَيَوَانِ وَمَقَادِيرِ سَيْرِ  
الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَأَسْبَابِ الْحَوَادِثِ الْيَوْمِيَّةِ  
وَفَصَائِلِ نَبِيَّاتِهِ وَالْمُلُوكِ الْبَلَدَانِ تَحْوِهَا اللَّهُمَّ  
الْأَكْبَرَاتِ لِسِيرَةِ الْفَهْمِ أَسْمَاءَهُمْ وَقَبْلَهُمَا،

اور انبیاء کے اصول میں سے ایک یہ بات ہو کہ جو امور  
تہذیب نفس اور سیاست قومی سے تعلق نہیں رکھتے انہیں  
وہ دخل نہیں دیتے مثلاً کائنات الجوی یعنی بارش۔  
گرہن۔ ہار کے پیدا ہونے کے اسباب۔ نباتات اور  
حیوانات کے عجائبات۔ چاند سورج کی رفتار کی مقدار  
حوادث یومیہ اسباب۔ انبیاء سلاطین۔ اور ممالک کے  
قصو وغیرہ اور ان چیزوں سے جو بحث نہیں کرتے ان پر کچھ چند ہوتی

حَقُّوْهُمُ يَتِي بِهَا نِيَّانِ التَّذَكُّرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ  
 التَّذَكُّرُ بِأَيَّامِ اللَّهِ عَلَى سَبِيلِ الْإِسْطِطَادِ بِكَلَامِ  
 الْجَمْعِ لِيَسَاحُرْ فِي مِثْلِهِ بِأَيَّامِ الْإِسْطِطَادِ رَاتِ  
 وَالْجَمْعِ رَاتِ وَهَذَا الْأَصْلُ لَمَّا سَأَلُوا النَّبِيَّ  
 عَنْ مِلَّةِ نَقْصَانِ الْقَمَرِ وَزِيَادَةِ قِيَمَةِ أَخْرُصِ اللَّهِ  
 تَعَالَى عَنْ ذَلِكَ إِلَى بَيَانِ قَوْلِ الشُّهُورِ  
 فَقَالَ لَيْسَ لَكُمْ عَنْ كَلَامِهِ قُلْ هِيَ مَوْقِفَةٌ  
 لِلنَّاسِ وَالْجَمْعُ وَتَرَى كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ قَدْ  
 ذَوَّقُوا سَبَبَ الْكَافَّةِ بِلَاغِ الْفُتُونِ وَغَيْرِهَا  
 مِنَ الْأَسْبَابِ فَحَمَلُوا كَلَامَ الرُّسُلِ عَلَى  
 غَيْرِ حَمَلِهِ (حجة الله البالغة ج ۲ ص ۲۰۰)

باتین جن کو گون کے کان مانوس ہو چکی ہیں اور انکی  
 عقلوں نے ان باتوں کو قبول کر لیا ہے، اور ان باتوں کو  
 بھی وہ لوگ خدا کی شان اور قدرت ذکر میں ضمنی طور  
 پر جابلا بیان کرتے ہیں اور اس میں عجاوین اور استعارہ سے  
 کام لیتے ہیں اور اسی اصول کی بنا پر جب لوگوں نے  
 آنحضرت کو جاننے کے گھٹنے بڑھنے کا سبب پوچھا تو خدا نے  
 اس کے جواب میں عرض کیا اور اس کے سبب سے مجاہد ہو گیا  
 فائدہ بیان کر دیا، چنانچہ فرمایا ویسٹو نکلم اور اکثر  
 لوگوں کا مذاق ان فنون یعنی ریاضیات وغیرہ کو نہ تھا  
 کیونکہ خراب ہو گیا ہے تو یہ لوگ انبیاء کو کلام کو خلاف  
 حقیقت عمل پر محمول کرتے ہیں

چوتھا اصول

(۴) ایک عام اصول جس پر تمام انبیاء کا عمل رہا ہے کہ وہ جس قوم میں مبعوث  
 ہوتے ہیں اس کے اکل و شرب، لباس، مکان، سامان آرائش، طریقہ نکاح زوجین کے  
 عادات، بیع و شرا، معاشی پر دار و گیر، فصل قضا یا، غرض اس قسم کے تمام امور پر نظر دالتے ہیں،  
 اگرچہ یہ چیزیں دینی ہی ہیں جیسا انکو ہونا چاہیے تو پھر کسی قسم کا تبدیل و تغیر نہیں کرتے بلکہ ترغیب  
 دلاتے ہیں کہ یہ رسوم و آئین صحیح اور واجب العمل و رہنمی علی المصالح ہیں، البتہ اگر ان میں کچھ  
 نقص ہوتا ہے مثلاً وہ آزار رسانی کا ذریعہ ہوں۔ یا لذات دنیوی میں انہماک کا باعث ہوں

یا اصول احسان کے مخالف ہوں۔ یا انسان کو دنیاوی اور دینی مصالح سے بے پروا کرنے والی ہوں تو انکو بدل دیتے ہیں وہ بھی اس طرح نہیں کہ سب سے انقلاب کر دیں، بلکہ اس قسم کی تبدیلی کرتے ہیں جس کے مشابہ کوئی چیز قوم میں پہلے سے موجود ہوتی ہے یا ان لوگوں کے حالات میں اسکی مثالیں پائی جاتی ہیں جنکو قوم اپنا مقتدا اور پیشوا تسلیم کرتی آتی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب یہ اصول نہایت تفصیل سے بیان کر کے لکھتے ہیں

<p>اور ای وجہ سے انبیاء کی شریعتیں مختلف ہیں اور جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ جانتے ہیں کہ شریعت نے نکاح۔ طلاق۔ معاملات۔ آرائش۔ لباس۔ قصاص۔ عیوب غنیمت میں کوئی ایسی بات نہیں پیش کی سبکو وہ لوگ جستہ نہ جانتے ہوں ایسی جکو قبول کرنے میں ہر ایک پیش ہو، ہاں یہ ضرور ہوا کہ جو کجی تھی، سیدھی کر دی گئی اور جو خرابی تھی رفع کر دی گئی،</p>	<p>وَلِهَذَا الْمَعْنَى اخْتَلَفَتْ شَرِيعَاتُ الْأَنْبِيَاءِ وَالرَّاسِخِ فِي الْعِلْمِ يَعْلَمُ أَنَّ الشَّرِيعَ لَمْ يَجْعَلْ فِي النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْمَعَامَلَاتِ وَالزَّيْنَةِ وَاللِّبَاسِ وَالْقَصَاصِ وَالْحُدُودِ وَالْعِفَّةِ بَعْزًا لِمَا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ أَوْ يَتَرَدَّدُونَ فِيهِ إِذَا كَلَّفُوا لَعْمًا نَسًا وَقَعْرًا قَامَةُ الْمُعْوَجِّ وَتَصْحِيحُ السَّقِيمِ،</p>
---	--

(۵) انبیاء پر جو شریعت نازل ہوتی ہے اُسکے دو حصے ہوتے ہیں ایک وہ عقائد و مسائل جو مذہب کے اصول کلیہ ہوتے ہیں، اس حصہ میں تمام شریعتیں متحد ہوتی ہیں مثلاً خدا کا وجود۔ توحید۔ ثواب۔ عقاب۔ عبادت۔ شہادۃ اللہ کی تعظیم۔ نکاح۔ درأنت وغیرہ وغیرہ دوسرے وہ احکام اور سنن جو خاص خاص انبیاء کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اور جنکی بنا پر

کہا جاتا ہے کہ شریعت موسوی مثلاً، شریعت عیسوی سے مختلف ہے، شریعت کا یہ حصہ خاص خاص قوموں یا ملکوں کے مصالح اور فوائد پر مبنی ہوتا ہے اور اسکی بنیاد زیادہ تر ان خیالات عقائد، عادات، معاملات، رسوم، طریق معاشرت اور اصول تمدن پر ہوتی ہے جو پہلے اس قوم میں موجود تھے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:

فَلَوْلَا اَنَّكَ تَعْتَبِرُ فِي الشَّرَائِعِ عُلُومَ مَحْزُونَةٍ  
فِي الْقَوَائِدِ وَاعْتِقَادَاتٍ كَامِنَةٍ فِيهِمْ عَادَاتٍ  
تَجَادَرِي فِيهِمْ وَلَوْلَا اَنَّكَ تَوَلَّى تَحْرِيمَ الْحُمْرِ  
اَلْبَلْبِ وَالْبَاهَا عَلَى ابْنِي اِسْمَاعِيلَ دُونَ ابْنِي اِبْرَاهِيمَ  
وَلَوْلَا اَنَّكَ كَانَ الطَّيِّبُ وَالْجَنِيْتُ فِي الْمَطَاعِمِ  
مَقْفُوضًا اِلَى عَادَاتِ الْعَرَبِ وَلَوْلَا اَنَّكَ حَرَّمَ  
بَنَاتِ الْاُكْحَتِ عَلَيْنَا دُونَ الْيَهُودِ۔

اسی طرح شریعت میں ان علوم اور اعتقادات و عادات کا لحاظ کیا جاتا ہے جو قوم میں محزونوں و درباری ساری ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اونٹ کا گوشت اور دو دو بنی سڑک حرام ہوا جبکہ اسماعیل پر حرام نہوا، اور یہی وجہ ہے کہ کھانا پاک اور نجس کی تفریق عرب کے مذاق پر محول کی گئی، اور یہی وجہ ہے کہ بھانجی سے شادی کرنا ہمارے مذہب میں حرام ہے، اور یہود کے یہاں نہیں

شاہ صاحب نے اس موقع پر اس اصول کی اوجہ بہت سی تفریعات بیان کی ہیں، ہم نے تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کر دین۔

اسی بحث میں آگے چل کر لکھتے ہیں،

وَاَعْلَمُ اَنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْعَادَاتِ وَالْعُلُومِ  
الْكَامِنَةِ يَتَّفِقُ فِيهَا الْعَرَبُ وَالْجَحْمُ

جاننا چاہیے بہت سے مراسم اور علوم ایسے ہیں جنہیں تمام عرب و عجم اور تمام ممالک کے رہنما ملے اور

وَجَمِيعُ سُكَّانِ الْأَقَالِيمِ الْمُتَعَدِّلَةِ وَأَهْلُ الْأَمْثَلِ  
الْقَائِلَةِ لِلدُّخُولِ فِي الْفَاصِلَةِ كَالْحَزْنِ لِمَتَّحِدِهِ  
إِسْتِعْبَابًا لِيَرْفُقَ بِهِ وَكَالْخَيْرِ بِالْأَحْسَنِ الْإِنْسَانِ  
فِي الْمَكَاتِلِ لِعَادَاتِ وَالْعُلُومِ مَرَاتِقِ الْأَشْيَاءِ غَيْرِ  
بِالْأَعْيَانِ رَيْثَمَ بَعْدَ هَاعَادَاتِ وَعَقَابِ  
تَخَصُّصَ بِالْمُبْعُوثِ عَلَيْهِمْ فَيَقْتَبِرُ لَكَ الْيُنَا

تمام وہ لوگ جنہیں اخلاق فاضلہ کے قبول کر چکی ہوں  
سے سب متفق ہوئے ہیں مثلاً مردہ کا غم کرنا، اور ادب  
رحم کھانا۔ یا مثلاً حسب و نسب پر غر کرنا۔ تو یہ مراسم  
یہ اصول سب سے زیادہ لحاظ کے قابل ہیں۔ ان کے بعد  
وہ مراسم ہیں جو حاصل سی قوم میں جاری ہیں جن پر وہ  
پیغمبر مبعوث ہوئے تو ان مراسم کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے

(۶) کسی چیز سے روکنے، یا کسی چیز کے حکم دینے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ اس چیز کے  
فوائد و نقصان بیان کیے جائیں اور یہ بتایا جائے کہ وہ شے مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ امر و نہی کا  
اصلی سبب اس کا مفید یا مضر ہونا ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ خود وہ شے بالذات موجب ثواب  
یا عقاب ہے جیسا کہ بعض دعاؤں کی نسبت لوگوں کا خیال ہے کہ اگر اس کے الفاظ اول بدل جائیں  
تو دعائیں وہ تاثیر نہ رہے گی،

پہلا طریقہ اگرچہ بظاہر حکیمانہ اور اصول عقل کے زیادہ موافق ہے لیکن یہ طریقہ عام نہیں ہو سکتا  
اگر امر و نہی کا مدلول سپر رکھا جائے تو ایک ایک عامی کو ادھر ادھر ہی کے دقائق اور باریکیاں سمجھانی پڑ سکتی  
اور یہ بالکل ناممکن ہے کہ علاوہ کسی کام کے کر نیکی کے لیے عام طبائع پر عقیدہ اس بات کا اثر پڑتا ہے کہ خدا نے اس کام  
حکم دیا ہے، اور خدا کی تعمیل سے خوش ہوتا ہے، اس قدر اس بات کا اثر نہیں پڑ سکتا کہ وہ چیز فی نفسہ اچھی ہو فرض کرو اگر  
تعزیرات ہند کے بجائے اخلاقی کتابیں جاری کی جائیں جن میں لکھا ہو کہ چوری۔ دیکھی۔ رہبری۔ بڑی باتیں ہیں ایسے  
ان سے بچنا چاہیے۔ تو کیا یہ اخلاقی کتابیں ہمارے ملک کے گھٹانے میں وہ کام دینی جو تعزیرات ہند



مذکورہ بالا اصول تمام انبیاء میں مشترک ہوتے لیکن جس نبی کی رسالت عام ہوتی ہے اور تمام عالم کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوتا ہے، اس کی ہدایت اور تلقین میں بعض زائد خصوصیات ہوتی ہیں جو اور انبیاء میں نہیں پائی جاتیں،

اد پر بیان ہو چکا ہے کہ پیغمبر جس قوم میں مبعوث ہوتا ہے، اُس کی شریعت میں اُس قوم کی عادات اور خصوصیات کا خاص طریقہ پر لحاظ ہوتا ہے لیکن جو پیغمبر تمام عالم کے لیے مبعوث ہوا، اُس کے طریقہ تعلیم میں یہ اصول چل نہیں سکتا، کیونکہ نہ وہ تمام دنیا کی قوموں کے لیے الگ الگ شریعتیں بنا سکتا ہے نہ تمام قوموں کی عادات اور خصوصیتیں باہم متفق ہو سکتی ہیں۔ اس لیے وہ پہلے اپنی قوم کی تعلیم و تلقین شروع کرتا ہے اور اُن کو محاسن اخلاق کا نمونہ بناتا ہے، یہ قوم اُس کے احصا اور جوارح کا کام دیتی ہے اور اُسی کے نمونہ پر وہ اپنی تلقین کا دائرہ وسیع کرتا جاتا ہے، اُس کی شریعت میں اگرچہ زیادہ تر وہ قہر و کلبہ اور اصول عام ہوتے ہیں جو قریباً تمام دنیا کی قوموں میں مشترک ہوتے ہیں تاہم خاص اس کی قوم کی عادات اور خصوصیات کا لحاظ زیادہ ہوتا ہے لیکن جو احکام ان عادات اور حالات کی بنا پر قائم ہوتے ہیں اُن کی پابندی مقصود بالذات نہیں ہوتی اور نہ ان پر چند ان زور دیا جاتا ہے،

اس اصول کو شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ الیہ من (صفحہ ۱۲۳) میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہیں،

وَالْإِيمَانُ الَّذِي فِيهِ يُخَوِّفُهُمْ عَلَى مِلَّةٍ وَاحِدَةٍ خَاتَمٌ بِأَمْرِهِم جَمْعًا قَوْمُونَ كَمَا يَكُنِ الْمَذْمُومُ بَرًّا لَا نَاجِيَ لَهُ



إِلَى أَصُولٍ أُخْرَى غَيْرِ الْأَصُولِ الْمَذْكُورَةِ فِيمَا  
 سَبَقَ مِنْهَا أَنْ يَذْهَبُوا إِلَى السُّنَنِ الرَّاشِدَةِ  
 وَيُزَكِّيهُمْ وَيُصْلِحُوا شَأْنَهُمْ فَمَنْ يَتَّخِذْهُمْ  
 بِمَنْزِلَةِ جَوَارِحِهِمْ،  
 وَذَلِكَ لِأَنَّ هَذَا الْإِمَامَ لِنَفْسِهِ رَأْيَانِيٌّ مِنْهُ  
 مُجَاهِدٌ أَمَّ غَيْرَ مَحْصُورٍ وَإِذَا كَانَ كَذَاكَ  
 وَجِبَانٌ يَكُونُ مَا دُوْنَهُ شَرِّ لَعْنَةٍ مَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ  
 الْمَذْكُورِ الطَّبَعِيِّ لَا هَلْ لَكَ الْقَائِمُ الصَّالِحُ عَرَبِيٌّ  
 وَعَجَمِيٌّ ثُمَّ مَا عِنْدَ قَوْمِهِ مِنَ الْعِلْمِ فَالْأَرْفَاقَاتُ  
 وَيُزَادُ فِيهِ مَا لَيْسَ مِنْهُمْ غَيْرُهُمْ ثُمَّ يَحْمِلُ  
 النَّاسُ جَمِيعًا عَلَى اتِّبَاعِ تِلْكَ الشَّرِيعَةِ لِأَنَّهُ  
 لَا سَبِيلَ إِلَى أَنْ يُفَوْضَ الْأَمْرُ إِلَى كُلِّ قَوْمٍ  
 أَوْ إِلَى أَيْمَةٍ كُلِّ عَصْرٍ إِذْ لَا يَحْصِلُ مِنْهُ فَاوِدَةٌ  
 الشَّرِّ لِعَرِصَةٍ وَلَا إِلَى أَنْ يَنْظُرَ مَا عِنْدَ كُلِّ قَوْمٍ  
 وَمِمَّا اسْتَلْزَمَتْ مِنْهُمْ فَتَحْبِلُ بِكُلِّ شَرِيعَةٍ  
 فَلَا أَحْسَنَ لِأَيِّسَرٍ مِنْ أَنْ يُعْتَبَرَ فِي الشَّعَائِرِ  
 وَالْحُدُودِ وَالْأَرْفَاقَاتِ عَادَةً،

اس کو اور چند اصول کی جو اصول مذکورہ بالا کے علاوہ  
 ہیں حاجت پڑتی ہیں ان میں سے ایک یہ کہ وہ ایک قسم کو  
 راہ راست پر بلاتا ہو اس کی اصلاح کرتا ہو، اس کو پاک بنا دیتا ہو  
 پھر اس کو اپنا دست و بازو قرار دیتا ہے،  
 یہ ایسے کہ یہ تو ہونہیں سکتا کہ ایسا تمام دنیا کی قوموں  
 کی اصلاح میں جان کھپائے اس لیے ضرور ہو کہ اس کی شریعت  
 کی اصلی بنیاد تو وہ ہو جو تمام عرب عجم کا نظری مذہب ہو  
 اس کے ساتھ خاص اس کی قوم کے عادات اور سمات  
 کے اصول بھی لیے جائیں اور ان کے حالات کا لحاظ  
 بنسبت اور قوموں کے زیادہ کر لیا جائے پھر تمام لوگوں کو  
 اس شریعت کی پیروی کی تکلیف دیا جائے کیونکہ یہ تو ہر  
 نہیں سکتا کہ ہر قوم یا ہر پیشہ اسے قوم کو اجازت دی  
 جائے کہ وہ اپنی شریعت آپ بنالین ورنہ شیخ محض  
 بیفائدہ ہوگی نہ یہ ہو سکتا کہ ہر قوم کی عادات اور  
 خصوصیات کا تجسس کیا جائے اور ہر ایک کی ایک ایک شکایت  
 بنائی جائے اس پر اس بہتر آسان کوئی اور طریقہ نہیں کہ  
 شمار تفریقات اور انتظام میں غلطی اس قوم کی عادات کا

قَوْمَهُ الْمُبْعُوثُ فِيهِمْ وَلَا يَضِيقُ كُلَّ النَّصِيقِ

عَلَى الْآخِرِينَ الَّذِينَ يَأْتُونَ يُعَذِّبُ

حفاظ کیا جائے جن میں یہ نام پیدا ہوا ہے، اس کو سزا دی جائے  
نسلوں پر ان حکام کے متعلق چندان سخت گیری نہ کی جائے

اس اصول سے یہ بات ظاہر ہوگی کہ شریعت اسلامی میں چوری، زنا، قتل وغیرہ کی جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں ان میں کہاں تک عرب کی رسم و رواج کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ کہ ان سزائوں کا بعینہا اور بخصو صہا پابند رہنا کہاں تک ضروری ہے،

## خرق عادات

بیانات مذکورہ بالا سے اگرچہ ثابت ہو چکا کہ نبوت، خرق عادت پر موقوف نہیں اور اس لحاظ سے ہم کو اس مسئلہ کے متعلق کچھ بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی، لیکن خرق عادت تمام مذاہب کا ایک ضروری عنصر ہے اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلام میں بھی کچھ نہ کچھ اسکی جھلک موجود ہے اس لیے اس عقدہ کا حل کرنا ضرور ہے قرآن مجید میں اس قسم کے جو واقعات منقول ہیں فرقہ جدیدہ ان کی عمومات ادا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن مجید میں اس قسم کا ایک واقعہ بھی مذکور نہیں، لیکن انصاف یہ ہے کہ قرآن مجید بلکہ تمام آسمانی کتابوں میں اس قسم کے واقعات کے مذکور ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا بے شبہ اشاعرہ کی افراط، پچون کی دہم پرستی کے درجہ تک پہنچ گئی ہے، لیکن انکار محض کرنا بھی کچھ کم ہٹ دہرمی نہیں ہے، ہمارے زمانہ کے لوگوں نے جو تاویلین کی ہیں اہم اس سے بخوبی واقف ہیں بے شبہ یہ تاویلین نئی تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے

کافی ہیں جو بچا رس عربی زبان اور اس کے طرز و اسلوب سے نام آشنا ہیں مگر ماہر عربیت کے سامنے یہ تلخ کیا کام دے سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جدید فرقہ چونکہ وہم پرست مسلمانوں کا طرف مقابل ہے اس لیے ضرور تھا کہ وہ اعتدال سے سجادز ہو جائے، ایک طرف جب یہ افراط ہے کہ ہر قسم کے ناممکن اور محال واقعات ہر کس دنا کس سے سرزد ہو سکتے ہیں اور گواہی اہل قیام و حق کے دائرہ کی وسعت کی کوئی حد نہیں قرار پائی۔ تو اس کے مقابلہ میں یہ تفریط کچھ تعجب انگیز نہیں کہ کوئی واقعہ جو بظاہر غلات ہو مگر وقوع میں نہیں آ سکتا لیکن ہم کو افراط و تفریط سے الگ ہو کر، خود حقیقت حال پر غور کرنا چاہیے،

خرق عادت کے منکرین، کامترا استدلال یہ ہے کہ خرق عادت قانون فطرت کے خلاف ہے اور جو چیز قانون فطرت کے خلاف ہے وہ متنع ہے اس دلیل کے دوسرے مقدمہ کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن پہلے مقدمہ کے ثابت ہونے کا کیا طریقہ ہے، کیا فطرت کے تمام قوانین منضبط ہو چکے ہیں؟ کیا اسپر امینان ہو چکے ہیں کہ ہم جن امور کو قانون فطرت سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت قانون فطرت ہیں؟ علوم جدیدہ کی تحقیقات اور تجربہ نے سیکڑوں ایسے قانون فطرت دریافت کیے جو پہلے مطلق معلوم نہ تھے۔ اور یہ سلسلہ برابر قائم ہے، سیکڑوں ہزاروں برس سے فقراء اور جوگیوں کے متعلق یہ واقعات منقول چلے آئے تھے کہ وہ محض توجہ قلب سے دوسرے شخص کو مدہوش اور متاثر کر سکتے ہیں، موجودہ زمانہ اس بنا پر انکار کر رہا تھا کہ یہ خلاف قانون فطرت ہے کہ ایک مادہ بغیر اس کے کہ

خرق عادت کے  
منکرین کا استدلال  
اور اس پر بحث

دوسرا مادہ اس سے ملاتی ہو کسی قسم کا اثر قبول کر سکے، لیکن جب سمیریم کے تجربوں نے قوت  
نفسانی کا اثر ثابت کیا تو تمام پچھلے واقعات تسلیم کرنے پڑے، آج ایک سمیریم کا مشاق  
علی رؤس الاشہاد، دوسرے اشخاص کو محض قوت نظریہ قوت نفس سے بیہوش کر سکتا ہے،  
اس سے جو بات چاہے کہہ سکتا ہے۔ جو کام چاہے کر سکتا ہے،

قدیم عربی کتابوں میں مذکور ہے کہ مصر میں ایک مچھلی ہوتی ہے جس کے چھونے  
سے جسم پر عرشہ طاری ہونا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر آدمی اس کو ہاتھ سے پھینک  
دے تو عرشہ کی شدت سے بیہوش ہو کر گر جائے، یہ واقعہ ایک مدت تک مخالف عقل  
قرار دیا گیا لیکن موجودہ تحقیقات نے اس مچھلی کا وجود ثابت کیا اور معلوم ہوا کہ اس میں  
الکٹریسی ہوتی ہے،

خود یورپ کے محققین اس بات کو تسلیم کرتے جاتے ہیں کہ جب قدر تحقیقات بڑھتی  
جاتی ہے ناممکن چیزیں، ممکن ثابت ہوتی جاتی ہیں۔

فرانس کا مشہور فاضل کیل فلامریان جو فزیکل سائنس کا استاد مانا جاتا ہے اپنی کتاب  
اسپریمو لیزم میں لکھتا ہے ”انسان کی فطری عادت ہے کہ جو چیز بظاہر مشکوک ہوتی ہے  
یا جس کو وہ نہیں جانتا اور سمجھ نہیں سکتا اس کے وجود سے انکار کرتا ہے یہی وہ ڈوٹس  
یا ٹین کی تحریروں میں اگر ہم یہ پڑھیں کہ ایک عورت کی ران میں چھاتی تھی اور اس سے  
وہ اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی تو ہم کو بے اختیار مہنی آتی اور ہم استہزا کرتے لیکن  
لہ یونان کا مشہور مورخ ہے،

خرق عادت کے  
متعلق یورپ کے  
علمان کی رائے

پیرس کی علمی کانفرنس منعقدہ ۲۵۰- جون ۱۸۷۵ء میں یہ واقعہ ہر اسے العین مشاہدہ کیا گیا۔

”اسی طرح اگر کوئی ہم سے یہ کہتا کہ ایک شخص مر گیا اور جب اسکی تشریح کی گئی تو اسکے پیٹ میں ایک بچہ پایا گیا جو اس شخص کا توأم تھا اور اس کے جسم میں پرورش پاتا رہا تھا تو ہم اس واقعہ کو محض خرافات سمجھتے، لیکن چند روز ہوئے ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بچہ چھپن بس تک بدن ہی میں پرورش پاتا رہا اور پھر ظاہر ہوا ہر دو دوس کے ایک مترجم نے لکھا ہے کہ لوگوں کا یہ بیان کہ سکندر کی بیوی ردکسان نے ایک ایسا بچہ دیا تھا جس کے سر نہ تھا، خلاف عقل سمجھا جاتا تھا، لیکن آج تمام طبی ڈکٹریوں میں تسلیم کیا جاتا ہے کہ بہت سے بچے بغیر سر کے پیدا ہوتے ہیں۔“

”اس قسم کے واقعات ہم سے کہتے ہیں کہ ہم کو احتیاط سے کام لینا چاہیے کیونکہ جو لوگ بغیر بصیرت کے انکار کر دیا کرتے ہیں وہ جاہل اور کودن ہیں۔“

چونکہ ہمارے ملک میں عام خیال پھیلا ہوا ہے کہ یورپ عام طور پر خرق عادات کا منکر ہے اور اسی بنا پر جدید تعلیم کا ایک ایک بچہ ہر قسم کے ایسے واقعہ پر جو محسوسات عام کے خلاف ہو، استہزا اور انکار کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ خرق عادات کے متعلق یورپ کے مشہور اور مستند حکما و فضلا کے اقوال اور آراء اس موقع پر نقل کریں،

لے کا مل خلاصہ بیان کی کتاب صفحہ ۲۴۶۔

دنیا میں خرق عادات سے ہمیشہ اس فرقہ کو انکار رہا ہے جو طبعی اور مادہ پرست ہوتا ہے یعنی وہ لوگ جن کی تحقیقات، اجسام اور خواص اجسام پر محدود ہوتی ہیں یورپ کا یہی حال ہے ایک مدت تک یہی حالت رہی، پھر ایک فرقہ پیدا ہوا جسے روح اور روح کے اثر و ن کی تحقیقات پر توجہ کی، ان لوگوں نے بہت سے تجربوں کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ روح جسم سے جدا گانہ ایک چیز ہے اور اسکے قوی اور ادراکات بالکل الگ ہیں روح سیکڑوں کوس سے بغیر حواس کی وساطت کے ایک چیز کو دیکھ سکتی اور سن سکتی ہے، روح واقعات آئندہ کا ادراک کر سکتی ہے، روح کو سون تک اپنا اثر پہنچا سکتی ہے۔ غرض روح کے ذریعہ سے بہت سے ایسے افعال سرزد ہو سکتے ہیں جن کو خرق عادت کہا جاتا ہے،

اس فرقہ نے اپنے دعویٰ کو اس بلند آہنگی سے ظاہر کیا کہ لوگوں کو اسکی تحقیقات کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ ۱۹۶۹ء میں بمقام لندن ایک بہت بڑی مجلس ان امور کی تحقیقات کے لیے منعقد ہوئی اس مجلس کے ارکان یہ تھے،

سر جان لیبک ممبر پارلیمنٹ۔ صدر انجمن

پروفیسر ہیکسلی جو طبعیات کا سب سے بڑا عالم تھا۔ وکیل

لویس۔ فزیکل سائنس کا بہت بڑا عالم۔

الفرڈ ویلز۔ جو ڈارون کا ہم عصر اور مسئلہ ارتقاء میں برابر کا شریک تھا۔ ممبر

مارگن مجلس علوم ریاضیہ کا صدر انجمن

جان کوکس،

ان کے سوا اور بہت سے فضلاء شریک مجلس تھے، اٹھارہ مہینے تک یہ مجلس برابر تحقیقات کرتی رہی، اخیر میں مجلس نے جو رپورٹ مرتب کی، اس کے بعض فقرے یہ ہیں۔

در مجلس نے اپنی رائے کا مدار صرف ان تجربوں پر رکھا جو مجلس نے برای اعیان مشاہدہ کیے اور جن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا تھا، مجلس میں چار خمس ایسے ممبر تھے جو شروع میں اس قسم کے واقعات کے سخت منکر تھے اور سمجھتے تھے کہ یا تو ان واقعات میں فریب اور شعبہ بازی سے کام لیا جاتا ہے یا خود انسان کے عصبی نظام کا اثر ہے لیکن نہایت دقیق اور مکرر تجربوں کے بعد ان کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ یہ خرق عادات حقیقی اور واقعی ہیں۔

اس کے بعد انھوں نے ان اور امریکائیوں کی تحقیقات کے لیے ایک مجلس قائم ہوئی جس کے صدر انجمن ہیزلوب اور ہودسن تھے، یہ مجلس قریباً بارہ برس تک تحقیقات میں مصروف رہی اور بالآخر ۱۹۹۹ء میں اس نے اپنی تحقیقات ختم کی اور ان واقعات کی صحت کا اعتراف کیا، ہیزلوب نے جو رائے لکھی اس کے بعض فقرے یہ ہیں،

»مجھ کو امید ہے کہ میں برسوں کے بعد تمام دنیا کے سامنے دلائل قطعیہ سے یہ ثابت کر دوں گا کہ اس عالم فانی کے بعد ایک اور عالم ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے وہ خرق عادات دیکھے جن کی نسبت کسی طرح شعبہ اور فریب کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

ہودسن کی رپورٹ کے بعض جملے یہ ہیں

دنیا کو بہت جلد عظیم الشان جدید اطلاعیہ، حاصل ہونے والی ہیں، مجھ کو امید ہے کہ

دوہی ایک برس مین۔ مین دنیا کے لیے انسانی زندگی کے قوانین فطرت کی نئی تفسیر پیش کر دنگا۔ اگر پروفیسر ہینر لوب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اُسے مردوں کی روحوں سے باتیں کیں تو اسنے بالکل سچ دعویٰ کیا ہے۔

ایک اخبار کے نامہ نگار نے ہوڈسن سے اس مسئلہ کے متعلق گفتگو کی تو اس نے یہ الفاظ کہے ”مین نے اور پروفیسر ہینر لوب نے ایک ساتھ تحقیقات شروع کی ہم دونوں دہریہ تھے، اور کسی شے پر یقین نہیں رکھتے تھے، تحقیقات سے ہماری غرض یہ تھی کہ عیان روحانیت جو شعبہ بازیان کرتے ہیں۔ اُن کی پردہ درسی کر دی جائے۔ لیکن آج مین اس بات کا قائل ہوں کہ مردوں سے بات چیت ہو سکتی ہے اور اس کے متعلق ایسے دلائل ظاہر ہو چکے کہ اب مطلق شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔“

پروفیسر کوکس جو امپریل سائنٹفک سوسائٹی کا صدر انجمن ہے اُسنے جمع عام مین کہا کہ ”مین صرف یہی نہیں کہتا کہ یہ ممکن ہے بلکہ مین کہتا ہوں کہ وہ بالکل حقیقت واقعی ہے۔“ پروفیسر کوکس نے خاص اسپرچو لیزم پر ایک کتاب لکھی جو نہایت کثرت سخن بار بار چھپ چکی ہے اسین وہ لکھتا ہے کہ ”چونکہ مجھ کو ان واقعات کا قطعی یقین ہو چکا ہے، اس لیے یہ اخلاقی نامردی ہے کہ مین اُن کے ظاہر کرنے مین اس بنا پر ہچکچاؤں کہ نکتہ چین میری ہنسی اُڑائیں گے۔“

مادین مین بہت بڑا فاضل ڈاکٹر جارج مکسٹون ہے، وہ روح وغیرہ کا نہایت مخالف تھا اور ان امور پر سخت حملے کیا کرتا تھا، اس نے صرف اس غرض سے کہ



درعیانِ روح کی شعبہ باز یوں کا پتہ لگائے، اس طرف توجہ کی اور پندرہ برس تک اس  
تک دو دین رہا، لیکن بالآخر اُس نے یہ الفاظ کہے،

”میں نے خاص اپنے گھر میں جہاں میرے احباب کے سوا، اور کوئی موجود نہ تھا  
بغیر کسی درمیانی شخص کے قطعی طور پر اس کا تجربہ کیا جن لوگوں سے بات چیت ہوئی وہ  
میرے ہوئے ہمارے عزیز و اقارب تھے۔“

بارکس نے جو مشہور جیو جیٹ فاضل ہے ایک علمی پرچہ میں لکھا کہ ”میں نے تمام  
وہ کتابیں جو روح کی رد میں لکھی گئی تھیں پڑھیں اور ان تمام لوگوں سے مناظرے کیے  
لیکن میں نے یہ مشاہدات خود اپنی آنکھوں سے دیکھے اور دس برس تک تجربہ کرتا رہا  
یہاں تک کہ اب میں ان مشاہدات پر بہ علم و درایت گفتگو کر سکتا ہوں۔“

مارگن جو علوم ریاضیہ کا پریذیڈنٹ ہے، اُس نے یہ شہادت دی کہ ”میں نے خود  
اپنی آنکھوں سے جو دیکھا اور اپنے کانوں سے جو سنا اُس نے مجھ کو ایسا مطمئن کر دیا ہے  
کہ شک کا احتمال بھی نہیں رہا۔“

سب سے بڑی شہادت اس باب میں رسل و ملزنگی ہے، یہ مشہور فاضل  
ڈارون کا شریک اور ہمسلہ خیال کیا جاتا ہے، ڈارون کی ایجاد میں یہ برابر کا شریک تھا  
اس نے خاص اس بحث پر ایک کتاب لکھی جس کا نام عجائباتِ روح جو اس میں وہ لکھا ہے  
کہ میں محض دہریہ تھا اور اپنے مذہب پر بالکل قانع تھا، مگر ذرہ بھر بھی خیال نہ تھا کہ میں  
روح کا معترف ہو سکوں گا، یا اس بات کا قائل ہو سکوں گا کہ اس عالم میں مادہ کے

سوا اور بھی کوئی چیز کوئی اثر پیدا کر سکتی ہے۔

وہ لیکن محسوس حیرت خیز مشاہدات نے مجھ کو مجبور کر دیا کہ میں ان چیزوں کو حقیقی اور واقعی تسلیم کروں اگرچہ ابھی تک میں یہ تسلیم نہیں کرتا تھا کہ یہ آثار روح سے سرزد ہوتے ہیں، لیکن ان مشاہدات نے رفتہ رفتہ میری عقل پر اثر کرنا شروع کیا نہ بطریق استدلال و حجت بلکہ یہ مشاہدات کے پے درپے تواتر کا اثر تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ روح کے اقرار کے بغیر کوئی مغرور تھا۔

پروفیسر ایسٹ جو امریکہ کی سائنٹیفک سوسائٹی کا صدر انجمن ہے ان کا ایک سیکرٹری میں لکھا کہ "چند روز پہلے مجھ کو اس خیال سے بھی تکلیف ہوتی تھی کہ مجھ کو ایک ایسا واقعہ لکھنا پڑے گا لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ اپنے اعتقاد کو اگر بد دیا نستی سے چھپاتا ہوں تو میں اپنی عقلی ترقی کو گھٹاتا ہوں، یہ تمام سچے مشاہدات دیکھ کر اب میں چپ نہیں رہ سکتا ورنہ میں اخلاقی بُزدلی کا مرتکب ہونگا۔"

جرمنی کا مشہور ہیئت دان زولنبرگ بھی اسکی تحقیقات پر متوجہ ہوا، اس کے ساتھ اور چند مشہور فضلا شریک ہوئے جنہیں سے بعض کے یہ نام ہیں

دیبر

فیشنر فزیکل سائنس کا استاد اور یونیورسٹی کا پروفیسر

ونڈٹ، ہنایٹ مشہور فاضل اور یونیورسٹی کا پروفیسر

بالآخر بہت سی تحقیقات کے بعد ان تمام فاضلوں نے روح کے عجیب و غریب کوشمو کا اعتراف کیا زولنبرگ بہت بُرا عالم تھا، اس کے اعتراف پر لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید اس نے

دھوکا کھایا چنانچہ چند مشہور پروفیسروں نے یہ خیال اخبار کے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ اس پر  
زولز نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام ادراق علیہ ہے، اس میں اسے نہایت زور شور سے  
اپنے مشاہدات کا حوالہ دیا، اور ان کی صحت پر دلائل قائم کیے،

۱۹۱۰ء میں جو علمی کانفرنس منعقد ہوئی اسکے ایک جلسہ میں پروفیسر بوج نے  
جو بہت بڑا ریاضی دان ہے ایک کچھ دیا اور روح کے متعلق تقریر کرتے وقت کہا کہ اب  
وہ وقت آ گیا ہے کہ مادی اور روحانی عالم میں اب تک جو حد فاصل تھی وہ ٹوٹ جائے  
جسطرح ادب سے سی حدیں ٹوٹ گئیں۔ اس طریقہ سے ثابت ہو جائے گا کہ ممکنات کی کچھ  
انتہائیں، اور یہ کہ جقدر ہم جانتے ہیں وہ بمقابلہ ان چیزوں کے جو ہم کو معلوم نہیں ہیں  
کچھ بھی نسبت نہیں رکھتیں،

۲۲۔ جون ۱۹۱۰ء کو جو کانفرنس منعقد ہوئی اس میں پروفیسر دروٹاش نے اپنی  
پیچ میں کہا کہ خرق عادات جو اس وقت ہم نے مشاہدہ کیے اور جن کے ذکر سے  
ان لوگوں کو طیش آ جاتا ہے جو اپنے آپ کو عالم خیال کرتے ہیں اور جزئی مباحث  
علیہ پر گفتگو کیا کرتے ہیں، انہی متواتر مشاہدات کے سلسلہ میں داخل ہیں جو ایک مدت  
ہمارے تجربہ میں آ رہے ہیں اور جن کی نسبت شک کرنا اب غیر ممکن ہو گیا ہے۔

۱۹۱۳ء میں بمقام میلان ایک بہت بڑی کمیٹی منعقد ہوئی جسکے ممبر جنرل تھے  
الگزینڈر گزاکوف۔

جیوفانی میلان کے رصد خانہ کا سرکاری۔

کارل دوپلر جرمنی کا مشہور ڈاکٹر۔  
 جیوزب جیروزا۔ فزیکل سائنس کا پروفیسر  
 پروفیسر شارل ریشیہ۔ فرانس کے طبی کالج کا پروفیسر  
 لمبروزو

ان علمائے ۱۔ اجلاس میں ان امور کی تحقیقات کی اور بالآخر اپنی رپورٹ میں  
 لکھا کہ جو خوارق عادات ہم نے مشاہدہ کیے ان میں کسی قسم کی شعبہ بازی یا چالاکی نہیں  
 تھی اور یہ مشاہدات یہ درجہ رکھتے ہیں کہ مسائل علمیہ میں داخل کیے جائیں  
 اس قسم کی سیکڑوں شہادتیں ہیں جن کو نقل کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب طیار ہوگی،  
 ایسے ہم دائرۃ المعارف کے فقرہ ذیل پر اکتفا کرتے ہیں،

وَكَيْفَ يُؤْمِنُ مِنْ أَهْلِ مَرْثِيَا دَاوُدَ بِالْمُنْتَازِقِينَ	امریکہ اور یورپ کے بہت سے علماء و علوم فلسفہ حکمت
بِالْعُلُومِ وَالْفَلَسَفَةِ وَالْحِكْمَةِ وَالسِّيَاسَةِ	اور ریاست میں متنازع ہیں اس بات کے مقتدی ہیں کہ
يَعْتَقِدُونَ وَجُودَ قُوَّةٍ لَمْ يَكُنْ فِيهَا الْعِلْمُ	ایک ایسی قوت موجود ہے جسکو علم نے اب تک دریافت
لَقَوْمٍ بَنَى الْأَحْمَالَ أَزْوَاجًا وَمَا زُوِيَ مِنْ	نہیں کیا تھا وہ قوت ان اعمال کو انجام دیتی ہیں ان
الظَّوَاهِرِ لَا يَنْسَبُ إِلَى الْخَدَاعِ وَالشُّعُورِ قُوَّةٍ	لوگوں کا اعتقاد ہے کہ جو تجربے ان لوگوں نے کیے وہ
قَالُوا إِنَّ لَمْ تَكُنْ حَقِيقَةً فَهِيَ حَبْدٌ يَرْتَدُّ	فریب یا شعبہ نہیں قرار دیا جاسکتا، اور اگر وہ حقیقی
بِالْبَحْثِ وَالتَّامُّلِ	نہیں ہیں تو کم از کم ایسے غور و تامل کرنا ضروری ہے

جو خوارق عادات ان تجربات اور مشاہدات سے ثابت ہوئے اگرچہ وہ ہزاروں

متجاوز ہیں لیکن ان کی بنا پر جو کلیات قائم ہوتے ہیں ان کو کامل فلاسفیہان نے حسبِ میل شمار کیا ہے۔

(۱) روح جسم سے جدا گانہ ایک وجود مستقل رکھتی ہے۔

(۲) روح میں اس قسم کی خاصیتیں ہیں جو اب تک علوم موجودہ کی رو سے

غیر معلوم تھیں،

(۳) روح جسم کی وساطت کے بغیر متاثر ہو سکتی ہے یا دوسری چیز پر اپنا

اثر ڈال سکتی ہے،

(۴) روح آئندہ واقعات سے واقف ہو سکتی ہے،

ان شہادتوں کو ہم روح کے ثبوت میں پیش نہیں کرتے بلکہ ہم صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں

کہ انسان میں ایک قوت ہے جسکو خواہ روح کہو خواہ ترکیب جسم کا خاصہ مانو، اس سے

ایسے عجیب و غریب افعال سرزد ہوتے ہیں جنکو علوم جدیدہ کے اساتذہ بھی خرق عادت

سے تعبیر کرتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں کہ وہ جسم اور مادہ کے دسترس سے باہر

ہیں اس بنا پر خواہ عادات سے کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا، البتہ فرق یہ ہے کہ وہ ہم

پرست اور خوش اعتقاد لوگ ان چیزوں کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ بلا کسی سبب

اور واسطہ کے براہ راست خود خدا کی قدرت سے سرزد ہوتے ہیں، اور خواص کا

یہ اعتقاد ہے کہ عالم اسباب میں ہر چیز وابستہ علت ہے ایسے ان خرق عادات کا

بھی کوئی کوئی سبب ہوتا ہے،

اسلام میں جو حکماء اور عرفا گذرے ہیں مثلاً امام غزالی۔ ابن رشد شاہ ولی اللہ صاحب  
وغیرہ سب نے ان خرق عادات کو اسباب کا معلول مانا ہے اور ان اسباب کی تشریح  
کی ہے جن سے یہ خرق عادات سرزد ہوتے ہیں۔ امام غزالی نے تمام معجزات کی تین  
قسمیں قرار دی ہیں حسی۔ خیالی۔ عقلی۔ پہلی قسم تو اشاعرہ کے استہلاک کے لیے قائم  
کی ہے۔ باقی دو قسمیں جو اپنے مذاق کے موافق بیان کی ہیں وہ بالکل آج کل کی تحقیقات  
کے موافق ہیں، چنانچہ ہم نے امام غزالی کی سوانح عمری میں جو چھپ کر شائع ہو چکی ہے،  
امام صاحب کی اصلی عبارت نقل کی ہے،

بوعلی سینا کو بھی ایک مدت تک خرق عادات سے انکار تھا، لیکن جو صوفیہ اس کے  
زمانہ میں موجود تھے، ان کے خوارق عادات اس کثرت سے خود اس کے مشاہدہ میں  
آئے کہ بالآخر اس کو اقرار کے ساتھ ان کے اسباب و علل پر غور کرنا پڑا، اشارات میں  
خود اس کے الفاظ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے، وہ خرق عادات کے بیان میں لکھتا ہے،  
وَلَكِنَّهَا تَجَادِبُ لَمَّا ثَبَتَتْ طَلِبَةُ سُبَابِهَا  
ثُمَّ إِنِّي لَوَاقْتَصَصْتُ حُجْرِيَّاتِ هَذَا الْبَابِ فَمَا  
شَهِدْتُ نَاقُوسًا مَحْكِي عَمْرٍ مَسَدًا قَدْ لَطَّالَ لَكَلَامِ

لیکن یہ تجربے ہیں درجہ ثابت ہوئے اس کے اسباب کی جستجو  
اور اگر میں اس قسم کے جزئیات کا شمار کروں جو میں نے خود دیکھے  
یا ان لوگوں نے دیکھے جنکو میں شہر سمجھتا ہوں تو بہت طول ہوتا

بوعلی سینا نے، مختلف خرق عادات کے مختلف اسباب بیان کیے ہیں، انہیں سے  
اس نے سب سے بڑا سبب، قوت نفسانی کا اثر قرار دیا ہے۔ اس کی تفصیل اس کے  
بیان کے موافق حسب ذیل ہے،

خرق عادات کی  
نسبت بوعلی سینا  
کی رائے

”یہ امر بدایہ ثابت ہے کہ تخیل اور توہم کا اثر جسم پر پڑتا ہے، مثلاً خوشی سے چہرہ کارنگ بدل جاتا ہے۔ بعض دفعہ شخص وہم سے آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے انسان کو کسی کی طرف سے دل میں ناگوار خیالات آتے ہیں، ان خیالات سے غصہ پیدا ہوتا ہے غصہ سے حرارت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے، یہاں تک کہ پسینہ آ جاتا ہے، اس سے اس قدر ثابت ہوا کہ مادیہ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ مادہ پر صرف مادہ ہی اثر ڈال سکتا ہے۔ خیال۔ وہم۔ غیظ۔ غضب۔ مادہ نہیں بلکہ ایک کیفیت ہے باوجود اس کے انکا اثر جسم پر پڑتا ہے،

جس طرح ان کیفیات سے انسان خود متاثر ہوتا ہے بعض انسانوں میں یہ قوت اس قدر قوی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں پر اثر ڈال سکتے ہیں، یہ قوت انسانوں میں علی قدر مراتب قوی اور ضعیف ہوتی ہے اور بعض انسانوں میں اس قدر قوی ہوتی ہے کہ اس سے نہایت عجیب و غریب افعال سرزد ہوتے ہیں۔

”یہ قوت جس شخص میں فطری اور حسی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ وہ فطرۃ مقدسہ اور پاکیزہ ہو جاتا ہے اور اس قوت کو اغراض حسہ میں استعمال کرتا ہے، وہ نبی یا ولی ہوتا ہے اور اگر اس قوت کے ساتھ فطرۃ بدلتی اور شریہ ہوتا ہے اور اس قوت کو جبرے کامیوں میں صرف کرتا ہے تو وہ جادوگر اور شعبدہ گر ہوتا ہے۔“

امام غزالی، نے معارج القدس میں جان انبیاء کے خفیات لکھے ہیں لکھتے ہیں  
وَلَا يَتَكَلَّمُ مَنْ يَكُونُ مِنَ الْقَوَى النَّفْسَانِيَّةِ | اور کچھ بعینہ میں کہ بعض لوگوں کے قوائے نفسانی

مَا هُوَ اقْوَىٰ قِيْلًا وَتَاثِيْرًا مِّنْ اَنْفُسِنَا  
عَنْ حَتَّىٰ لَا يَفْتَصِرَ فَعْلَهَا فِي الْمَادَّةِ الَّتِي فِيهَا  
لَهَا وَهُوَ بَدَلُهَا بَلْ اِذَا شَاءَتْ اَحَدًا ثَبَتَتْ  
فِي مَادَّةِ الْعَالَمِ مَا يَتَصَوَّرُهُ فِي نَفْسِهَا

ایسے ہوں جنکی قوت اور تاثر رہا ہے نفوس سے زیادہ  
ہو یہاں تک کہ انکا اثر اپنے ہی جسم پر محدود نہ ہو بلکہ  
جس طرح اپنے اجسام پر وہ اثر ڈال سکتے ہیں وہ عالم  
پر بھی ایسا ہی اثر ڈال سکیں،

بر علی سینا نے قوت نفسانی کے متعلق جو خیال ظاہر کیا ہے جدید تحقیقات کے  
بالکل مطابق ہے، اسپریتچولیزم والے تو حقائق اعتراف کرتے ہیں کہ روح ایک مستقل  
جداگانہ چیز ہے اور یہ خوارق عادات اسی کے آثار ہیں، جو لوگ روح کے قائل نہیں ہیں  
انکو بھی مشاہدات اور تجربوں کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑا کہ انسان میں کوئی ایسی قوت ہے جس سے  
وہ خوارق عادات سرزد ہوتے ہیں جو جسم اور مادہ سے سرزد نہیں ہو سکتے، چنانچہ  
اس کے متعلق، یورپ کے بڑے بڑے علماے علوم جدیدہ کی شہادتیں اور پر  
گذر چکیں،

غرض، خرق عادات ایسی چیز نہیں کہ محض اس کی بنا پر کسی مذہب کو غلط کہہ دیا جائے،  
البتہ چونکہ خرق عادات کوئی معمولی چیز نہیں، اسلئے یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ جب تک  
اسکے ثبوت کی قطعی شہادت موجود نہ ہو، ہم اسپر اعتبار نہ کریں قرآن مجید چونکہ قطعی  
الثبوت ہے اس لیے اس میں جہاں خرق عادات کا ذکر ہوگا، واجب التسلیم ہوگا لیکن  
پہلے یہ امر نہایت غور اور دقت نظر سے طے کرنا پڑے گا کہ فی الواقع قرآن مجید کے  
الفاظ، اسکے ثبوت میں قطعی الدلالت ہیں یا نہیں؟



مفسرین میں جو محقق گذرے ہیں مثلاً قفال۔ ابو مسلم اصفہانی۔ ابو بکر اصم وغیرہ، ان کی تحقیقات کے مطابق قرآن مجید میں، بہت کم خرق عادات مذکور ہیں، اور جو واقعی مذکور ہیں ان کی صحت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟

آخر میں یہ بتادینا بھی ضرور ہے کہ اشاعرہ اور آج کل کے عام مسلمانوں نے خرق عادت کے مفہوم کو جو وسعت دی ہے، اس کے رد سے ہر قسم کے محالات اور حقیقی ناممکنات بھی، خرق عادت کے دائرہ میں آجاتے ہیں، اور حاشا ہم ان کے امکان کا دعویٰ نہیں کرتے۔ مدت کے ڈوبنے ہوئے آدمیوں کو، دریا میں ایک کنکری پھینک کر زندہ کر دینا خرق عادت نہیں بلکہ محال ہے۔ اور خرق عادت کے جواز سے ہمارا یہ مقصد نہیں کہ اس قسم کی دور از کار روایتوں کو صحیح تسلیم کیا جائے،

## محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت

بَشِّرِ الْكَافِرِينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ

نبوت کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد آنحضرتؐ کا نبی ہونا ایک بدیہی مسئلہ رہ جاتا ہے۔ نبی کی حقیقت جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا اجزائے ذیل سے مرکب ہے خود کامل ہو، دُشردن کو کامل کر سکتا ہو، اُسکے علوم اور معارف، اکتسابی نہ ہوں، بلکہ منجانب اللہ ہوں۔ یہ تمام باتیں جس کمال کے ساتھ آپؐ کی ذات مبارک میں موجود تھیں کیا ابتداءے آفرینش سے آج تک اسکی کوئی نظیر مل سکتی ہے؟

غور کرو وہ شخص جس نے کسی قسم کی ظاہری تعلیم نہ پائی ہو۔ جس نے آنکھ کھول کر اپنے  
 گرد و پیش۔ بت پرستی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا ہو۔ جس کے کانوں میں ناقوس کے سوا  
 اور کوئی آواز نہ آئی ہو۔ جس نے آیات۔ اخلاق۔ اصول معاشرت، قانون تمدن کے  
 متعلق ایک حرف بھی کسی سے نہ سنا ہو۔ دفعہ منظر عام پر آئے اور ایک طرف تو فلسفہ  
 اخلاق، تزکیہ روح۔ آیات۔ مواد۔ قانون معاشرت، اصول تمدن۔  
 کے وہ دقائق اور نکات بنائے جو کسی حکیم۔ کسی فلسفی۔ کسی مفکر۔ کسی پیغمبر نے کبھی نہیں  
 بتائے تھے، دوسری طرف تمام قوم کی قوم میں جو اس وقت۔ جمالت و وحشت۔ جو رطللم  
 فسق و فجور۔ سفاکی و غوریزی میں ڈوبی ہوئی تھی پاکیزہ اخلاق اور سچائی کی وہ روح  
 بھونکے کہ دفعہ ان کی کایا پلٹ ہو جائے بجز محمد رسول اللہ کے اور کون ہو سکتا ہو؟  
 غور کرو آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت تمام دنیا کی کیا حالت تھی؟ ہندو اور  
 مصری سیکڑوں خدایاؤں کا رمانتے تھے، عیسائی تثلیث کے قائل تھے، صابین،  
 ستارہ پرست تھے، مجوسی یزدان اور اہرمز دو خدا تسلیم کرتے تھے یہودی توحید  
 کے قائل تھے مگر جس قسم کا خدا مانتے تھے وہ انسان سے کچھ ہی بڑھ کر بلکہ بہت سی  
 باتوں میں برابر یا گھٹ کر تھا، اہل عرب یا تو خدا کے سب سے قائل ہی نہ تھے یا مانتر  
 تھے تو اس قسم کا خدا مانتے تھے جس کے نہایت کثرت سے لڑکیاں (یعنی ملائکہ) تھیں  
 بہت سے فرقے ہر دن کا الگ الگ خدا مانتے تھے۔

یہ انسان کی فطرت ہے کہ جو خیال اُس کے دل میں آتا ہے وہ اُنہی واقعات

روایات، اور خیالات سے ماخوذ ہوتا ہے جو اس کے گرد پیش پھیلے ہوتے ہیں انہی سے وہ اول بدل کر ایک دوسری صورت بنالیتا ہے۔ اب غور کر دو کہ اگر اس فطرت کے روئے آنحضرتؐ کے دل میں خدا کا خیال آتا تو اسی قسم کا خدا ہوتا جو اس زمانہ کے لوگوں کا تھا، لیکن آپؐ نے جس خدا کی تلقین کی وہ ایسا خدا تھا جو واحد محض ہے، جس کی ذات اور صفات میں کسی شخص کو کسی قسم کا اشتراک نہیں، جو نہ زمین میں ہے، نہ آسمان میں، نہ اوپر نہ نیچے، نہ دایم نہ بائیں، نہ زمان میں نہ مکان میں اور پھر ہر جگہ ہے، جو ایک ایک ذرہ کو جانتا ہے۔ چیونٹی کے پاؤں کی آہٹ کو سن لیتا ہے، ہمارے دل کے چمچے ہوئے بھید دن کو جانتا ہے۔ ایسا مشرہ ایسا کامل۔ ایسا باہر خدا انسان خود اپنے خیال سے نہیں پیدا کر سکتا تھا، بلکہ وہی خدا یہ خیال پیدا کر سکتا تھا جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہے،

عیسائیوں نے اس بات کے ثابت کرنے کے لیے بہت کوشش کی، مگر کہ آنحضرتؐ پڑھے لکھے تھے، تو رات و دن نبیل سے واقف تھے، اور جرجیس نام ایک عیسائی سے تعلیم حاصل کی تھی، اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی نسبت آنحضرتؐ کو یہ خیال پیدا ہونا اور بھی زیادہ بعید بلکہ محال تھا کیونکہ اس زمانہ کی تو رات و دن نبیل اور عیسائی معلم اسی خدا کی تلقین کر سکتے تھے جو خود انکا خدا تھا، فرانس کا مشہور فاضل کانٹ ہنری دی کاسٹری اپنی کتاب اسلام میں لکھتا ہے: وہ ان روایات کا پتہ لگانا جسے یہ ثابت ہو کہ محمد صلیم نے عیسائیوں، یہودیوں

عیسائیوں کا یہ عری  
کہ آنحضرتؐ تربیت  
اور نبیل کی تعلیم  
پائی تھی

سہ کتاب فریخ زبان میں تھی، میرے ایک عالم نے عربی زبان میں اسکا ترجمہ کیا اور ۱۸۹۹ء میں چھاپ کر شائع کیا،

اور تارہ پرستوں کے عقائد بالمشافہہ حاصل کیے تھے، فائدہ سے خالی نہیں کیونکہ اس سے ان مقامات کی تشریح ہوتی ہے جہاں قرآن اور تورات کی آیتیں ہم مضمون میں لیکن پھر بھی یہ دوم درجہ کی بحث ہے کیونکہ گویہ فرض کر لیا جائے کہ قرآن آسمانی کتابوں سے ماخوذ ہے لیکن یہ مشکل حل نہیں ہوتی کہ محمدؐ میں یہ مذہبی روح کیوں کر پیدا ہوئی اور وحی کا ایسا مضبوط اعتقاد کیونکر پیدا ہوا، جو ان کے جسم و روح پر بالکل چھا گیا؟

یہی مصنف آگے چلکر لکھتا ہے میرے محال ہے کہ یہ اعتقاد تورات اور انجیل کے مطالعہ سے پیدا ہوا ہو، اگر محمدؐ نے ان کتابوں کو پڑھا ہوتا تو ان کو اٹھا کر بیچینکدیا ہوتا کیونکہ وہ ان کی فطرت اور وجدان اور مذاق کے مخالف تھیں۔ اس قسم کے اعتقاد کا محمدؐ کی زبان سے ادا ہونا ان کی زندگی کا سب سے بڑا منظر ہے اور وہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رسول صادق اور پیغمبر مامون تھے۔

اب ہم تفصیل کے ساتھ دکھاتے ہیں کہ عقائد عبادات - اخلاق - معاشرت کے متعلق، آنحضرتؐ نے جہاں اصول اور مسائل، وحی کے ذریعہ سے تلقین فرمائے وہ اس قدر کامل اور اعلیٰ درجہ کے ہیں کہ کسی حکیم، اور مقنن کے خیال میں نہیں آئے اور بغیر وحی اکہی کے کسی کے خیال میں آہی نہیں سکتے تھے،

### عقائد

سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی فکر اور اجتہاد سے عقائد قائم کرنے چاہئیں یا دوسروں کی

تقلید اور پیروی سے اسلام سے پہلے جقدر مذاہب تھے سب میں ایمان دین کے سوا  
باقی تمام لوگ تقلید پر مجبور تھے، عیسائیوں میں پوپ، یہودیوں میں احبار، پارسیوں  
میں وسمتور ہندوؤں میں مینوں اور شیون کے سوا کوئی شخص نہ مذہبی عقیدہ کے متعلق  
کچھ کہہ سکتا تھا۔ نہ عقائد کے متعلق اپنی رائے قائم کر سکتا تھا،  
اسلام نے اس قسم کی تقلید کو شرک قرار دیا اور کہا کہ

اَتَّخِذُ وَاٰحْبَارَهُمْ وُرُہَا عُمُودًا بَابًا  
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ رُتُوْبَۃً اٰیۃ (۳۱)  
عیسائیوں اور یہودیوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے احبار  
اور رہبانوں کو خدا بنا لیا ہے،

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اہل کتاب نے بڑے تعجب سے کہا کہ ہم لوگ احبار اور رہبان  
کو خدا کہاں کہتے ہیں!!! آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تمہارا عقیدہ ہے کہ بطریق (پادری) جس چیز کو  
حلال کر دیتا ہے، حلال ہو جاتی ہے اور جس چیز کو حرام کر دیتا ہے حرام ہو جاتی ہے۔  
اسی مضمون کو ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا۔

قُلْ یَا اَهْلَ الْکِتٰبِ لَعَنَ اللّٰہُ اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ  
بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَنْ لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰہَ وَلَا  
تُشْرَکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَاَنْ تَلِیْحَ بَعْضُنَا بَعْضًا  
اَزْ بَابِ اَمْرِ دُوْنِ اللّٰہِ (ال عمران آیت ۲)  
تو کہہ دے کہ اے کتابدار! لو! کو ایک بات پر چڑھا ہے اور تمہارا  
دوؤں کے مان مسلمان ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا اور کسی کو  
نہ چوبین اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے  
ایک ایک کو اپنا رب نہ بنائے، خدا کو چھوڑ کر

اسلام نے اس قسم کی جو آزادی دی اس کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ میں گونا گونا گویا اختلاف  
مرتب تھا، لیکن عقائد میں کوئی شخص کسی کا مقلد نہ تھا، ایک جاہل بدو بھی

عقائد میں تقلید  
کرنا شرک ہے

عقائد میں بڑے سے بڑے صحابی کی تقلید نہیں کرتا تھا، بلکہ اپنی سمجھ اور عقل سے کام لیتا تھا  
اسی کا اثر ہے کہ گوزمانہ مابعد میں جب اسلام کو تنزل ہوا تو تقلید کا رواج شروع ہوا لیکن یہ مسئلہ  
آج تک مسلم رہا کہ لا یجوز التقلید فی العقائد یعنی عقائد میں تقلید جائز نہیں

اسلام کی یہی ہدایت تھی جو ہزار برس کے بعد لو تھر کے خیال میں آئی اور جس کی  
بنا پر اُس نے دنیا کو پوپ کی غلامی سے آزادی دلائی۔ یورپ میں ہر قسم کی مذہبی آزادی  
کی بنیاد درحقیقت گویا اسلام کی اسی ہدایت پر قائم ہوئی اور قائم ہے،

### تفصیلی عقائد

#### ذات و صفات باری

عقائد میں اہم المسائل اور مسائل خدا کے وجود اور اُس کی ذات و صفات کا  
مسئلہ ہے، خوب غور سے دیکھو کہ ایسے بڑے ضروری مسئلہ کے متعلق تمام اہل مذاہب  
بلکہ تمام عالم کس قسم کی عجیب و غریب غلطیوں میں مبتلا تھا، عیسائی تین خدا مانتے تھے اور  
تین کو ایک اور ایک کو تین کہتے تھے، یہ اجتماع انقیضین خود انکی سمجھ میں بھی نہیں آتا  
تھا لیکن وہ کہتے تھے کہ عقیدہ کا سمجھ میں آنا ضرور نہیں، مہتری لکھی کہ در خدا تسلیم کرتے  
تھے، پارسیوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ نیکی و بدی، دونوں کا ایک خدا کیونکر ہو سکتا ہے؟  
اس بنا پر اُنھوں نے نیکی و بدی کے الگ الگ خدا قرار دے رکھے تھے ہندوؤں کے  
ہاں کم سے کم تین خدا تھے برہما۔ لشن۔ ہمیش۔ اور اوتار تو سیکڑوں بلکہ ہزاروں،  
یہود البتہ ایک خدا کے قائل تھے لیکن اُس کے اوصاف ایسے قرار دیے تھے

تفصیلی عقائد

وجود باری کو

متعلق تمام اہل  
مذاہب کی غلطیاں

کہ وہ ایک معمولی آدمی کی حیثیت سے بڑھ کر نہ تھا،  
یہ تو ان کا حال تھا جو خدا کو کسی نہ کسی صورت میں مانتے تھے، اُس گروہ کی بھی کمی  
نہ تھی جو سرے سے خدا کے وجود ہی کے قائل نہ تھے۔ یہ مختلف ناموں سے مرسوم تھے،  
زنونین دہریہ۔ مادیین وغیرہ وغیرہ،

دنیا اس عالمگیر تاریکی میں پڑی ہوئی تھی کہ دفعۃً اسلام نے آکر ان تمام غلط خیالات  
اور معتقدات کا پردہ چاک کر دیا، اُس نے بتایا کہ خدا واحد معض ہے اور زمان و مکان  
جست و اشارہ، تحت و فوق، ہر قسم کے قیود و خصوصیات سے مبرا ہے، یہ وہ تقدیس  
و تنزیہ تھی جس پر یورپ نے بھی حیرت ظاہر کی، اور گہن نے کہا کہ ”جب زمان و مکان و  
جست و اشارہ، تمام خصوصیتوں کو الگ کر لیا جائے تو خیال کے لیے کیا باقی رہ جاتا ہو؟“  
بے شبہ اسلام کو ایسی ہی وسیع انخیالی کی بنیاد قائم کرنی تھی جو جہانی خصوصیات سے  
بالکل معرا ہو،

اسی تقدیس کی بنا پر اسلام نے ہر قسم کی بت پرستی کا استیصال کر دیا کیونکہ اسلام  
نے خدا کی نسبت جو پاک اور منزہ خیال قائم کیا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ خدا کا تصور، جہانی  
پیکر اور صورت کے بغیر، دون میں نہ آسکے۔ ہندو۔ مصری۔ صابی۔ رومن کیتھک سب  
خدا کے تصور کے لیے جہانی مثل کے محتاج تھے اور اسی وجہ سے بت پرستی میں مبتلا  
تھے لیکن اسلام میں باوجود سیکڑوں ہزاروں فرقوں کے پیدا ہو جانے کے بھی کسی  
فرقہ کو آج تک بت پرستی کا کبھی خیال نہ آسکا، آج دنیا میں ہندو عیسائی۔ پارسی وغیرہ وغیرہ

توحید خالصہ  
ہر قسم کی بت پرستی  
کا استیصال

جس قدر دشمنی اور بلند خیال ہوتے جاتے ہیں، توحید خالص کے قریب آتے جاتے ہیں، علم و فن اور خیالات کی وسعت جب قدر بڑھتی جاتی ہے، خدا کی نسبت جسمانی قیود کا خیال مٹتا جاتا ہے،

خدا کے تسلیم اور اعتراف کے بعد ایک بڑا مرحلہ یہ تھا کہ بندہ کو خدا سے براہ راست کیونکر تعلق ہو سکتا ہے؟ اس ضرورت سے تمام فرقوں نے درمیانی واسطے قائم کیے تھے اور اتاروں، دیوتاؤں، پیروں، کاسہارا ڈھونڈتے تھے، اسلام نے بتایا کہ خدا اور بندہ کے درمیان کوئی واسطہ درمیانی نہیں، ہر شخص براہ راست خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اپنی ہر قسم کی حاجتیں اور مرادیں پیش کر سکتا ہے، خدا کا دربار سبھی سفارش، توسل اور شفاعت سے مبرا ہے، وہ ہر شخص کے پاس ہے، ہر شخص کی آواز سنتا ہے، ہر شخص اس تک پہنچ سکتا ہے،

درمیانی واسطوں کو مٹاتا۔

لَحْنٌ أَقْدَبُ لِكَيْ يَمُنَ جَلِي الْوَرِيدِ | ہم انسان کی رگ گردن سے بھی زیادہ مہم کے قریب ہیں

نبوت | توحید کے بعد نبوت کا درجہ ہے، اس کے متعلق تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلطی نبوت

پھیلی ہوئی تھی، ہر فرقہ اور ہر گروہ یہ سمجھتا تھا کہ انبیاء انسان کے درجہ سے بالاتر ہوتے ہیں، یہی خیال تھا، جس نے رام، کرشن، زردشت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عین خدا یا کم از کم منظر خدا بنا دیا تھا، اسلام نے نہایت زور شور سے نہایت آزادی نہایت لیری اور سختی سے صاف بتا دیا کہ انبیاء بشریت کے دائرہ سے ایک ذرہ باہر نہیں ہیں۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ مَّ يُوحَىٰ إِلَيَّ | ابو محمد اکبر کو کہیں جیسا آدمی ہوں مجھ کو جی کی ہر



أَتَمَّ إِلَهُكُمْ إِلَهًا وَاحِدًا -

لَنْ نَسْئَلَكُمَا لِمَ سُبِّحَ أَنْ تَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ  
قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ  
اللَّهِ وَلَا أَهْلُ الْغَيْبِ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ  
إِنِّي مَلَكٌ مِنْ أَنْبِيَائِهِ لَا مَأْيُوسٌ إِيَّائِي  
قُلْ لَوْ كُنْتُ أَهْلَ الْغَيْبِ لَا سَأَلْتُكُمْ  
مِنْ الْخَبَرِ

کہ تمہارا خدا واحد ہے۔

عیسیٰ کو اس بات کو عارض نہیں کہ وہ خدا کے غلام ہیں  
اور محمد! کہہ دو کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے  
خزانے ہیں نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں جانتا  
ہوں نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں نہ میں  
وحی کا پیرو ہوں جو بھیجی آتی ہے،  
اور محمد! کہہ دو کہ اگر میں غیب کی بات جانتا تو بہت کچھ بتا دیتا

دنیا میں جتنے مذہب گزرے ہیں سب نے خدائی اور نبوت کے ڈانڈے  
لگا دیئے تھے یا کم سے کم قریب کر دیئے تھے، صرف اسلام کو یہ عزت حاصل ہے کہ اسے  
دونوں کی حدیں بالکل جدا کر دیں،

خوب غور کرو۔ ہم مسلمان، آنحضرتؐ کو تمام انبیاء سے بزرگ اور افضل مانتے ہیں  
باد جود اسکے حضرت ابراہیمؑ کو خلیل اللہ، حضرت موسیٰؑ کو کلیم اللہ، حضرت عیسیٰؑ کو روح اللہ  
کہتے ہیں اور آنحضرتؐ کو صرف رسول اللہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں، صرف اسبقدر  
نہیں بلکہ ناز و نین میں جب شہادتین ادا کرتے ہیں تو رسالت کے اقرار سے پہلے عبد کا لفظ  
کہتے ہیں اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُهُ یعنی ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد خدا کے بند ہیں  
اور پھر رسول ہیں؟ یہ کیوں؟ اس لیے کہ خدا کی توحید کا کمال یہی ہے کہ اسکے آگے کوئی  
شخص گودہ کسی درجہ کا ہو، بندگی کے درجہ سے بڑھنے نہ پائے، چونکہ آنحضرتؐ کو

خالص توحید و لون میں جانیں کرتی تھی، اس لیے ضرور تھا کہ خود آنحضرت کے لیے صرف عبثیت اور رسالت کا سادہ لقب اختیار کیا جائے؛

معا و اور عذابِ ثواب، سزا و جزا کے متعلق تمام اہل مذاہب کا یہ خیال تھا اور آج بھی ہر سزا و جزا کہ انسان جب خدا کے احکام کی تعمیل نہیں کرتا تو خدا اُس سے ناراض ہوتا ہے اور چونکہ دنیا دار اہل ہے اس لیے یہاں تو انسان کو سزا نہیں ملتی، لیکن جب قیامت میں خدا، مسد حکومت پر شکن ہوگا، تو تمام معاملات اُس کے حضور میں پیش ہونگے اور خدا حسبِ اہمیت و لوگوں کی نافرمانیوں کی سزا دیگا، اسی طرح جن لوگوں نے اطاعت اور فرمانبرداری کی ہر انگوٹھی اور انعامات ملینگے یہ خیال عام طبائع کے بالکل مناسب ہے اور عام لوگوں کو نیکی کی طرف مائل کرنے اور بُرائی سے روکنے کے لیے اس سے بہتر کوئی طرز نہیں ہو سکتا،

لیکن یہ عذاب و ثواب کی اصلی حقیقت نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت کے عام فہم کرنے کا ایک پیرایہ ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عالمِ حیاتیات میں اسباب و علل اثر اور اثر کا سلسلہ ہے مثلاً سنگ یا قاتل ہے، گلاب محرک نزلہ ہے، المٹاس سہل ہے، اسی طرح ہی سلسلہ روحانیات میں بھی قائم ہے، نیک و بد حسبِ قدر افعال ہیں انکا نیک یا بد اثر روح پر ترتیب ہوتا ہے، اچھے کاموں سے روح کو انبساط ہوتا ہے، بُرے افعال سے انقباض، آلودگی اور نجاست کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہ وہ نتائج ہیں جو اس سے جدا نہیں ہو سکتے فرض کر دیا کہ شخص نے کسی کی کوئی چیز چرائی، اب اگر وہ شخص جس کی وہ چیز تھی معاف بھی کرے تو چوری کرنے سے اُس شخص کی عزت پر جو داغ آگیا وہ کسی حالت میں زائل نہیں ہو سکتا، فرض اچھے افعال سے

روح میں جو سعادت کا اثر پیدا ہوتا ہے اور بُرے کاموں سے جو نقادت حاصل ہوتی ہے  
اسی کا نام عذاب و ثواب ہے اور یہ خود ان افعال کا لازمی اثر ہے۔ امام غزالی مضمون  
علی غیر الہ میں لکھتے ہیں،

أَمَّا الْعِقَابُ عَلَى تَرْكِ الْأَمْرِ وَارْتِكَابِ الْبَغْيِ فَلَيْسَ  
الْعِقَابُ مِنَ اللَّهِ عَذَابًا وَإِنَّمَا وَثَقَالٌ ذَلِكِ  
أَنَّ مَنْ عَادَ زَلَّكَ قَاعَ عَاقِبَةٍ اللَّهُ بَعْدَهُمْ  
أَتَوَلَّاهُ فَلَا رَيْبَ لِنِسْبَةِ الطَّاعَاتِ وَالْمَعَاصِي إِلَى اللَّهِ  
الْآخِرَةِ وَلَكِنَّهَا مِنْ غَيْرِ فَرَّقِي فَالسُّؤَالُ عَنْ أَنَّهُ  
لَمْ تَقْضِ الْمُعْصِيَةُ إِلَى الْعِقَابِ كَالسُّؤَالِ فِي أَنَّهُ لَمْ  
يَهْلِكْ لِحُجْوَاك عَنْ السَّعَةِ

امراور نبی کی خلاف ورزی پر جو عذاب ہوگا اگر معنی  
نہیں کہ خدا کو غصہ آئیگا اور وہ انتقام لےگا بلکہ اسکی مثال  
یہ ہے کہ جو شخص عورت کے پاس جائیگا اسکے اولاد نہ ہوگی  
طاعت و معصیت کی وجہ قیامت میں جو ثواب عذاب ہوگا  
اسکی اصل ہی مثال یہ ہے کہ سوال کرنا کہ گناہ سے عذاب  
کیون ہوتا ہے گویا یہ سوال کرنا ہے کہ نہ ہر کھانے  
سے جاندار کیون مر جاتا ہے،

امام صاحب نے اسی کتاب میں یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ خدا نے جن باتوں کا حکم دیا ہے  
یا جن باتوں سے روکا ہے اسکی مثال یہ ہے کہ اگر ایک طبیب کسی بیمار کو دوا کھانے، اور مضر چیزوں سے  
پرہیز کرنا حکم دیتا ہے، مریض اگر طبیب کے حکم کے موافق عمل نہیں کرتا تو اسکو مضر ہوتا ہے یہ مضر صرف  
اسوجہ سے ہوتا ہے کہ مریض نے بد پرہیزی کی لیکن عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ مریض نے چونکہ حکیم کی نافرمانی کی  
اسلئے مضر ہوا لاکہ ضرر کی اصلی علت بد پرہیزی ہی، فرض کرو کہ طبیب بد پرہیزی سے منع نہ بھی کرتا  
تاہم بد پرہیزی کرنے سے مضر ہوتا۔ اسی طرح خدا گناہوں کے ارتکاب سے منع نہ بھی کرتا  
لے امام صاحب کی اصل عبارت جہنم الغزالی میں نقل کی ہے،

تاہم ان گناہوں کے ارتکاب سے روح کو وہی صدمہ اور عذاب ہوتا،  
 ملاحظہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ خدا کو گناہ پر عذاب دینے سے کیا حاصل؟ سزا یا انتقام  
 وہ شخص لیتا ہے جس کو کسی قسم کا نقصان پہنچا ہو یا پہنچنے کا اندیشہ ہو اور خدا اس سے  
 بری ہے، اگر تمام عالم فسق و فجور میں پڑ جائے یا ناز روزہ نہ بجالائے تو اس سے خدا کا  
 کیا بگڑتا ہے، اس صورت میں انتقام لینا بے فائدہ ہے،

ملاحظہ یہ بھی کہتے ہیں کہ درحقیقت تمام اہل مذاہب نے خدا کا تصور بالکل انسانی  
 حیثیت سے کیا ہے، اور چونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ دنیا کے بادشاہوں کو احکام کی نافرمانی  
 سے سخت طیش اور ملال ہوتا ہے اور وہ مجرم کو نہایت سخت سزائیں دیتے ہیں، اس لیے  
 اہل مذاہب نے خدا کی نسبت بھی یہی خیال قائم کیا کہ وہ گناہوں سے ناراض ہوتا ہے، اور  
 قیامت میں گناہگاروں کو دوزخ میں عذاب گوناگون دیگا، لیکن عذاب و ثواب کی جو  
 حقیقت ہم نے بیان کی، اسکو اگر ملحوظ رکھا جائے تو ملاحظہ کا اعتراض خود بخود اٹھ جاتا ہے،

اسلام نے عذاب و ثواب کے متعلق، عام طور پر اگرچہ بیان کا وہی پیرایہ اختیار کیا جو  
 تمام اہل مذاہب کا تھا اور عام طبائع کے لیے وہی طریقہ ناگزیر بھی تھا، لیکن اس باب میں  
 اسلام کو جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے اصل حقیقت بھی صراحتاً اور کثرتاً ظاہر کی  
 اور یہی وہ خصوصیت ہے جو ہر موقع پر اسلام کو تمام اور مذاہب سے ممتاز کرتی ہے تمام  
 دیگر مذاہب میں مرتد عوام کی تلقین و ہدایت کا لحاظ ہے، اصل حقیقت سے یا خود،  
 یا نیاں مذاہب بے خبر تھے، یا اگر باخبر تھے تو وہ خواص کی تعلیم و تربیت کو اپنا مقصد

نہیں قرار دیتے تھے، بخلاف اس کے اسلام تمام دنیا کی ہدایت کے لیے آیا جس میں، عالم و جاہل، احمق و دانا، عارف و عامی، زاہد و صوفی، ظاہر پرست اور حکیم، سب داخل تھے، عذاب و ثواب اور معاد کی اصل حقیقت کی طرف قرآن مجید میں جا بجا اشارے بلکہ تصریحات پائی جاتی ہیں،

كَلَّا لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَنُزِّلْنَ بِالْحَقِّ  
| اِنْ اَنْتُمْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ لَنُزِّلْنَ بِالْحَقِّ  
امام غزالی جو اہل القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں  
اِنَّ اِنَّ الْحَقَّ فِيْ بَاطِنِكُمْ  
یعنی دوزخ خود تمہارے اندر موجود ہے،

ایک اور مقام پر ہے،  
وَيَسْجُدُونَ لِلْعَذَابِ وَاِنَّ  
| كَفَّارًا مِّنْهُمْ لَنُزِّلْنَ بِالْحَقِّ  
کفار مجھ سے کہتے ہیں کہ عذاب جلد آجائے، حالانکہ دوزخ  
نے کافروں کو ہر طرف سے گھیر لیا ہے،

امام غزالی اس آیت کے متعلق، جو اہل القرآن میں لکھتے ہیں،  
وَلَمْ يَقُلْ اِنَّهَا سَيُحِيطُ بَن قَالِيْ حُطَّةٍ  
| خدا نے یہ نہیں کہا کہ دوزخ آئندہ محیط ہو جائے گی بلکہ یہ کہ ابھی محیط ہے  
ایک اور جگہ قرآن مجید میں ہے،

اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهٖمْ  
| ہمارے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کے  
سیراد قہما،  
پر دونوں نے ظالموں کو گھیر لیا ہے،

امام غزالی اس کے متعلق لکھتے ہیں،  
وَلَمْ يَقُلْ اِنَّهَا سَيُحِيطُ بِهٖمْ  
| خدا نے نہیں کہا کہ آئندہ گھیر لے گی بلکہ یہ کہا کہ ابھی گھیر لیا ہی

امام صاحب ان آیتوں کی تفسیر لکھ کر لکھتے ہیں،

فَإِنْ لَّمْ تَفْقَهُوا لَمَعَانِ لَكِنَّ الْكَلِمَ فَلَيْسَ لَك : تو اگر تم مطالب کو اس طرح نہیں سمجھتے تو تم کو قرآن سے  
لَصِيبٌ مِّنَ الْغُلَّاقِ الْآلِ فِي قُتُورِهِ مَكَالَيْس : صرف اس کا چھلکا ہاتھ آیا ہر جس طرح ہا تم کو گیون میں  
لِلْبَيْمَةِ لَصِيبٌ مِّنَ الْكِبَرِ الْآلِ فِي قُتُورِهِ : سے صرف بیونس ہاتھ آتی ہے

اس مسئلہ کے متعلق بھی تمام مذاہب کو ہمیشہ غلطیان واقع ہوتی آئیں، تمام مذاہب نے عبادت  
اس مسئلہ کے متعلق نہ صرف ایک بلکہ متعدد، اور نہ صرف ایک طرح کی بلکہ مختلف قسم کی غلطیان کیں  
سب سے بڑی غلطی ہے کہ عموماً لوگ سمجھتے آتے ہیں کہ عبادت خود ایک مقصود  
بالذات چیز ہے اور اس کا مقصد صرف خدا کی اطاعت کا اظہار ہے اس کی مثال یہ ہے کہ  
مثلاً ایک بادشاہ نے اپنے کسی نوکر کی وفا شعاری اور اطاعت کا امتحان لینا چاہا اور  
اس بنا پر حکم دیا کہ وہ تمام شب ایک پاؤں کھڑا رہے۔ اس سے نہ بادشاہ کا کوئی نفع ہے،  
نہ نوکر کا کوئی فائدہ، بلکہ صرف نوکر کی اطاعت کا امتحان ہے۔ اسی طرح ہم جو نمازین پڑھتے  
ہیں، روزے رکھتے ہیں حج کرتے ہیں، تو اس سے فقط امتثال امر مقصود ہے، خدا نے  
حکم دیا۔ ہم بجالائے، جہد رہم تکلیفیں اٹھاتے ہیں اسی قدر خدا خوش ہوتا ہے۔ مینوں کھانا  
چھوڑ دینا۔ ایک پاؤں پر رات رات بھر کھڑا رہنا۔ ہاتھ کو ہوا میں معلق رکھ کر خشک کر دینا،  
جاڑوں میں برہنہ آسمان کے نیچے سونا۔ چالیس چالیس دن کا چلہ کھینچنا۔ شادی نہ کرنا،  
تمام عمر جگہ پن اور رہبانیت میں بسر کرنا۔ اس قسم کی جو باتیں ہندوؤں، عیسائیوں، اور  
دیگر مذاہب میں پائی جاتی ہیں اس کی بنیاد اسی خیال پر ہے،

مسئلہ عبادت کے  
متعلق تمام دیگر  
مذاہب کی غلطیان

اس خیال نے یہاں تک ترقی کی کہ جان کی قربانی تک لزبت آئی بہت سے لوگ  
خود اپنے آپ کو بل چڑھا دیتے تھے، ان سے گھٹ کر اولاد کی قربانی کرتے تھے،

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے دل میں جو خیال یا خیالات آسکتے ہیں وہ صرت وہی  
ہوتے ہیں جو گرد و پیش کی چیزوں سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ انسان کسی ایسی چیز کا خیال  
نہیں کر سکتا جو اسکے حواس سے بالاتر ہو، اسنے جو کچھ دیکھا یا سنا ہے، اُسی کو بڑھا کر گھٹا کر  
بگاڑ کر، یا ترقی دے کر، ظاہر کرتا ہے، لیکن کوئی خیال خود پیدا نہیں کر سکتا،

انسان کے دل میں جب خدا کا خیال ایک شاہنشاہ مطلق کی حیثیت سے آیا،  
تو ضرور تھا کہ اسکے صفات بھی اُسی شاہنشاہی رتبہ کی حیثیت سے ذہن میں آئیں انسان  
نے شاہوں اور شاہنشاہوں کے متعلق جو کچھ دیکھا یا سنا تھا یہی تھا کہ وہ انہما را طاعت سو  
خوش ہوتے ہیں جان نثاری، ادب عاجزی، خشوع اور تعظیم کو پسند کرتے ہیں، اور  
جو شخص جس قدر زیادہ ان خدمات کو بجالاتا ہے وہ انعام سلطانی کا اسی قدر زیادہ مستحق ہوتا ہے  
انہی خیالات کے لحاظ سے انسان کو خدا کی عبادت کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ ہر مذہب  
میں عبادت کے جس قدر اقسام ہیں سب میں انہی اصول کا عنصر پایا جاتا ہے یہی بات  
ہے جس کی بنا پر یورپ کے ملاحہ کہتے ہیں کہ مذہبی خیالات، خود انسان نے  
اپنے حالات کے اقتضا سے پیدا کر لیے ہیں، یورپ میں حکماء نے جب  
فطری مذہب کے اصول و فروع منضبط کیے تو عبادت کی حقیقت پر غور کی چنانچہ  
انہوں نے اسکے لیے یہ اصول قرار دیے،

(۱) انسان کے جقدر فرض زندگی ہیں، مثلاً کتب معاش، پرورش اولاد، محبت وطن، وغیرہ وغیرہ ان سب کو عبادات میں شمار کیا جائے

(۲) عبادات جسمانی مثلاً نماز روزہ وغیرہ مقصود بالذات نہ قرار دی جائیں بلکہ غرض یہ ہو کہ آپر کوئی اخلاقی نتیجہ مترتب ہو،

(۳) اعتدال کی حد سے متجاوز نہ ہوں،

(۴) یہ قرار دیا جائے کہ خدا کو عبادت سے کچھ غرض نہیں عبادت سے خود ہمارا فائدہ ہے یہ وہ اصول ہیں جو اس زمانہ ترقی میں یورپ نے دریافت کیے جب کہ فطرت کے راز ہائے سریتہ کا ظلم کھل گیا ہے لیکن قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے یہ اسرار بتائے تھے، رب سے پہلے یہ بتایا کہ خدا کو بندوں کی عبادت کی کچھ پروا نہیں،

وَمَنْ جَاهِلًا فَإِنَّمَا أَجْمِلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ	جو شخص محنت اٹھاتا ہے تو اپنے لیے اٹھاتا ہو خدا
إِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ عَنِ الْعَالَمِينَ	تمام عالم سے بے نیاز ہے

پھر کئی طور سے بتایا کہ عبادات سے خود انسان کو فائدہ پہونچتا ہے، اور خدا نے جو عبادت کا حکم دیا ہے خود انسان کے فوائد کے لحاظ سے دیا ہے،

وَمَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا	جو شخص اچھا عمل کرتا ہو اپنے لیے کرتا ہو اور جو بُرا کرنا ہو تو اپنے لیے
مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ	خدا نہیں چاہتا کہ دین میں تمہارے اوپر کچھ دقت پیدا
وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ	کے بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کرے

۱۵ پر دوسرے ردل بیان (تطبیق صفحہ ۳)



پھر عبادت میں سے ایک ایک عبادت کے الگ الگ نتائج اور فائدے بیان کیے،  
نماز کی نسبت کہا۔

إِنَّ الصَّلَاةَ تَهْجِي عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ | نماز فحش اور منکرات سے روکتی ہے۔

روزہ کی نسبت فرمایا

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ | غائبانہم پر ہیرگار ہو جاؤ گے،

حج کی نسبت فرمایا

لِيَتَذَكَّرُوا وَمَنَافِعُ لَهُمْ (حج) | تاکہ اپنے فائدہ کی جگہ آئیں،

زکوٰۃ کے فوائد متعلق بیان نہیں

ان باتوں کے ساتھ تمام عبادات میں اس بات کو ملحوظ رکھا کہ اعتدال سے تجاوز نہ  
کرنے پائین اور اُنکے ادائین کسی قسم کی دقت اور دشواری نہ پیش آئے،

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ | خدا تم سے آسانی چاہتا ہے نہ دشواری  
مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمُ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ | خدا نہیں چاہتا کہ مذہب میں تم پر کسی قسم کی دشواری  
يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ | خدا چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا کرے۔

لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا شَيْئًا مِنْهُ | خدا کسی کو مسکنی ملک سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا

ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ انسان کی تمام ضروریات زندگی کو عبادت قرار دیا دے تاکہ وہ اپنی زندگی

تجارت کے متعلق فرمایا

فَاتَّقُوا اللَّهَ فَإِنَّهُ يَجْعَلْ لَكُمْ رِزْقًا وَسِعًا | دنیا میں پھیل جاؤ اور خدا کے عطیہ رزق کو بڑھائو

اولاد کی خواہش کو صلحا و مقربین کے خصائص میں شمار کیا قرآن مجید میں جہاں خواص امت کے اوصاف گنائے ایک وصف یہ بیان کیا،

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ  
أَزْوَاجِنَا ذُرِّيَّتًا قُرَّةَ أَعْيُنٍ | اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اے خدا ہماری بیویوں کے  
اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی کر

اسی بنا پر تمام صحابہ جو اسلام کی اصلی تصویر تھے، زندگی کی ضروریات کو سچائی اور دیانت داری سے انجام دینا عبادت سمجھتے تھے، آج بھی مسلمانوں کا خیال ہے کہ صحابہؓ کا چلنا پھرنا، کھانا پینا، نکاح کرنا، فائدہ داری کے کاموں کو انجام دینا، سب عبادت تھیں، صحابہؓ کی تخصیص نہیں، ہر شخص کے یہ افعال عبادت ہیں، بشرطیکہ اسی طرح کیے جائیں جس طرح صحابہؓ کرتے تھے،

**حقوق انسانی**۔ انسان کو مختلف طبقات انسان سے جو تعلقات ہیں وہ انسان پر حقوق انسانی مختلف حقوق پیدا کرتے ہیں، اور یہی حقوق، علم الاخلاق اور قانون، بلکہ اصول تمدن کی بنیاد ہیں، دنیا میں جب قدر مذاہب ہیں سب نے کم و بیش ان حقوق سے اُس حد تک بحث کی ہے جہاں تک وہ اخلاق کے دائرہ میں آسکتے ہیں۔ بعض مذاہب نے زیادہ وسعت حاصل کی اور نکاح و وراثت و وصیت وغیرہ کو بھی اپنے دائرہ میں داخل کر لیا ہے، لیکن یہ تعلقات ایسے مشتبہ نازک اور دقیق ہیں کہ اُن کے متعین کرنے میں اور پھر اُن سے جو حقوق پیدا ہوتے ہیں اُن کے قرار دینے میں اکثر غلطیاں واقع ہوتی ہیں ان تمام مسائل میں اسلامی شریعت میں جو نکتہ سنجی پائی جاتی ہے، اسکی نظیر بائیان مذہب

اور حکم کسی کے ہاں نہیں مل سکتی، اور یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ شارع اسلام نے جو کچھ کہا وہ الہام اور وحی تھا ورنہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ جن نکتوں تک بڑے بڑے حکما کی بھی رسائی نہ ہو سکی، وہ ریگستانِ عرب کے ایک اُسی کی زبان سے ظاہر ہوتے۔

حقوق انسانی کا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ انسان کو خود اپنے آپ پر کیا حق حاصل ہے؟ جان تک تاریخ سے معلوم ہوتا ہے تمام دنیا میں یہ مسئلہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ ہر شخص اپنے نفس کا آپ مالک ہے، اسی بنا پر خود کشی کرنا کوئی جرم نہیں خیال کیا جاتا تھا، یونان کے بڑے بڑے حکما خود کشی کو جائز سمجھتے تھے یہاں تک کہ وہاں کے بعض نامور حکما نے اپنے تئیں آپ ہلاک کر لیا تھا،

سب سے پہلے قرآن مجید نے اس نکتہ کو ظاہر کیا اور اس بنا پر خود کشی کی ممانعت کی

وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ

اپنے آپ کو قتل نہ کرو

اس مسئلہ نے اولاد کے حقوق پر بڑا اثر کیا تھا، انسان، اولاد کو درحقیقت اپنا ہی ایک ذوالسر وجود خیال کرتا ہے، اسی بنا پر اولاد کو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہے اور چونکہ انسان اپنے نفس کا آپ مالک ہے اس لیے جس قسم کا اختیار اس کو اپنی ذات پر ہر اولاد کی نسبت بھی خیال کرتا ہے۔ اسی بنا پر مختلف شکلوں میں قتل اولاد کی بنیاد قائم ہو گئی تھی ہندوستان اور کارتھیج میں عین تہذیب و تمدن کے زمانہ میں بھی اولاد کو بتوں اور دیویوں پر نذر چڑھاتے تھے، ہندوستان اور خود عرب میں نہایت کثرت سے دختر کشی جاری تھی، اسپارٹا اور رومن میں بد صورت اولاد کو راستہ پر پھینک دیتے تھے، ارسطو اور افلاطون جیسے نامور حکیم

خود کشی کا مسئلہ

اسلام نے خود کشی کو مٹا دیا

تمام دنیا میں قتل اولاد کی صورت میں رائج اور جائز تھا

اس بات کو جائز رکھتے تھے، کہ ضعیف اولاد ضائع کر دی جائے، اس سوط کی رائے تھی کہ لنگڑے لڑکے پرورش کے قابل نہیں، اسپارٹان میں جب لڑکا پیدا ہوتا تھا، تو بزرگان قوم کے سامنے پیش کیا جاتا تھا، اگر وہ تندرست اور قوی ہوتا تھا تو زندہ رکھا جاتا تھا ورنہ ٹھیکس پہاڑ سے اُس کو گرا دیتے تھے۔ اور بہت سی قوموں میں اس قسم کا رواج پایا جاتا تھا، سب سے پہلے قرآن مجید نے اس جو رذیلہ کو مٹایا۔

اسلام نے قتل  
اولاد کو مٹایا

اپنی اولاد کو قتل نہ کرو،

اور اسی طرح اُن کے شریکوں نے اولاد کے قتل کرنے

کو اُن کی نظر میں اچھا دکھلایا۔

لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ

وَكَذَلِكَ زَيْنٌ لِّلْكَافِرِينَ الْمَشْرِكِينَ

قَتْلَ آوَادِهِمْ سُوءٌ كَاذِبٌ

عورتوں کے حقوق، عورت جو، نوع انسانی کا نصف حصہ ہے، اُس کے حقوق کی نسبت دنیا کے مختلف حصوں میں سیکڑوں ہزاروں قانون بنے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اُس وقت تک اس فرق نے اپنی حقوق کی داد نہ پائی جب تک اسلام کو دنیا پر سایہ نکل نہ ہوا، دنیا کے مختلف مالک کو فطرت نے خاص خاص خصوصیتوں میں متماز پیدا کیا تھا، ان میں سے رومن کو قانون سے خاص مناسبت تھی جس طرح یونان کا فلسفہ۔ اٹلی کی معنوی ایران کی نفاست پسندی، شہرت عام رکھتی تھی، اسی طرح رومن کا قانون، تمام دنیا میں اعلیٰ اور افضل تسلیم کیا جاتا تھا، رومن کے قانون آج بھی تمام یورپ کے قوانین کا سنگ بنیاد ہیں، اس اعلیٰ ترین قانون میں عورتوں کے جو حقوق تھے وہ یہ تھے عورت شادی کے بعد شوہر کی زیر خرید جا ملاد ہو جاتی تھی، اسکا تمام مال متعلق خود شوہر کی

عورتوں کے  
حقوق

ملک ہو جاتا تھا۔ وہ جو کچھ زرد مال پیدا کرتی تھی سب شوہر کا ملک ہو جاتا تھا، وہ کوئی عہدہ  
نہیں پاسکتی تھی، وہ کسی کی ضمانت نہیں پاسکتی تھی، اور اسے شہادت کے قابل نہ تھی  
وہ کسی سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتی تھی یہاں تک کہ مرنے کے وقت کوئی وصیت بھی نہیں کر سکتی تھی  
رومن سلطنت نے جب عیسائی مذہب قبول کیا تو کچھ کچھ اصلاحیں ہوئیں لیکن وہ  
اصلاحیں محض وقتی تھیں یعنی چند روز کے بعد پھر وہی پرانے اصول قائم ہو جاتے تھے۔  
مثلاً عین ایک بہت بڑا جلسہ یورپ میں اس مسئلہ کے طے کرنے کے لیے منعقد ہوا کہ  
عورت کی روح ہے یا نہیں۔ جلسہ نے بڑی فیاضی سے کام لیکر اس قدر تسلیم کیا کہ عورت  
نوع آدم میں داخل ہے اور ایسے ہی روح بھی ہے لیکن اس کے پیدا کرنے کی غرض  
صرف یہ ہے کہ مرد کی خدمت کرے۔

رومن

انگلستان میں ایک مدت تک اسی قسم کے قوانین جاری رہے یعنی نکاح کے  
بعد عورت کا وجود شوہر کا وجود ہوتا تھا، وہ خود کسی قسم کا معاہدہ نہیں کر سکتی تھی، اس کی  
تمام جائیداد شوہر کی ملک ہو جاتی تھی اور وہ اس کو جس طرح چاہتا سرٹ کر سکتا تھا! تیس  
برس سے کم ہوئے کہ دو من ایکٹ بنا جس سے ان قوانین میں اصلاح ہوئی تاہم بہت سی  
سبب اعتدالیان اب تک قائم ہیں

یہودیوں کے ہاں نکاح درحقیقت عورت کا خرید لینا تھا اور اس کی قیمت عورت  
کے باپ کو ملتی تھی،

۱۔ برٹانیکا انسائیکلو پیڈیا لفظ رومن (عورت)

ہندوؤں کے ہاں بعینہ رومن لاکے سقواعد تھے، یعنی اس کی جائداد، شوہر کو مل جاتی تھی وہ کسی قسم کی خود مختارانہ معاملہ و معاہدہ کی مجاز نہ تھی، بیوی لڑکی، مان وغیرہ کو میراث کا کوئی حصہ (بجز حق پرورش کے) نہیں ملتا تھا،

عرب جو اسلام کا سرچشمہ ہے وہاں یہ حالت تھی کہ عورت کو وراثت کا مطلقا کوئی حصہ نہیں پہنچتا تھا۔ باپ مرتا تھا تو اس کی بیوی ان بیٹے کو وراثت میں ملتی تھیں اور وہ انکو اپنی بیویاں بنا لیتا تھا، نکاح کے چار طریقے تھے، جن میں سے تین طریقے حسب ذیل تھے، وہ شخص اپنی بیویوں کو مدت معین کے لیے آپس میں بدل لیتے تھے، چند آدمی ایک عورت کے ساتھ مباشرت کرتے تھے اور دوسرے تیسرے دن وہ عورت ان میں سے کسی کے پاس کھلتی تھی کہ تم سے بکھول رہ گیا ہے۔ پھر وہ اس کی اولاد قرار پاتی تھی۔ چند آدمی ایک عورت کے ساتھ ہم صحبت ہوتے تھے، اور جب لڑکا پیدا ہوتا تھا تو قیافہ زناس یہ فیصلہ کرتا تھا کہ فلاں شخص کا نطفہ ہے چنانچہ وہ اسکی اولاد قرار پاتا تھا، چنانچہ نکاح کی یہ تینوں صورتیں صحیح بخاری میں حضرت عائشہ کی روایت کے مذکور ہیں، اب دیکھو قرآن مجید نے عورتوں کے حق میں کیا کیا؟ لیکن اس کے بتانے کے

اسلام نے  
عورتوں کو  
کیا حقوق دیے

قبل اس امر کا ذکر کرنا ضرور ہے، کہ یورپ کے اکثر مصنفین کا دعویٰ ہے کہ اسلام میں جہدہ حکام اور سائل ہیں وہ سب دوسرے مذاہب کی نقل ہیں، شارع اسلام نے اپنی طرف سے خود کوئی نیا مسئلہ اضافہ نہیں کیا، عورتوں کے متعلق عیسائیوں۔ یہودیوں۔ ہندوؤں کے ہاں جو قواعد تھے وہ تم پر چھ چکے اب خیال کرو کہ اسلام نے ان کی نقل کی ہے یا خود ایسے

فلسفہ اصول اور مسائل قائم کیے جن کی طرف کبھی کسی کا خیال بھی نہیں پہنچا تھا،  
سب سے پہلے قرآن مجید نے یہ بتایا کہ عورت و مرد میں کس قسم کا فطری تعلق ہے اور  
یہ کہ عورت، انسانی معاشرت کی جزدِ عظم، اور مرد کی راحت و تسلی ہے،

وَحَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ ذَوَّاجًا لِيَسْكُنَ فِيهَا  
الْبَشَرُ وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (روم)

اور تمہارے لیے خود تمہاری ہی جنس سے جوئے پیدا کیا تاکہ تم  
اسکے پاس آرام پاؤ اور تم دونوں میں محبت اور پیار پیدا کیا  
پھر مختلف پیرایوں میں یہ ظاہر کیا کہ مرد، عورت، برابر درجہ کے دو رفیق ہیں، دونوں ایک  
دوسرے کے محتاج الیہ ہیں، دونوں کے تعلقات - دونوں کی حیثیت، دونوں کے  
حقوق برابر درجہ کے ہیں،

هُنَّ بَنَاتُكُمْ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَنَاتِكُمْ رِجَالٌ  
لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْكُمْ بِالْمَعْرُوفِ

عورتیں تمہارا لباس میں ہیں اور تم انکا،  
عورتوں پر وہ دیکھو حقوق میں اُنسی قسم کی حقوق مردوں پر ہیں  
قربت کے تعلقات کے جو مدارج ہیں، ان میں مرد عورت، ایک درجہ پر ہیں مثلاً  
ماتن - باپ کا ایک درجہ ہے، بہن بھائی کی ایک حیثیت ہے چچا اور بھتیجی کا یکساں  
مرتبہ ہے، قرآن مجید میں باپ، ماتن کا جہان ذکر ہے برابر درجہ کی حیثیت سے ہے،

وَالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَآمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ  
الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آيٌ وَلَا  
تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَخِفْضَ لِهُمَا  
مِجَاهَ الدَّلَالِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْنِي

اور ان باپ بچے کی کرنا۔ اور جو کوئی ان دونوں میں سے  
بڑھا ہو جائے تو نہ جھڑکے کہ اگر نہ ڈانٹتا اور نہ  
ادب کی بات کر۔ اور ان کے آگے پیاسے عاجزی  
کے کندھے جھکا اور کہہ کہ اے خدا ان پر رحمت کر

لَمَّا رَتَّبْنَا فِي صَفِيرًا۔

جس طرح دونوں نے جگر پھین میں پاؤں،

ان کے حقوق کو زور دے کر بیان کیا،

سَلَّمَ أَمُّهُ كَرَاهًا وَصَنَعَتْ كَرَاهًا (حقان)

ان نے اسکو پیٹ میں تکلیف کے ساتھ رکھا اور تکلیف جنا

رومیوں اور ہندوؤں کے اس قانون کے مقابلہ میں کہ عورت، کا مال و متاع سب شوہر کا ہو جاتا ہے۔ قرآن نے یہ کہا،

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔ مرد جو کمائیں وہ اٹکھائے، اور عورتیں جو کمائیں وہ اٹکھائے۔

ہندوؤں میں اور خود عرب جاہلیت میں عورت جو میراث سے بالکل محروم رہتی تھی، اس کے مقابلہ میں یہ کہا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ

باپ، ماں اور رشتہ داروں کی وراثت میں مرد کا حصہ

وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ

اور بیٹھ، باپ، ماں اور رشتہ داروں کی وراثت میں عورت کا حصہ

دختر کشی کے رسم کو ان نفیوں سے مٹایا اور اس طرح مٹایا کہ تیرہ سو برس سے آج تک مسلمانوں میں ایک واقعہ بھی وجود میں نہ آیا۔

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ۔

اور جب کہ مودہ زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو قیامت میں

سوال ہو گا کہ کس جرم پر وہ قتل کی گئی تھی،

جاہلیت میں دستور تھا، کہ جب کوئی شخص مر جاتا تھا تو اس کے بھائی زبردستی اسکی بیوہ سے نکاح کر لیتے تھے، یا اسکو نکاح سے باز رکھتے تھے، اور جب اس سے کچھ رقم وصول کر لیتے تھے تب شادی کی اجازت دیتے تھے ان رسوم کو یہ لکھ مٹایا۔



لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَدْرُجُوا النِّسَاءَ كَرِهًا  
وَأَتَعَصُّوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا يَتَّبِعُوهُنَّ

محکمہ جائز نہیں کہ زبردستی عورت کو دانت میں لیلو اور نہ یہ  
کہ انکو روکے رکھو تاکہ جو کچھ مکول چکا ہو اس میں سے کچھ لیلو۔

مہر جو لڑکی کے باپ کو ملتا تھا اور جس کے عوض وہ گریا لڑکی کو فروخت کر دیتا تھا  
اس کے بجائے یہ کہا۔

وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدَقَاتِهِنَّ فِی خِلْعَةٍ (نسأء)

اور دو عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے

روزانہ معاشرت میں عورتوں کے ساتھ جس لطف، محبت، ایجا نگت، مسادات  
کے ساتھ پیش آنا چاہیے اس کو ان جامع الفاظ میں ادا کیا،

وَعَايَشُوهُنَّ بِأَمْنٍ وَوَفٍ

اور معاشرت کر دو عورتوں سے بہ طرز معقول۔

زن و دشوئی کے تعلقات میں سب سے اہم اور نازک مسئلہ طلاق کا مسئلہ ہے اس بحث کی نازک  
اور مشکل ہونے کا یہ اثر تھا کہ باوجودیکہ دنیا کی تمام قوموں نے اس کے متعلق مختلف پہلو  
اختیار کیے لیکن سب کے سب غلط تھے اور آج بھی جب کہ دنیا اس قدر ترقی کر گئی ہے،  
یہ غلطیاں قائم ہیں، عیسائیوں میں اس قدر سختی ہے کہ زنا کے سوا کسی حالت میں طلاق  
ہو ہی نہیں سکتی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کل یورپ میں جو تہذیب و تمدن کا مرکز ہے،  
اس مسئلہ کی وجہ سے ہمیشہ نہایت سخت ناگوار اور پر نفسیحت واقعات پیش آتے رہتے  
ہیں سیکڑوں زن و دشوئین جن میں حد درجہ کی سوز مزاجی اور نا اتفاقی ہے، ناموافقیت  
نے دونوں کا عیش تلخ کر دیا ہے، ملنا جلنا بالکل بند ہے، از دو اج کے جو فوائد اور  
مقاصد ہیں وہ بالکل معدوم ہیں، سالہا سال اسی کو فت میں بسر ہوتے ہیں لیکن

اس مصیبت سے چھوڑنے کی صورت یہ تدبیر ہو کہ زنا کا واقعہ ثابت کیا جائے، بڑے بڑے اکابر اور اعیان سلطنت، عدالتوں میں اپنی بیویوں کی زنا کاری کا دعویٰ کرتے ہیں اور سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں اس شرمناک واقعہ کی شہادت پیش کرتے ہیں، مدقون یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور اس کے متعلق جو کاغذات مرتب ہوتے ہیں، وہ ہر قسم کی فضیحتی-رسوائی-بے شرمی، اور بے حیائی کا انبار ہوتے ہیں، لیکن یہ سب اس لیے گواہ کرنا پڑتا ہے کہ ان بیبیوں کے بغیر عورت کے پنجے سے رہائی نہیں ہو سکتی۔ ہندو قانون بھی اس باب میں عیسائیوں کی ہی کے مشابہ ہے،

دوسری طرف یہودی ہیں جن کے ان بات بات پر طلاق جائز بلکہ مستحسن ہے۔ کھانے میں نمک تیز ہو جائے یا اپنی بیوی سے زیادہ خوبصورت عورت ہاتھ آجائے تو بے تکلف طلاق دی جاسکتی ہے۔ اب دیکھو اسلام نے اس نازک اور دقیق مسئلہ کو کیونکر حل کیا؟ قرآن مجید نے پہلے مختلف پیرایوں میں یہ تلقین کی کہ مرد عورت کا تعلق نفس پرستی اور رفع شہوت کے لیے نہیں ہے بلکہ حسن معاشرت اور پائدار ربط و الفت کے لیے ہے،

قید میں رہنے کو نہ سستی کا سائے کو

مُحْصِنِينَ خَيْرٌ مِّنْ مُّسَافِحِينَ

تمہاری جنس سے تمہارا لیے بیویاں پیدا کرنے اور تمہارے لیے

خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا

اسنے اور تم دونوں میں پیارا اور محبت پیدا کی،

لِيُحِبَّ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَتُحِبَّ امْرَأَتُ الرَّجُلَ

اب فرض کرو کہ کسی مرد کو عورت ناپسند آئے اور وہ اس سے قطع تعلق کرنا چاہے اس صورت میں اسلام نے تاکید کی کہ مرد کو تحمل اور صبر سے کام لینا چاہیے،

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكُنْ لَهُمُ شَيْئًا دَّ  
يَجْعَلُ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (نساء)

یہی یقین عورت کو بھی کی۔

تو اگر تم ان کو ناپسند کرو تو یہ ہو سکتا ہے کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو جائے  
خدا اس میں بہت کچھ بھلائی پیدا کرے،

وَأَنْ أَمْرًا كَانَ مِنْ بَيْنِ بَعْلَتَيْنِ أَوْ بَيْنِ عَرَضَاتٍ  
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ أَنْ يُصِلَا بَيْنَهُمَا صِلَىٰ ذَا الْحَرَمَيْنِ (نساء)

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بیوی سے ناراضی یا بیرونی کا درمیان  
تو اس میں کچھ مضامین تھیں کہ دونوں صلح کر لیں اور صلح بھی چیز ہے

پھر عورت کی بد خوئی اور بد مزاجی کے رفع کرنے کی تدبیر میں بتائیں کیونکہ بد مزاجی کو ہمیشہ  
برداشت کرتے رہنا حقیقت میں تکلیف والا لیاقت ہے،

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ فَكُونُوا رَاضِينَ بِمَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ  
فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكُنْ لَهُمُ شَيْئًا دَّ  
يَجْعَلُ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (نساء)

اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تم کو خوف ہو تو ان کو نصیحت کرو  
اور ان کو چھوڑ دو ان کی خواہ گاہ میں۔ اور ان کو مارو اور خلیفہ ہو کر  
وہ اگر کہا ان میں۔ تو ان کے خلاف جیل نہ ڈھونڈو،

اس پر بھی اگر اتفاق اور ہمتی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں قبل اسکے کہ خود مرد اور عورت، اگر کوئی فیصلہ  
کریں اس بات کا حکم دیا کہ قوم کو اس معاملہ میں مداخلت کرنی چاہیے کیونکہ اس قسم کے  
معاملات میں جو تمدن اور معاشرت انسانی سے تعلق رکھتے ہیں ہر شخص مجموعہ قومی کا ایک  
جزو ہے اور اس کے افعال اور اعمال کا اثر تمام قوم پر پڑتا ہے اس لیے پبلک اور قوم  
کو اس میں مداخلت کا حکم دیا اور فرمایا۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا  
حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا

اور اگر تم کو خوف ہو کہ آپس میں ناراضی ہو جائیں تو ایک  
پنج مرد کے گمراہ سے اور ایک عورت کے گمراہ سے مقرر کرو،

یہ تدبیر بھی اگر کارگر نہ ہوئی اور مرد نے قطعی ارادہ کر لیا کہ طلاق دیگا، تو اس ناگزیر صورت میں اسلام نے طلاق کی اجازت دی، لیکن اسکے ساتھ کس قدر مختلف باتوں کا لحاظ رکھا سب سے پہلے یہ کہ طلاق کا یہ طریقہ بتایا کہ تین مہینے میں بتدریج طلاق دی جائے یعنی ہر مہینہ میں ایک طلاق، (اصطلاح میں اس فاصلہ کو عدت کہتے ہیں) یہ فاصلہ اس غرض سے مقرر کیا کہ شاید اس اثنا میں سوچ سمجھ کر، مرد اپنی ماسے سے باز آجائے،

اس کے ساتھ پھر فرمایا،

اور اُس کے خاوندوں کو زیادہ حق ہے کہ واپس لے لیں، اگر چاہیں صلح کرنی،

وَيَعُولُ لَهُنَّ آسَاقُ بَرَءٍ مِّنْ ذَٰلِكَ  
إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا (بقیہ دیکھی ۱۲۸)

پھر قاعدہ مقرر کیا کہ

پھر اگر عدت طلاق دیدی تو اب وہ عورت اس کی کچھ بھی جائز ہوگی جیکے دوسرے کھل کر اور شہرانی بھی اسکو طلاق نہ دیدے

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ  
حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔

اس قید کے لگانے سے یہ غرض ہے کہ مرد کو یہ خیال پیدا ہو کہ اگر میں نے طلاق دیدی اور آئندہ چل کر، میری طبیعت اتفاقاً پھر اس کی طرف مائل ہوئی تو اب اس کے ہاتھ آنے کی کوئی صورت نہ رہے گی، بجز اس کے کہ وہ دوسرے کے تصرف میں رہ کر آئے اور یہ ظاہر ہے کہ اس عار کو کون گوارا کرے گی؟ حقیق کندہ نام دگر چہ کار آید،

اسکے ساتھ یہ قرار دیا کہ طلاق دینا کوئی خانگی معاملہ نہیں، بلکہ اس کو قوم کے سامنے ظاہر کرنا اور شہادت دلوانا پڑے گا،

پھر جب وہ بچپن اپنے عدت کو تو یا رکھ لیا تو انکو معقول  
طریقہ پر یا چھوڑ دیا معقول طریقہ پر اور گواہ مقرر کر لیا  
مستبر آدمی۔ اور ٹیک گواہی دہن کے لیے،

لَا إِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ  
أَوْ قَارُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَاسْتَشْهِدُوا وَادْفَعُوا  
عَنْ لِّ مِّنْكُمْ وَإِقِمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ

اس سے یہ غرض ہے کہ طلاق جب ایک پہلک معاملہ قرار پائے گا اور اس کے ثبوت کے  
لیے گواہ اور شاہد مقرر کرنے ہوں گے تو غیر مستبر آدمی، مشکل سے طلاق پر آمادہ ہوگا،  
ان تمام باتوں کے ساتھ مرد نے طلاق دے ہی دی تو اس صورت میں قواعد  
ذیل کی پابندی ضروری قرار دی،

عدت کے زمانہ میں عورتوں کو ان کے گھر دن سے دھار  
انکو رہنے کا مکان دو جہان تم خود رہتے ہو اپنی مقدور کے  
موفق اور انکو نقصان نہ پہنچاؤ دق کرنے کو۔ اور اگر وہ  
عالمہ ہوں تو بچہ جننے تک انکا نان و نفقہ دو۔ اور اگر وہ  
دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو ان کو اجرت دو۔ اور  
آپسین نیکی کے ساتھ معاملہ کرو،

لَا تَجْرِيُوهُنَّ مِّنْ بُيُوتِهِنَّ دَسُورًا طَلَقَ  
أَسْكَنُوهُنَّ مِمَّنْ حَيْثُ سَكَنَ مِّنْ وَجْهِكُمْ  
وَلَا تَضَارُّوهِنَّ لِيُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ - وَإِنْ  
كُنَّ أُولَاتٍ حَلٍ قَالِفُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ  
تَمَامَهُنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْكُوهُنَّ كَمَا رَكُوهُنَّ  
وَأَمِّرُوا بِنَيْتِكُمْ بِالْمَعْرُوفِ،

اور طلق عورتوں کو دوسرے کے گھر نہ لے جائیں  
اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کو بچہ جننے تک انکا نان و نفقہ دو۔ اور اگر وہ

دودھ پلائیں تو ان کو بچہ جننے تک انکا نان و نفقہ دو۔ اور اگر وہ

اکثر بزرگ یہ کہتے تھے کہ طلاق دیکر عورت کو محبوس رکھتے تھے، اور اسکو نکاح ثانی کرنے  
نہیں دیتے تھے جس سے کبھی تو خواہ مخواہ عورت کو ستانا منظور ہوتا تھا کبھی مقصد یہ ہوتا تھا  
کہ اسکو دق کر کے مہر معاف کرالیں، یا کوئی حصہ چھڑوا لیں، کبھی صرف اس خیال سے

روکتے تھے کہ اپنی بیوی کا دوسرے کے نکاح میں آنا عار خیال کیا جاتا تھا ان باتوں کی اس طرح اصلاح کی۔

وَلَا تَنْسَوْنَ صِلَاتَكُمْ لِكُلِّ يَوْمٍ وَارْتَعِدُوا وَمَنْ

اور انکو اس غرض سے روک نہ رکھو کہ ہر روز نماز کرو اور جو شخص

يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (بقیہ)

ایسا کرے گا تو اپنے نفس پر ظلم کرے گا،

فَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلْيُنَّ أَجَلَهُنَّ فَلَا

پھر جب تم عورتوں کو طلاق دو اور انکی عہدت پوری ہو جائے

تَعْمَلُوهُنَّ أَنْ يَكُنَّ آذًا وَاجِهًا (بقیہ)

تو اس بات کو نہ کرو کہ وہ اپنی آئینہ شوہر کی شادی کر لیں

اگر مطلقہ عورت کو حمل ہے تو بچہ جنم کے دو برس بعد تک مرد کو اسکا کھانا کپڑا دینا پڑے گا،

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ كَحِلِّينَ لَكَ بَيْنَ

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں،

لَكُمْ إِذَا دَانَ بَيْنَ آبِطْعَاةٍ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ

جو شخص یہ چاہے کہ پوری مدت تک دودھ پلاوے اور

رِضْعَتَيْنِ وَكَيْسَوْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (بقیہ)

مرد پر انکا کھانا اور کپڑا ہے دستور کے موافق،

اکثر یہ ہوتا تھا کہ نکاح کے وقت مہر بہ تعداد کثیر باندھتے تھے لیکن جب طلاق دیتے تھے تو مہر کا دینا گران گذرتا تھا، اس لیے مختلف تدبیروں سے عورت پر زور ڈال کر مہر کو گھٹاتے تھے، اس کے لیے فرمایا۔

وَأِنْ أَدْرَأْتُمْ لَصِتْدَ الْرُوحِ مَكَانَ

اور اگر تم چاہو، ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرنی اور

رُوحٍ وَأَنْتُمْ إِحْدَاهُنَّ فَنُطْرَأُ فَلَا تَأْخُذْ

دوسرے کے ایک کو (یعنی پہلی بیوی کی خزانہ تو ابائے

مِنْهُ شَيْئًا - أَوْ تَأْخُذْ وَتَهُ بِهَيْمَاتٍ

کچھ واپس نہ لو، کیا تم لینا چاہتے ہو خاں اور میرے گناہ سے،

وَأَنْتُمْ مَسِينَاتٌ وَكَيْفَ تَأْخُذُ وَتَهُ

اور کیونکر لے سکتے ہو حالانکہ ایک سے دوسرے کی ہینچ چکا رہنے

وَقَدْ أَقْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ

ذنا شوئی کے تعلقات دوعین آپکے،

ان تمام احکام کا حاصل یہ ہے کہ مرد نہایت سخت مجبوریوں سے اگر عورت کو طلاق دے تو تین مہینے کی مدت میں بہ تدریج ایک ایک طلاق دے، طلاق کے بعد عدت کے زمانہ تک جبکی تعداد تین مہینے ہے، اس کے مصارف کا بار شوہر کے ذمہ ہوگا اس مدت میں عورت کو کافی موقع ملے گا کہ اپنے لیے نیا شوہر ڈھونڈے، اور اگر حاملہ ہے تو وضع محل اور اس کے بعد دو برس تک اور عورت کے مصارف شوہر کے ذمہ ہونگے، اس کے علاوہ مہر جو مقرر ہوا تھا وہ کل کا کل ہاتھ آئے گا اور عورت کو تنگدستی کے ہاتھوں تکلیف نہ اٹھانی پڑے گی،

کیا اس سے زیادہ کوئی حکیم اور کوئی مقنن، عورتوں کے لیے عمدہ قانون بنا سکتا ہو؟ اور کیا اسلام کے سوا، دنیا کے کسی اور مذہب میں اس رحم اور مراعات کی نظیر مل سکتی ہے؟ وراثت میں بھلا ان قوانین جن میں دنیا کی قوانین ہمیشہ مختلف الٹا رہی ہیں اور آج بھی ہیں یہ مسئلہ بھی ہے، جیسا یونین میں صرف اولاد اکبر جائداد، غیر منقولہ کی وارث ہوتی ہے باقی اولاد کو گزارہ ملتا ہے، اولاد کے سوا باقی رشتہ دار بالکل محروم رہتے ہیں،

ہندوؤں میں کل اولاد ذکور وارث ہوتی ہے لیکن اولاد ذکور کے سوا، اور قرابت داروں کو کچھ نہیں ملتا۔ لڑکیوں کو صرف نان و نفقہ ملتا ہے،

عربین عورتوں کو مطلق وراثت نہیں پہنچتی تھی، بلکہ جہاں تک معلوم ہے،

لے اس موقع پر یہ بتادینا بھی ضروری کہ یہ تمام احکام وہ ہیں جو قرآن مجید اور احادیث کے رو سے ثابت ہیں

وراثت

اولاد ذکر کے سوا باپ، بھائی، مان بہن وغیرہ کو وراثت میں سے کچھ حصہ نہیں ملتا تھا، یورپ آج کل اس قدر تہذیب و تمدن میں ترقی کر گیا ہے لیکن وراثت کا اب تک وہی قاعدہ ہی کہ صرف اولاد کو وراثت ہوتی ہے،

اب غور کرو کہ تمدن اور اصول فطرت کے لحاظ سے وراثت کے کیا اصول ہونے چاہئیں، اس بحث کا مدار دوسوالوں پر ہے، ایک یہ کہ دولت کا زیادہ افراد میں منقسم ہونا اور پھیلتا ہوا ہونا یا ایک دو فرد میں محدود رہنا، دوسرے یہ کہ کسی شخص کے مر جانے پر، اسکی جائیداد اس کے عزیزوں کو کیوں ملتی ہے؟

علم تمدن کے اساتذہ نے یہ طے کر دیا ہے کہ دولت کی مقدار جب قدر زیادہ افراد میں تقسیم ہو کر پھیلے اسی قدر زیادہ مفید ہے۔ متمدن اور وحشی مالکین میں یہی چیز ممتاز و فارق ہے شخصی سلطنتوں میں عموماً یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ بادشاہ اور اس کے ارکان و مقربین، دولت مند ہوتے ہیں، باقی تمام لوگ عموماً نادار اور کم مایہ ہوتے ہیں بخلاف اس کے شایستہ مالک میں بادشاہ سے لیکر، افکار کے طبقہ تک، دولت درجہ بدرجہ علی قدر مراتب اترتی آتی ہے،

اس اصول کا لحاظ صرف اسلام کے قواعد وراثت میں پایا جاتا ہے، اسلامی قانون کے مطابق میت کے تمام رشتہ دار قریب، درجہ بدرجہ وراثت سے متمتع ہوتے ہیں، مان باپ چچا، دادا، بھائی، بہن، پھوپھی، خالہ۔ ماموں وغیرہ سب وراثت میں کچھ نہ کچھ حصہ رکھتے ہیں وراثت کا اصلی اصول میت کا تعلق اور قربت ہے یعنی جن لوگوں کو میت سے

وراثت کس  
اصول پر مبنی  
ہے

اسلام کے قواعد  
وراثت تمام اصول  
عقل پر مبنی ہیں



تعلق تھا، اور جو لوگ میت کے شریک بیخ و راحت اور اوس کے اعضاء و جوارح تھے، ان کو میت کی جائداد میں سے حصہ ملنا چاہیے، اس اصول کے موافق یہ نہایت تنگدلی ہے کہ صرف ایک قسم کے رشتہ دار، وراثت کے لیے خاص کر دیے جائیں، بے شبہہ رشتہ داروں کے مراتب متفاوت ہیں، اور فرق مراتب کا لحاظ ضرور ہے لیکن یہ صریح ظلم اور نا انصافی ہے کہ بجز ایک قسم کے رشتہ دار کے باقیوں کو بالکل محروم کر دیا جائے اور یورپ کا یہ قانون تو بالکل خلاف عقل ہے کہ صرف اولاد اکبر، وارث ہو، اولاد کو جو تعلق میت سے ہے وہ تمام اولاد کو یکساں حاصل ہے، باوجود اس کے سرن اکبر اتن ہونے کی وجہ سے ایک کو ترجیح دینا اور باقیوں کو بالکل محروم کر دینا بالکل اصول فطرت کے خلاف ہے،

اسلام نے نہایت دقیق اور نازک فرق مراتب کا لحاظ رکھا ہے، میت کو جن جن رشتہ داروں سے جس درجہ کا تعلق تھا، نہایت دقت نظر سے ان کے مراتب متعین کیے اور اسی نسبت سے ان کے مختلف ادر کم و بیش حصے مقرر کیے،

حقوق عامۃ ناس۔ اسلام نے عام جماعت انسانی سے، نیکو کاری، خوش خلقی، فیاضی رحمہ کی ساتھ پیش آنے کا حکم نہایت اصرار اور تاکید کے ساتھ دیا ہے، لیکن ہم اس موقع پر ان کا ذکر نہیں کرتے کیونکہ اخلاق حسنہ کی عام تعلیم تمام مذاہب کا اصل اصول ہے اور اس میں کسی خاص مذہب کی خصوصیت نہیں، البتہ جو چیز ترجیح اور تفوق کا معیار ہے وہ یہ ہے کہ اور مذاہب نے غیر مذاہب والوں یا غمیر قوموں کے ساتھ کس قسم کے

سلوک کی تسلیم کی ہے؟

دنیا میں بڑی بڑی قومیں جو تمام دنیا پر چھا گئی تھیں ہندو پارسی عیسائی اور یہودی تھے۔ ہندو مذہب نے ہندوستان کی تمام قوموں کو جو ایرینہ تھیں خود رکالقب دیا اور باوجود اتحاد مذہب کے ان کے لیے وہ قاعدے بنائے جس سے زیادہ سخت اور ذلت وہ قاعدے کسی کے خیال میں نہیں آسکتے وہ ہر قسم کی عزت، آزادی، عہدہ اور اختیارات سے محروم کر دیے گئے انتہا یہ کہ اگر دید مقدس کی آواز، اتفاقہ کسی شودر کے کان میں پڑ جائے تو اس کے کان میں بیسہ پلا دینا چاہیے کیونکہ اس کے ناپاک کان اس مقدس آواز کے بھی مستحق نہیں۔

قدیم عیسائیوں کے عروج کا اصلی زمانہ، رومن امپائر کا زمانہ ہے۔ یہ سلطنت ایک مدت دراز تک قائم رہی اور اس کو وہ سطوت و شان حاصل ہوئی کہ دنیا کے دور و دراز حصوں میں ان کے نام سے لرزہ پڑ جاتا تھا، لیکن یہ عظیم شان حکومت کیا تھی؟ فریج کی انسائیکلو پیڈیا میں اس کا خاکہ ان لفظوں میں کھینچا ہے،

”رومن کا نظام سلطنت کیا تھا، وہ بی رحمی، اور سفاکی جس نے قانون کا لباس پہن لیا تھا، اس کے جو فضائل تھے یعنی شجاعت، بکر، پیش بینی، ترتیب، اتحاد، باہمی وہ بعینہ چورون اور ڈاکوؤں کے فضائل تھے، اس کی وطنیت بالکل وحشیانہ تھی۔ بے انتہا حُب جاہ، اجنبی قوموں کے ساتھ کینہ پروری، رحمہ کی احساس کا فنا ہو جانا۔ ان چیزوں کے سوا،

لے تطبیق صفحہ ۳،

دہان اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ عظمت و شان جس چیز کا نام تھا وہ تیغ بازی۔ مودہ زنی، قیدیان جنگ کو سزا دینا۔ بچوں اور بوڑھوں سے گاڑی کچھانا تھا،

یہودیوں نے غیر قوموں کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کے اندازہ کرنے کے لیے صرف یہ کافی ہے کہ خود نواریات میں مذکور ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ دشمنوں کے ساتھ ہزار آدمی جو گرفتار ہوئے تھے، ان میں سے عورتیں اور بچے بھی زندہ نہ رہنے پائیں اور سب کے سب قتل کر دیے جائیں،

اب دیکھو اسلام نے کیا کیا؟

قوم اور نسل کی تمیز تو سرسے اٹھا دی، اسلام کا سرچشمہ عرب تھا لیکن اُس نے، پارسی ہندو ترک۔ تاتار، چشتی۔ انسانی غرض تمام دنیا کی قوموں کو اسلام قبول کرنے کے ساتھ، عرب کا ہمسر بنا دیا، یورپ آج اس قدر آزادی کا مدعی ہے، لیکن غیر قوموں کے ساتھ اس نے جو تفرقہ قائم رکھا ہے، اس کو کسی طرح وہ مٹا نہیں سکتا۔ اگر کوئی شخص عیسائی ہو کر یورپ والوں کا ہم مذہب ہو جائے، تو پیشوایان مذہب اس کو یہ تسلی دیتے ہیں کہ ”قیامت میں وہ اُن کا ہم رتبہ ہوگا، لیکن اس دار فانی میں جو حد فاصل قائم تھی وہ قائم رہے گی،“ برخلاف اس کے اسلام نے یہ کیا کہ غزوہ۔ دلیہ۔ سلاجقہ۔ ترک۔ چراکہ وغیرہ کو جنہیں عرب کے خون کا ایک قطرہ بھی نہ تھا، نوبت بہ نوبت، شاہنشاہیان بخش دین اور خود عرب کو اُن کا محکوم بنا دیا۔

غنائین مذہب کی اسلام نے دو قسم قرار دین،

(۱) ذمی اور معاہدہ یعنی وہ لوگ جو اسلام کی حکومت بن رہے ہیں یا جن سے صلح اور دوستی کا معاہدہ ہے

(۲) حربی یعنی جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہے اور لڑائی اور مخالفت قائم ہے یا قائم ہو سکتی ہے،

ذمیوں کو اسلام نے جان۔ مال۔ آزادی۔ عزت اور دیگر تمام حقوق کے لحاظ سے بالکل مسلمانوں کا ہمسر بنا دیا، لیکن چونکہ ہم نے اس بحث پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام حقوق الذمیین ہے اس لیے اس موقع پر ہم اسکی تفصیل نہیں کرتے۔

حربیوں کے ساتھ اسلام نے جس مراعات اور سلوک کا حکم دیا ہے وہ آیات قرآنی سے ظاہر ہوگا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنْ تِلْكَ وَأَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِبُوا الْمُعْتَدِينَ  
وَأَنْ عَاهِدْتُمْ فَأَقْبُوا بِمِثْلِ مَا عَوْضْتُمْ بِهِ  
وَلَكِنْ صَبَرْتُمْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ  
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ وِمٍ عَلَىٰ أَنْ تَتَّخِذُوا

خدا کی راہ میں اُن لوگوں کو لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور  
اس حد کو گزے نہ بڑھو، خدا حد سے بڑھ جائزہ لوگوں پر نہیں کرتا  
اگر تم بدلہ لو تو اسی طرح لو جیسا تم سے لیا گیا، اور اگر صبر کرو  
صبر اچھا ہے صبر کرنے والوں کے لیے،

کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف کرو  
قرآن مجید میں اس قسم کے بھی اکثر الفاظ آئے ہیں کہ کافروں کو جان پاؤ قتل کرو، تمام  
د کافروں سے لڑو، د کافر خدا کے دشمن ہیں، ان کیتوں سے بظاہر ثابت ہوتا ہے  
یہ رسالہ اور چند رسالے ساتھ چھاپا ہو جبکہ نام رسالے شبلی ہے اور مدد سے العلوم علیکدھ سے ملکتا ہے،

کہ ہر مخالف مذہب سے دشمنی اور عداوت رکھنا مسلمانوں کا فرض مذہبی ہے، اسی بنا پر بعض متعصب مسلمانوں نے قرار دیا کہ پہلی قسم کی آیتیں منسوخ ہو گئیں، لیکن اس تناقض کو خدا نے خود رفع کر دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔

جو لوگ تم سے مذہبی لڑائی نہیں لڑے، اور تم کو تمہارے گھر و ملک  
نہیں نکالا، اور ان کی نسبت خدا کو اس بات سے منع نہیں کرتا کہ  
تم ان کے ساتھ بھلائی کرو اور ان کے ساتھ انصاف کرو،  
خدا تو تم کو ان لوگوں سے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے، جو تم سے  
مذہبی لڑائی لڑے، اور تم کو تمہارے گھر و ملک نکالا اور  
تمہارے مکانات پر اعانت کی اور جو لوگ ایسے لوگوں سے دوستی  
کرتے ہیں وہ ظالم ہیں،

كَذَلِكَ قَالَ اللَّهُ لِلَّذِينَ لَمْ يقاتِلُوا كُفْرًا  
الَّذِينَ لَمْ يُخْرِجُوا كُفْرًا يَأْتِيكُمْ أَنْ تَبْرؤهُمْ  
وَتَقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ  
إِنَّمَا يَنْهَى اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُواكُمْ  
فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُواكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ  
وَوَظَاهِرًا وَعَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ  
وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَوَإِنَّ اللَّهَ لَظَلَمٌ

ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ بجز اس صورت کے کہ مخالفین مذہب مسلمانوں سے  
مذہبی لڑائی لڑیں اور انکو ان کے ملک سے نکال دیں یا نکال دینے پر اعانت کریں،  
اور کسی صورت میں، ان سے دوستی رکھنا یا ان کے ساتھ بھلائی کرنا ممنوع نہیں۔ عیسائی  
اور بعض اور مذہبوں میں بظاہر اس سے زیادہ فیاضانہ احکام نظر آتے ہیں مثلاً انجیل  
میں ہے کہ اگر تمہارے ایک گال پر کوئی شخص تھپڑ مارے تو تم دوسرا گال بھی پھیر دو  
کہ یہ بھی حاضر ہے۔

لیکن یہ اس قسم کی باتیں ہیں جو بظاہر نہایت خوشنما ہیں لیکن واقع میں فضول ہیں کیونکہ

فطرت انسانی کے خلاف ہیں اور اس وجہ سے علی صورت میں کبھی ان کا ظہور نہیں ہو سکتا، اسلام کو جو تمام مذاہب پر ترجیح ہے وہ اسی بنا پر ہے کہ افراط و تفریط دونوں سے الگ ہے اور اس کے جقدر احکام ہیں تمام فطرت انسانی کے موافق ہیں،

### بقیہ عقائد

بقیہ عقائد

اسلام کی اصلی بنیاد جن اصول پر قائم ہے، وہ صرف توحید اور نبوت ہے،  
 مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ یہ اسلام بالکل سادہ، صاف اور مختصر ہے اور  
 یہی سادگی ہے، جس کی بنا پر اسلام کو اور تمام مذاہب پر ترجیح ہے، اسی سادگی پر یورپ کا  
 ایک محقق ان الفاظ میں حسرت ظاہر کرتا ہے، اگر کوئی حکیم عیسائی مذہب کے طول طویل  
 اور پڑبیچ عقائد مذہبی پر نظر ڈالے گا تو بول اُسٹے گا کہ آہ! میرا مذہب ایسا سادہ اور صاف  
 کیوں نہ ہو کہ میں ایمان لاتا ایک خدا پر اور اس کے رسول محمد پر، یہی دو لفظ تھے جنکے  
 زبان پر لانے سے اور یقین کرنے سے دفتہ کافر، مسلمان، گمراہ، ہدایت یافتہ، شعی، مسعود  
 اور مردود مقبول بجاتا تھا، لیکن زمانہ کے امتداد اور طبائع کے اختلاف نے اس بن  
 پر سیکڑوں حاشیے بڑھا دیے، اور اب اسلام ایک ایسے مجموعہ مسائل کا نام ہو گیا ہے  
 جس کو قرون ادنیٰ کے لوگ سمجھانے سے بھی نہ سکتے اور عرب جن پر قرآن اُتر تھا  
 وہ تو آج بھی نہیں سمجھ سکتے، طرہ یہ کہ یہی نوزائیدہ مسائل، کفر اور اسلام کا معیار قرار  
 پا گئے، قرآن مجید مخلوق ہے یا قدیم؟ صفات الہی عین ذات ہیں یا غیر؟ اعمال خدا یا ان میں

یا خارج؟ قرن اول میں ان مسائل کا پتہ بھی نہ تھا، لیکن زمانہ مابعد میں انہی کو کفر و اسلام کی حد فاصل قرار دیا گیا، تاریخ علم کلام میں تم بڑھ چکے ہوں گے کہ ان مسائل کی بنا پر کیا کیا قیامتیں برپا ہوئیں، بہر حال اب یہ مسائل، علم کلام کے ساتھ ایسا تعلق رکھتے ہیں کہ جدید علم کلام میں نفعاً یا اثباتاً ان کے ذکر سے چارہ نہیں۔

ان مسائل پر دو حقیقتوں سے بحث کرنی چاہیے۔

(۱) ان مسائل کی نوعیت

(۲) علم کلام کو واقعی ان سے کس حد تک تعلق ہے،

مسائل عقائد  
کی نوعیت

پہلی بحث یہ بحث علم کلام کی تاریخ میں ہم مفصلاً لکھ چکے ہیں، یہاں صرف اس قدر بتا دینا ہے کہ یہ مسائل دو قسم کے ہیں، بعض ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید یا احادیث میں سرے سے نہیں ہے، لیکن چونکہ متکلمین کے نزدیک وہ توحید اور نبوت کے عوارض ذاتی ہیں ایسے ان سے بحث کرنی ضرور ہو گی کیونکہ ان کے بغیر توحید اور نبوت کی تکمیل نہیں ہو سکتی مثلاً قرآن مجید کا حادث یا قدیم ہونا یہ مسئلہ اگرچہ تصریح قرآن و حدیث میں مذکور نہیں لیکن جو عقائد قرآن مجید میں مذکور ہیں، اسکے لوازم میں سے ہے۔ کیونکہ قرآن کلام الہی ہے اور کلام الہی خدا کی صفات میں ہے اور جو چیز کسی چیز کی صفت ہوتی ہے وہ اسکے ساتھ قائم ہوتی ہے، اب اگر قرآن مجید حادث ہو، تو ذات باری بھی حادث ہوگی کیونکہ جو چیز حادث کا محل ہوتی ہے خود بھی حادث ہوتی ہے، اور یہ بجائے خود ثابت ہو چکا ہے کہ ذات باری قدیم ہے اس قسم کے اور بہت سے مسائل ہیں۔

بعض مسائل ایسے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں لیکن چونکہ ان کی کیفیت مذکور نہیں اسلئے ہر فرقہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق کیفیت کی تعیین کی، اس تعیین سے بالذات اور بواسطہ بہت سے مسائل پیدا ہو گئے مثلاً معاد کی کیفیات، قرآن مجید میں نہایت کثرت سے معاد کا ذکر ہے لیکن کیفیت کی تصریح نہیں، اشاعرہ نے اس کی کیفیت یہ قرار دی کہ بعینہ وہی جسم دوبارہ پیدا کیا جائے گا جو دنیا میں موجود تھا، حکماء اسلام کے نزدیک، معاد کو جسم سے تعلق نہیں، عذاب و ثواب جو کچھ ہوگا روح پر ہوگا اور روح کو دوبارہ پیدا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ روح جو ہر بسیط ہوا درودہ پیدا ہو کر فنا نہیں ہوتی دوسری بحث پہلی قسم کے مسائل یعنی حکم ذکر قرآن مجید یا احادیث صحیحہ میں سرے سے نہیں ہے وہ درحقیقت علم کلام میں داخل نہیں لیکن چونکہ آج چھ سات سو برس سے وہ گویا اسلام کے اجزا بن گئے ہیں اسلئے ان کا ذکر ضرور ہے چنانچہ وہ حسب ذیل ہیں:

مسائل عقائد  
جو قرآن میں  
مذکور نہیں

اشاعرہ	دیگر فرق
(۱) خدا کسی جہت میں نہیں	خالد اور اکثر محدثین اسکے مخالف ہیں
(۲) خدا کے جسم نہیں ہے	کرامیہ، اسکے مخالف ہیں ابن تیمیہ جسم کا قائل ہے
(۳) خدا جو ہر باعرض نہیں	ابن تیمیہ وغیرہ کے نزدیک جو ہر ہے
(۴) خدا کسی زمانہ میں نہیں یعنی زمانی چیز نہیں،	

سلطان شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ الباقیہ (صفحہ ۸۹ و ۹۰) میں تقسیم کی ہے اور اس پہلی قسم کی نسبت لکھتے ہیں کہ کسی شخص کا اہل سنت و جماعت سے ہونا ان مسائل کی بنا پر نہیں ہے،



(۵) خدا کسی غیر کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتا۔

(۶) خدا کی ذات میں کوئی حادث چیز قائم نہیں کی جاتی۔

(۷) خدا کی صفات، عین ذات نہیں۔

(۸) خدا قادر بالذات ہے یعنی فعل اور ترک

فعل کا مختار ہے۔

(۹) خدا تمام ممکنات کا فاعل بالذات ہے،

(۱۰) خدا کا ارادہ قدیم ہے۔

(۱۱) خدا کا کلام قدیم ہے اور وہ کلام نفسی ہے

وحدۃ وجود والوں کے نزدیک ہر چیز خدا

کرامید اس کے مخالف ہیں۔

حکماء اسلام اور اکثر معتزلہ کے نزدیک عین ذات میں

بوعلی سینا وغیرہ کے نزدیک موجب بالذات

یعنی جس طرح آفتاب سے روشنی صادر ہوتی ہے

اسی طرح خدا سے افعال صادر ہوتے ہیں۔

بوعلی سینا وغیرہ کے نزدیک خدا واحد بالذات

اور جو چیز واحد بالذات ہے، اس کی بالذات

صرف ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہے چنانچہ

خدا نے صرف عقل و دل کو پیدا کیا اور پھر

عقل و دل سے واسطہ در واسطہ تمام مخلوقات

پیدا ہوئی۔

معتزلہ کے نزدیک حادث ہے۔

حنبلوں کے نزدیک خدا کا کلام گو قدیم ہی

لیکن کلام نفسی نہیں بلکہ حرف اور صوت کا

نام ہے، معتزلہ کے نزدیک کلام الہی حادث

ہے اور حرف و صوت کا نام ہے،

(۱۲) انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ خدا کے اختیار سے سرزد ہوتے ہیں انسان کی قدرت اور اختیار کو کچھ غل نہیں دیتا، خدا کے افعال معلل بالا غرض نہیں معزولہ کے نزدیک انسان کا ارادہ اور قدرت خود اس کے افعال کی علت ہوا لہذا یہ ارادہ اور قدرت، خدا نے بہین پیدا کی ہے۔ معزولہ کے نزدیک خدا کے ہر فعل کی غرض و غایت ہے،

(۱۳) بقا ایک صفت وجودی ہے جو اصل وجود پر زائد ہے،  
(۱۵) سمع و بصیر جو خدا کے اوصاف ہیں تمام محسوسات سے متعلق ہو سکتے ہیں،  
(۱۶) کلام باری میں کثرت نہیں بلکہ وہ واحد محض ہے،  
(۱۷) خدا کا کلام نفسی سموع ہو سکتا ہے،  
ان عقائد کے سوا اور بھی بہت سے عقائد ہیں لیکن ہمارے مسائل میں ہی ہیں اس لیے ہم نے انہی پر اکتفا کی،  
دوسری قسم کے عقائد وہ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے،

یہ عقائد زیادہ تر اول چیزوں سے متعلق ہیں جو روحانیت یا عالم غیب میں داخل ہیں مثلاً وجود ملائکہ حشر و نشر بہشت و دوزخ۔ صراطِ میزان وغیرہ، چونکہ ان کا ذکر خود قرآن مجید میں تھا لہذا جلاً تمام اسلامی فرقوں نے ان کو مانا لیکن ان کی حقیقت اور ماہیت کے متعین کرنے میں اختلاف ہوا۔ بعض فرقوں نے الفاظ کے بالکل ظاہری معنی لیے بعض نے مجاز اور استعارہ کو دخل دیا، بعض نے خاص خاص الفاظ میں کچھ تاویل نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ روحانیت

جو امور قرآن میں  
مذکور ہیں لیکن  
انکی کیفیت مذکور  
نہیں

کے بھانے کا یہ ایک طریقہ ہے۔ یہ اختلاف اگرچہ خود مقتضائے فطرت تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ خود قرآن مجید میں اس کا اشارہ موجود تھا۔

قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ  
مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ  
زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ  
الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ  
تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّاسِيحُونَ فِي الْعِلْمِ  
يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ (ال عمران رکوع ۱)

قرآن مجید کی بعض آیتیں صاف ہیں اور دہی ام کتاب ہیں  
اور بعض مبہم ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ مبہم  
آیتوں کے پیچھے پڑ رہے ہیں تاکہ فساد پیدا کریں اور تاکہ  
اس کی تائید کریں، حالانکہ انکی تائید بجز خدا کے کوئی  
نہیں جانتا یا وہ لوگ جو علم میں کچے ہیں وہ کہتے ہیں ہم  
اس پر ایمان لائے،

اختلاف اس طرح پیدا ہوا کہ ایک فرقہ نے **وَاللَّاسِيحُونَ فِي الْعِلْمِ** کو الگ جملہ قرار دیا جس کی  
دوسرے یہ معنی ہوئے کہ جو آیتیں مبہم ہیں ان کی تائید خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ باقی جو  
لوگ راخ فی العلم ہیں وہ صرف یہ کہہ رہے جاتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے دوسرے  
فرقہ کے نزدیک **وَاللَّاسِيحُونَ فِي الْعِلْمِ** الگ جملہ نہیں ہے بلکہ پہلے جملہ پر عطف ہے  
اس تقدیر پر معنی یہ ہوئے کہ مبہم آیتوں کی تائید بجز خدا کے اور بجز ان لوگوں کے  
جو علم میں کچے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔ پہلے معنی کے قائل، حضرت عائشہؓ  
حسن بصریؒ۔ مالک ابن انسؒ۔ کسائیؒ۔ فرار ابو جبارؒ وغیرہ ہیں۔ دوسرے معنی کے

سے تفسیر کبریٰ آیت **هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ**

قائل، مجاہد زہبی بن انس اور اکثر متکلمین ہیں۔ عبداللہ بن عباس سے دونوں روایت ہوئی  
اس اختلاف سے ایک اور اختلاف پیدا ہوا، یعنی یہ کہ کون سی آیتیں محکم ہیں اور کون سی مبہم  
اس بنا پر عقائد محو فیہا میں متعدد اختلافات پیدا ہوئے،

(۱) یہ عقائد جن آیتوں میں مذکور ہیں وہ مبہم ہیں یا نہیں؟

(۲) مبہم ہیں تو ان کی تاویل کرنی چاہیے یا نہیں؟

(۳) تاویل کرنی چاہیے تو کیوں کر؟

چونکہ آئندہ ہر جگہ تاویل کی بحث آئے گی اس لیے سب سے پہلے ہر تاویل کا فیصلہ کرنا چاہیے  
یعنی یہ کہ تاویل کی کیا حقیقت ہو؟ تاویل مطلقاً ناجائز ہے یا کہیں جائز ہے اور کہیں  
ناجائز؟ اگر بعض موقع پر جائز ہے تو جواز کا کیا قاعدہ ہے؟ تاویل کو کفر و اسلام کا معیار  
کہاں تک قرار دیا جاسکتا ہے؟

تاویل کے معنی اصل لغت میں مرجع و سر کے ہیں اور اصطلاح میں تفسیر اور تفسیر  
کو کہتے ہیں قرآن مجید میں یہ لفظ اکثر انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے سَائِبُكَ بِتَاوِيلٍ  
مَا لَكُمْ كَسْتُمْ عَلَىٰ صَبْرٍ لِّكُنْ عَلٰی تَفْسِيْرٍ اصطلاح میں تاویل کے یہ معنی ہیں کہ کسی لفظ  
کے ظاہری اور لغوی معنی چھوڑ کر کوئی اور معنی لیے جائیں۔

اسلام میں جس قدر فرقے ہیں حشو یہ کہ سوا باقی سب نے تاویل کو جائز رکھا ہے  
امام احمد بن حنبل کی نسبت اگرچہ روایت ہے کہ وہ بالکل مخالف تھے تاہم تین موقع پر  
وہ بھی تاویل کو جائز رکھتے تھے۔ غرض اصل تاویل کے جواز میں (بجز حشو یہ کہ)

تاویل کی  
حقیقت

اور کسی کو کلام نہیں، گفتگو جو کچھ ہے وہ تاویل کے موقع اور محل میں ہے یعنی کہاں جائز ہو اور کہاں نہیں؟ اسلامی فرقوں میں ظاہر پرستی اور دقیقہ بندی کے لحاظ سے جو فرق مراتب تھا اسی نسبت سے تاویل کا دائرہ بھی محدود اور وسیع ہوا۔ سب سے پہلا درجہ ارباب ظاہر کا ہے، ان کے نزدیک کہیں تاویل جائز نہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے کہ ہم نے آسمان و زمین سے کہا کہ بہ خوشی یا باکراہ حاضر ہوں، دونوں نے کہا ہم مطیعانہ حاضر ہیں، یا مثلاً قرآن میں ہے کہ جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے، ارباب ظاہر کے نزدیک ان آیتوں میں وہی لغوی معنی مراد ہیں یعنی یہ کہ فی الواقع زمین و آسمان نے یہ الفاظ کہے تھے اور فی الواقع خدا ہر چیز کے پیدا ہونے کے وقت کُن کا لفظ کہا کرتا ہے، امام ابو الحسن اشعری کا مذہب اسی کے قریب قریب ہے قرآن مجید میں ہے کہ خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، امام موصوف نے کتاب الابانۃ میں تصریح کی ہے کہ ان الفاظ کے اصلی معنی مراد ہیں، کوئی مجاز یا استعارہ نہیں ہے۔

ارباب ظاہر کے بعد عام اشاعرہ۔ پھر اترید یہ۔ پھر معتزلہ۔ پھر حکماء اسلام ہیں اس بحث میں سب سے اہم امر تاویل کے اصول کا انضباط ہی یعنی کن موقعوں پر تاویل جائز ہو اور کن موقعوں پر نہیں۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اور فصل التفرقة بین الاسلام والزندقة میں اس پر نہایت خوبی سے بحث کی ہے، اس لیے ہم اس کا لفظی ترجمہ نقل کرتے ہیں:

احیاء العلوم جزو اول کتاب قواعد العقائد فصل ثانی میں ہے،

اگر دو تم یہ کہو کہ اس بات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم کا ایک ظاہر ہو اور ایک باطن، جن میں سے

تاویل و تفسیر  
امام غزالی کی  
رہے

بعض نہایت واضح ہیں اور ابتداء ذہن میں آجاتے ہیں بعض خفی ہیں جو مجاہدہ یا مضرت کو کوشش اور فکر صحیح سے حاصل ہوتے ہیں اور وہ بھی اس وقت کہ دنیا کی تمام چیزوں سے فارغ الذہن ہو کر انہی پر توجہ کیجائے، حالانکہ یہ بات بظاہر شریعت کے مخالف معلوم ہوتی ہے کیونکہ شریعت میں ظاہر و باطن دو الگ چیزیں ہیں بلکہ شریعت کا جو ظاہر ہے وہی باطن ہے جو مخفی ہے وہی آشکار ہے تو تم کو یہ جانتا چاہیے کہ ان علوم کا خفی و علی ہونا ایسی بات ہے جس سے کوئی صاحب فہم انکار نہیں کر سکتا۔ صرف وہ لوگ اسکا انکار کرتے ہیں جنہوں نے بچپن کے زمانہ میں کچھ نہ لیا اور اسی پر جم گئے انہوں نے بلندی کی طرف اور علما و اولیاء کے مقامات کی طرف ترقی نہیں کی اور یہ خود شریعت کے دلائل سے ثابت ہے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قرآن کے معنی ایک ظاہر ہیں اور ایک باطن ایک حد ہے اور ایک مطلق۔ یہ حدیث صحیح نہیں مترجم حضرت علیؑ نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس میں بڑے بڑے علوم ہیں کاش انکا کوئی حامل ملتا، آنحضرتؐ نے فرمایا جو کہ ہم پیغمبر ہو گئے ہیں ہم کو یہ حکم ہے کہ ہم لوگوں سے انکی عقل کے موافق بات کریں۔ یہ حدیث بھی مرفوع نہیں بلکہ حضرت علیؑ کا قول ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی بات کسی قوم کے سامنے بیان کی جائے اور وہ انکی عقل سے باہر ہو تو اس کے حق میں فتنہ ہوگی خدا نے کہا ہے وَلَا تَكُن مِّنَ الْمُضَلِّينَ لَئِن سَأَلْتَهُنَّ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا نَسْمَعُ وَنَحْنُ أَبْصَارٌ لِّمَن كَانَ يَنظُرُ إِنَّا نَظُنُّ كَمَا يُنظَرُ إِنَّا كُنَّا نَمْنَعُ لِّمَن كَانَ يَمْنَعُ إِنَّا كُنَّا نَمْنَعُ لِّمَن كَانَ يَمْنَعُ عَارِفَانِ اَلَّذِي جَانَتَهُ يَمْنَعُ، الخ اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے تو کہنے کم اور دوتے زیادہ۔

اب بتاؤ اگر یہ راز کی باتیں نہ تھیں جنکے ظاہر کرنے سے آپ کو اس بنا پر منع کیا گیا تھا کہ لوگ

انکو نہیں سمجھ سکتے تھے یا اور کوئی مصلحت تھی تو آنحضرتؐ نے انکو ظاہر کیوں نہیں فرمایا؟ اور  
 یہ ظاہر ہے کہ اگر آنحضرتؐ بیان کرتے تو لوگ بہر حال تصدیق کرتے ابن عباسؓ نے اس ریت کے  
 متعلق اللہ فی خلق سبعم مہود و من الاخر جن مشکھن کہا ہے کہ اگر اس ریت کی تفسیر میں  
 بیان کردن تو تم لوگ مجھکو پتھر مار دے گے اور دوسری روایت میں ہے کہ تم کہو گے کہ عبد اللہ بن عباسؓ  
 کافر ہے، اور ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ میں نے آنحضرتؐ سے دو قسم کی باتیں یاد کیں ایک شائع  
 کیا، اور دوسرے کو اگر شائع کر دین تو میری یہ گردن کاٹ ڈالی جائیگی، اور آنحضرتؐ فرمایا کہ ابوبکر  
 کو جو فضیلت تم لوگوں پر زیادہ ناز پڑھنے اور روزہ رکھنے میں نہیں ہے بلکہ اس راویہ پر جو اس کے  
 سینہ میں امانت ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ یہ راویہ ہی ہی اصول کے متعلق تھا اور جو چیز مذہبی اصول  
 میں داخل تھی وہ ظاہری طور پر اور دن سے بھی مخفی نہیں ہو سکتی تھی، پہل تشری کا قول ہے کہ علماء کے  
 پاس تین قسم کے علوم ہوتے ہیں (۱) علم ظاہر جسکو وہ اہل ظاہر کے سامنے پیش کرتے ہیں (۲)  
 علم باطن جو صرف ان لوگوں پر ظاہر کیا جاتا ہے جو اس کے اہل ہوتے ہیں (۳) وہ علم جس کا تعلق  
 صرف خدا سے ہوتا ہے اور کسی کے سامنے ظاہر نہیں کیا جاتا، بعض عرفا کا قول ہے کہ ربوبیت  
 (خدائی) کا بھید ظاہر کرنا کفر ہے، بعضوں کا قول ہے کہ ربوبیت ایک ایسا راز ہے کہ اگر ظاہر کر دیا  
 جائے تو نبوت بیکار ہو جائے، اور نبوت ایک ایسا راز ہے کہ اگر ظاہر کر دیا جائے تو علم بیکار ہو جائے  
 اور علماء کو خدا کے ساتھ ایسا راز ہے کہ اگر ظاہر کر دیا جائے تو تمام احکام باطل ہو جائیں افسوس کا  
 غالباً مطلب یہ ہے کہ نبوت، کوتاہ بینوں کے نزدیک باطل ہو جائے گی ورنہ اگر یہ مطلب  
 نہ ہو تو یہ قول غلط ہے بلکہ یہ ہے کہ ان دونوں میں تناقض نہیں کیونکہ کامل وہی ہے

جس کا نور معرفت نور تقویٰ کو بجھانہ دے اور تقویٰ کا مرکز نبوت ہو۔ اگر تم یہ کہو کہ ان آیات اور روایات میں تاویل ہو سکتی ہے، اور نہ ظاہر و باطن میں کیونکر اختلاف ہو سکتا ہے کیونکہ باطن اگر ظاہر کا مخالف ہے تو شریعت باطل ہو جائیگی اور یہ وہی بات تھریگی کہ حقیقت خلاف شریعت اور یہ کفر ہے کیونکہ شریعت ظاہر کا نام ہے اور حقیقت باطن کا اور اگر شریعت و حقیقت دونوں ایک ہی ہیں تو پھر دو قسم کیسی؟ اس صورت میں شریعت میں کوئی قابل اخفا راز نہ ہوگا اور ظاہر و پنهان ایک ہوگا۔

تو تم کو جاننا چاہیے کہ یہ سوال ایک بڑی ہم کی سلسلہ جنائی کرتا ہے اور علم مکاشفہ کی طرف منسوب ہے اور علم المعاملہ کی غرض و غایت سے دور جا پڑتا ہے حالانکہ ان تصنیفات کا مقصد صرف علم المعاملہ ہے۔ کیونکہ جو عقائد اور پر مذکور ہوئے وہ اعتقادات قلبی میں داخل ہیں اور ہم نے ان پر تقلید یقین کیا ہے نہ کہ کشف حقیقت کے طور پر، کیونکہ تمام لوگ کشف حقیقت پر مجبور نہیں کئے گئے ہیں، اور اگر یہ اعتقادات اعمال میں داخل نہ ہوتے تو ہم اس کتاب میں انکا ذکر بھی نہ کرتے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ دل کی ظاہری حالت سے متعلق ہیں نہ باطنی تو ہم اس کتاب کے حصہ اول میں اس کا ذکر نہ کرتے باقی حقیقی انکشاف ہونا تو یہ قلب کے باطن سے متعلق ہے، تاہم چونکہ گفتگو کا موقع ایسا آ پڑا ہے کہ ظاہر و باطن میں تناقض کا خیال پیدا ہوتا ہو اسلئے مختصر طور پر اس عقدہ کا حل کرنا ضرور ہے،

جو شخص یہ کہتا ہے کہ شریعت و حقیقت یا ظاہر و باطن باہم مخالف ہیں وہ اسلام کے بچے کفر سے زیادہ قریب ہے، اصل یہ ہے کہ جو اسرار مقررین سے مخصوص ہیں اور جن کو اور لوگ نہیں جانتے اور جن کا

وہ اسرار جو  
فاسد کرنا شروع  
انکی باطنی نفسانیت



فاش کرنا ہے انکی پانچ قسمیں ہیں،

(۱) پہلی قسم یہ ہے کہ وہ بات فی نفسہ دقیق ہے اور اکثر طبیعتیں اسکے سمجھنے سے عاجز ہیں  
تو وہ خواہ مخواہ مقررین کے ساتھ مخصوص ہوگی اور ان کا فرض ہوگا کہ اسکو نااہلو نہر ظاہر نہ  
کریں ورنہ ان کے حق میں وہ موجب فساد ہوگی۔ کیونکہ ان کے فہم کی وہاں تک سائی نہیں  
ہو سکتی، اسی بنا پر جب لوگوں نے آنحضرتؐ کی حقیقت پر بھی تو آنحضرتؐ فی اعراض کیا، کیونکہ  
روح کی حقیقت، عام لوگوں کے فہم میں نہیں آ سکتی، اور وہم اسکی حقیقت کے دریافت سے عاجز ہوئے  
نہ سمجھو کہ آنحضرتؐ کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہ تھی، کیونکہ جو شخص روح کی حقیقت نہیں جانتا وہ  
اپنی حقیقت نہیں جانتا اور جو شخص اپنی حقیقت نہیں جان سکتا وہ خدا کو کیا پہچان سکتا ہے،  
بعض علما اور اولیاء کو روح کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، لیکن وہ لوگ ماب ثریت کا لحاظ رکھتے  
ہیں اور اسوجہ سے جس موقع پر انبیاء نے سکوت کیا ہے وہ بھی سکوت کرتے ہیں۔ مع پر کیا موقوف ہے، خدا کی مطلقاً  
میں وہ باریکیاں ہیں جنکو عوام نہیں سمجھ سکتے چنانچہ آنحضرتؐ نے خدا کے مروت ظاہری صفات مثلاً  
علم قدرت وغیرہ بیان کیں، ان کو بھی لوگوں نے اسوجہ سے سمجھا کہ وہ خود بھی علم اور قدرت رکھتے  
تھے اسلیئے خدا کی قدرت اور علم کو اسپر قیاس کر سکے، ورنہ اگر خدا کے وہ اوصاف بیان کیے  
جائیں جن کے مشابہ کوئی صفت انسان میں موجود نہیں ہے تو انسان اسکا تصور نہیں کر سکتا،  
بلکہ جماع کی لذت کو اگر کسی بچہ یا امرد کو سمجھانا چاہو تو وہ نہیں سمجھ سکتا بجز اسکے کہ یہ کہا جائے کہ  
اکھانے میں جو لذت ہے، اسکے مشابہ ہے، لیکن یہ سمجھنا درحقیقت سمجھنا نہیں ہے خدا کے علم و قدرت  
اور انسان کے علم و قدرت میں جو فرق ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جقدر کھانے کی

لذت اور جہان کی لذت میں ہے،

مختصر یہ کہ انسان صرف اپنی ذات اور صفات (موجودہ یا گزشتہ) کا تصور کرتا ہی نہیں ہے  
 آپ پر قیاس کر کے دوسروں کی ذات و صفات کا بھی تصور کرتا ہی اور یہ بھی اندازہ کر سکتا ہے  
 کہ وہ نون میں شرف و کمال کے لحاظ سے فرق ہے، اس بنا پر انسان جو کچھ کر سکتا ہے اس سے  
 زیادہ نہیں کر سکتا کہ خود اس میں جو اوصاف پائے جاتے ہیں مثلاً فعل، قدرت، علم وغیرہ انہی  
 کو خدا میں بھی ثابت کرے، صرف یہ فرق ہو گا کہ خدا کی صفات کو اپنی صفات سے نہایت بالاتر  
 قرار دیگا۔ تو انسان درحقیقت اپنے ہی صفات کا اثبات کرتا ہے نہ ان صفات کا جو خدا کے  
 مخصوص صفات ہیں اسی بنا پر آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ اے خدا! میں تیری توصیف اس طرح  
 نہیں کر سکتا جس طرح تو نے خود کی ہے، اس حدیث کے معنی نہیں کہ آنحضرتؐ کو خدا کے صفات معلوم  
 تھے اور ان کو ادا نہیں کر سکتے تھے بلکہ آپ کو اعتراف تھا کہ میں خدا کی صفات کی حقیقت سمجھنے  
 سے معذور ہوں، بعض بزرگوں نے کہا کہ خدا کی حقیقت خدا ہی سمجھ سکتا ہے، اور حضرت ابو بکرؓ  
 کا قول ہے کہ ”وہ خدا تعریف کا مستحق ہے جس نے اپنے پہچانے کا یہ طریقہ رکھا ہے کہ اس کے  
 نہ پہچان سکے گا اقرار کیا جائے“

”یہاں پہونچ کر ہم کو ظلم کی زبان روک لینی چاہیے اور اپنے مقصد کی طرف واپس آنا چاہیے  
 اور وہ یہ ہے کہ ان پانچ قسموں میں سے ایک وہ مسائل ہیں جو فہم کے دائرہ سے باہر ہیں،  
 انہی میں روح کا مسئلہ بھی ہے، خدا کے بعض صفات بھی اس میں داخل ہیں، حدیث ذیل میں  
 بھی اسی طرف اشارہ ہے، خدا کے شریک نہیں ہیں جو نور کے ہیں اور اگر وہ کھل جائیں تو دیکھنے والے

جل کر رہ جائیں،

(۲) دوسری قسم کے اسرار جن کو انبیاء اور صدیقین ظاہر نہیں کرتے وہ وہ ہیں کہ بجائے خود قابل فہم ہیں لیکن احکام ذکر اکثر ان کے حق میں مضر ہے، گویا انبیاء اور صدیقین کے حق میں مضر نہیں، مثلاً جبر و قدر کا مسئلہ جب کا ظاہر کرنا اہل علم کو ناجائز ہے، اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں بعض حقائق کا ذکر بعض لوگوں کے حق میں مضر ہو۔ مثلاً آفتاب کی روشنی چمکا دڑ کے حق میں، اور گلاب کی خوشبو گبریے کے حق میں مضر ہے، مثلاً یہ عقیدہ کہ کفر، زنا، معاصی اور برائیوں سب خدا کے حکم اور ارادہ اور مشیت سے ہیں فی نفسہ سچ ہے لیکن یہی بات اکثر ان کے حق میں مضر ہے، کیونکہ یہ امر ان کے نزدیک سفاہت کی دلیل ہو، اور حکمت کے خلاف ہوا۔ گویا برائی اور ظلم کو جائز رکھنا ہے، چنانچہ ابن الرادندی اور بعض نالائق اسی بنا پر ٹھہر گئے، قصداً و قدر کے مسئلہ کا بھی یہی حال ہے کہ اگر وہ ظاہر کر دیا جائے تو اکثر لوگوں کو خدا کے عجز کا گمان ہوگا، کیونکہ اس شبہ کا جو اصلی جواب ہے وہ عام لوگوں کے سمجھ میں نہیں آ سکتا، اسکی مثال ایک شخص یوں دے سکتا ہے کہ اگر یہ بتا دیا جاتا کہ قیامت کے آنے میں ہزار برس یا کم و بیش کی دیر ہے تو ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا تھا، لیکن اگر یہ تمہیں کر دیجاتی تو خلافت مصلحت ہوتا اور اس میں خلق کو ضرر پہنچتا۔ کیونکہ اگر قیامت کے آنے میں زیادہ دیر ہو تو لوگ اس خیال سے کہ ابھی بہت دن ہیں قیامت کی چندان پروا نہ کرتے۔ اور اگر قیامت کا زمانہ قریب اور وہ متعین کر دیا جاتا تو لوگوں پر اس قدر خوف طاری ہو جاتا کہ کام کاج چھوڑ دیتے اور دنیا برباد ہو جاتی۔ یہ مثال اگر صحیح ہو تو اسی دوسری قسم کی مثال ہوگی۔

۳۲) تیسری قسم کے وہ امور ہیں کہ اگر صاف طور پر کہیے جائیں تو سمجھ میں آجائیں اور  
 اس میں کچھ ضرر بھی نہیں لیکن انکو استعارہ اور رمز کے پیرایہ میں اس غرض سے بیان کیا  
 جاتا ہے کہ سننے والے کے دل میں اس کا اثر قوی ہوتا ہے اور مصلحت یہی کہ مقتضی ہو کہ دہر  
 زیادہ قوی اثر ہو مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے فلان کو دیکھا کہ وہ سورگی گردن میں موتی کا  
 ہار پہناتا تھا، اور اس سے مراد یہ ہو کہ وہ ناپا ہون کو تعلیم دے رہا تھا تو سننے والا غاہری منی  
 سمجھے گا لیکن محقق شخص جب غور کرے گا۔ اور اس کو معلوم ہو گا کہ وہاں نہ سور تھا نہ موتی تو  
 اصل غرض کی طرف اس کا خیال متقل ہو گا چنانچہ شاعر نے کہا ہے،

رَجُلَانِ خِيَاطًا وَآخِرُ حَائِلَاتٍ      مُتَقَابِلَانِ عَلَى السَّمَاكِ الْأَعْوَلِ  
 لَا زَالَ يَنْسِيهِ ذَاكَ خِرْقَةً مُذْبِرٍ      وَبِحِطِّ صَاحِبِهِ ثِيَابَ الْمُقْبِلِ

ان شعرون میں شاعر نے آسمانی اقبال و ادبار کو دو کاریگردن سے تعبیر کیا ہے، اس قسم کی  
 تعبیر میں منہ مقصود کو ایسی صورت کے ذریعہ سے بیان کیا جاتا ہے جو عین معنی یا اسکی مثال  
 پر مشتمل ہوتی ہے، اسی قسم میں آنحضرت کا یہ قول داخل ہے کہ مسجد تھوک کی اسطرح کبیدہ  
 ہو کر مٹ جاتی ہے جس طرح چڑا آگ پر رکھنے سے، حالانکہ بظاہر مسجد میں انقباض نہیں  
 پیدا ہوتا لیکن مقصود یہ ہے کہ مسجد قابل تعظیم چیز ہے اور اس میں تھوکنے اسکی تحقیر ہے، ایسے  
 یہ فعل مسجد کی شان کے اسقدر مخالف ہے کہ گویا چڑے کو آگ میں ڈال دینا ہے، اسی طرح  
 آنحضرت کا یہ قول کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع سے سر اٹھاتا ہے وہ اس بات سے نہیں ڈرتا  
 کہ خدا اسے سر کو گدھے کا سر بنائے، اگرچہ ظاہری صورت کے لحاظ سے ایسا کبھی واقع نہیں ہوا

اور نہ کہی ہوگا لیکن اصل مقصد کے لحاظ سے یہ صحیح ہے کیونکہ گدھے کے سر میں صورت و شکل کے لحاظ سے کوئی خصوصیت نہیں اس کی جو کچھ خصوصیت ہے وہ حماقت اور غبادت کے لحاظ سے ہے اور جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے حماقت کے لحاظ سے اسکا سر گویا گدھے کا سر ہے، کیونکہ یہ انتہائے حماقت ہے کہ ایک شخص کسی کے پیچھے چلنا چاہے اور پھر اس سے آگے نکل جائے، یہ امر کہ اس موقع پر ظاہری معنی مقصود نہیں، دو طرح پر ثابت ہوتا ہے، یا دلیل عقلی سے یا دلیل شرعی سے، دلیل عقلی یہ کہ ظاہری معنی لینے ممکن نہ ہوں مثلاً آنحضرت کا قول کہ ”مسلمانوں کا دل خدا کی دو انگلیوں میں ہے“ حالانکہ اگر مسلمانوں کے دل کو دیکھا جائے تو اس میں کہیں انگلیاں نظر نہ آئیں گی، اس سے معلوم ہوا کہ انگلیوں سے یہاں قدرت مراد ہے کیونکہ انگلی کی اصلی حقیقت قدرت اور طاقت ہے اور قدرت کی تعبیر انگلی سے اس لیے کی گئی کہ کمال اقتدار کی تعبیر کا یہ نہایت موثر طریقہ ہے اور اسی طرح کمال اقتدار کو ان لفظوں سے تعبیر کیا ہے

اِنَّمَا كُنَّا لَشَيْءٍ اِذَا ارَدْنَا شَيْءًا اَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے) یہاں ظاہری معنی کسی طرح نہیں لیے جاسکتے کیونکہ جو چیز معدوم ہے وہ قابل خطاب نہیں تبصیل کا کیا ذکر، اور اگر پیدا ہونے کے بعد یہ خطاب ہی تحصیل حاصل ہے، لیکن چونکہ کمال اقتدار کے ظاہر کرنے کا یہ عمدہ پیرایہ ہی اس لیے اس طریقہ سے اسکو ادا کیا گیا دلیل شرعی کے یہ معنی کہ ظاہری معنی کا مراد لینا ممکن ہو لیکن روایت سے ثابت ہو گیا ہو کہ وہ معنی مراد نہیں جیسا کہ اس آیت میں۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةً يَفْتَرِحُهَا الْحَيُّ پانی سے قرآن اور دایوں سے دل مراد ہیں جنہیں سے

بعض میں بہت سادہ و خاشاک ہے بعض میں کم۔ اور بعض میں بالکل نہیں اور جھاک سے کفر و  
نفاق مراد ہے کیونکہ گروہ نمایاں ہے اور پانی پر تیرتا رہتا ہے لیکن ناپائیدار ہے اور ہدایت  
جو لوگوں کو نفع رسان ہے قائم اور دیر پا ہے،

اس تیسری قسم کو لوگوں نے زیادہ وسعت دی ہے یہاں تک کہ قیامت میں ترازو  
پہلے صراط وغیرہ وغیرہ کا جو ذکر ہے ان کو بھی اسی پر محمول کیا ہے لیکن یہ بدعت ہے کیونکہ کوئی  
حدیث اس کے موافق منقول نہیں اور اسکے ظاہری معنی مراد لینے میں کوئی احتمال نہیں اسلئے  
ظاہری ہی معنی لینے چاہیئے

۴) چوتھی قسم یہ ہے کہ انسان ایک چیز کو پہلے اجمالاً جانے پھر تحقیق اور ذوق سے اسکی  
حقیقت اس طرح سمجھے کہ ایک حالت طاری ہو جائے، ان دونوں علموں میں ایسا فرق  
ہے جیسا چھلکے اور مغز میں یا ظاہر و باطن میں اس کی یہ مثال ہے کہ جسطرح کسی شخص کو کوئی  
چیز تاریکی میں یا بہت دور سے نظر آئے، اس صورت میں اس کو ایک قسم کا علم حاصل ہو گا لیکن  
جب روشنی میں یا قریب دیکھے گا تو دونوں صورتوں میں تفاوت معلوم ہو گا، دوسری حالت  
پہلی حالت کی مناقض نہ ہوگی بلکہ اس کی تکمیل ہوگی۔ علم تصدیق اور ایمان کی بھی حالت ہے  
انسان عشق، بیماری، یا موت کا یقین رکھتا ہے لیکن جب خود اسکو یہ موقع پیش آئے ہیں تو وہ یقین  
پہلے یقین سے کہیں زیادہ کامل ہوتا ہے، بلکہ انسان کو شہوت اور عشق اور تمام دیگر جذبات  
کے متعلق مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔ وہ یقین جو وقوع کے قبل ہوتا ہے، جو وقوع کے بعد ہوتا ہے

۱) امام صاحب اخیر میں وہی اشعار کی بولی بول گئے اور احیاء العلوم جیسی کتاب میں اس قسم کا پردہ رکھنا ضرورتاً  
لیکن امام صاحب نے دوسری تصنیفات میں اس راز کو فاش کر دیا ہے،

جو ختم ہو جانے کے بعد ہوتا ہے، آپس میں مختلف ہیں مثلاً بھوک جب زائل ہو جاتی ہے تو اس کے یقین کی حالت اس سے مختلف ہوتی ہے جو عین بھوک کی حالت میں تھی، اسی طرح علوم دین کی حالت ہے کہ وجدان کے مرتبہ کو پہنچ کر کامل ہوتے ہیں کمال سے جو پہلی حالت تھی وہ گویا ظاہر ہے اور کمال کی حالت گویا باطن ہے۔ ایک بیمار کے ذہن میں صحت کا جو مفہوم ہے وہ اس سے کہیں مختلف ہے جو ایک صحیح کے ذہن میں ہے،

ان چاروں اقسام میں لوگوں کی حالت متفاوت ہے حالانکہ ان سب حالتوں میں باطن ظاہر کا ناقص نہیں بلکہ اس کا متمم ہے جس طرح مغز چھلکے کا متمم ہے،

(۵) یہ وہ صورت ہے کہ زبان حال کو زبان قال سے تعبیر کیا جاتا ہے، کوتاہ فہم ظاہر پر اکتا ہے اور اس کو حقیقی نطق سمجھتا ہے، لیکن حقیقت شناس اصلی راؤ کو سمجھتا ہے یہ ایک ضرب الہام ہے کہ دیوار نے کھوٹی سے کہا کہ تو بھوک کیون چھیدتی ہے کھوٹی نے کہا کہ اس کو پوچھو جو بھوک ٹھوک ہا ہے کیونکہ میں خود غماز نہیں ہوں۔ یہاں زبان حال کو زبان قال سے ادا کیا ہے، اس طرح قرآن کی یہ آیت

سَمِعَ السَّمَوَاتِ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ كَخَانَ قَالَ  
لَهَا وَ لِلْأَرْضِ مِنْ آيَاتِنَا طَوْعًا وَ كَرْهًا  
قَالَتَا أَتَيْنَا لَهَا لَعْنَةً،

پھر خدا آسمان کی طرف بڑھا جبکہ وہ دعوان تھا اور اس سے  
اور زمین سے خطاب کر کے کہا کہ تم دونوں بخوشی یا برا  
اکراہ حاضر ہو دو دونوں نے کہا ہم بخوشی آتے ہیں

الحق آدمی اس کے یہ معنی قرار دیتا ہے کہ آسمان اور زمین بھی عقل و فہم رکھتے ہیں اور یہ لفاظ حروف اور صورت کے ذریعہ سے خدا نے ان سے کہے۔ زمین اور آسمان نے ان کو سمجھا اور جواب دیا کہ ہم حاضر ہیں لیکن نکتہ شناس جانتا ہے کہ یہ زبان حال ہے جس سے مراد یہ ہے کہ زمین اور آسمان خدا کے

ارادہ کے وابستہ ہیں، اسی طرح پر خدا کا یہ قول ہے،

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا كَيْتَرُ بِحَسْبِ اللَّهِ | ایک چیز بھی ایسی نہیں جو خدا کے حکم کی تسبیح و تہنیتی ہو

کو دن آدمی اس آیت سے یہ سمجھتا ہے کہ جمادات میں حیات، عقل اور گویائی ہے اور وہ حقیقتاً سبحان اللہ کا لفظ ادا کرتے ہیں، لیکن نکتہ دان جانتا ہے کہ زبان قال مراد نہیں بلکہ یہ مراد ہو کہ خود جمادات کا وجود خدا کی تسبیح۔ خدا کی تقدیس اور خدا کی وحدانیت کی شہادت جیسا کہ شاعر نے کہا

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ آيَةٌ | تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ الْوَاحِدُ

محاورہ میں کہتے ہیں کہ یہ عمدہ صنعتگری۔ کاریگری کی حسن صنعت اور کمال فن کی شہادت ہے اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ صنعت گری زبان سے بولتی ہو بلکہ اس کی حالت سی یعنی پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح جو چیز ہے وہ کسی موجد کی محتاج ہے جو اسکو پیدا کرتا ہے اور اسکو اور اسکے اوصاف کو قائم رکھتا ہے اور اسکی حالتوں کو بدلتا رہتا ہے، یہ محتاج ہونا خود موجد کی تقدیس کی شہادت ہے، لیکن اس شہادت کو صرف اہل نظر سمجھتے ہیں نہ ارباب ظاہر جنکی سمجھ صرف ظاہر پر محدود ہے، ایسے خدا نے کہا،

وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ | لیکن تم لوگ ان کی تسبیح نہیں سمجھتے،

کو تاہم نظر تو مطلقاً نہیں سمجھ سکتے۔ علمائے راہین اور مقررین سمجھتے ہیں لیکن وہ بھی کتنا اور باہریت نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اشیا جو خدا کی تقدیس کی شہادت دیتی ہیں ان کی شہادت مختلف قسم کی ہے اور ہر شخص اپنی عقل و بصیرت کے درجہ کے لحاظ سے اون کو سمجھتا ہے، ان شہادتوں کے اقسام گنا نا علم معاملہ کی حد سے باہر ہے،



غرض یہ وہ مرحلہ ہے جس میں ارباب ظاہر اور ارباب باطن میں تفاوت اور فرق ہوا اور  
 یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ باطن اور ظاہر میں فرق ہے،

اس مقام میں لوگوں نے افراط و تفریط کی ہے۔ بعض اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ سرے  
 سے ظاہر کو مٹا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ جس قدر ظاہر اور برائین میں، کل یا قریباً کل کو بدل  
 دیتے ہیں مثلاً خدا کے ان ارشادات کو۔

اور ہم سے اُنکے ہاتھ باتیں کرینگے اور اُنکے پاؤں شہادت  
 دینگے اور وہ لوگ اپنے بدن کی کھال کو کیسنگے کہنے ہمارے  
 خلاف کیوں گواہی دی کھالیں کیسنگی کہ ہم کو اس خدا نے  
 گویا کر دیا جسے تمام چیزوں کو گویا کر دیا،

وَكَلَّمْنَا آيِدِيَهُمْ وَشَعَدُوا رَبُّهُمْ  
 وَقَالُوا لَاحُودِهِمْ لَمْ يَشْهَدْهُمْ عَلَيْهِمْ  
 قَالُوا لَنُطَقِّنَا اللَّهَ الَّذِي أَنْطَقَ  
 كُلَّ شَيْءٍ

اسی طرح منکر و نکیر کے سوال و جواب میں ان۔ پہل صراط۔ حساب و کتاب۔ دوزخیوں اور  
 بہشتیوں کے مناظرے، دوزخیوں کا یہ کہنا کہ ہم کو تھوڑا سا پانی یا جو کچھ خدا نے تم کو دیا ہو۔ وہ ان  
 تمام باتوں کو یہ لوگ زبان حال قرار دیتے ہیں۔

دوسرے گروہ نے اس قدر مبالغہ کیا کہ سرے سے سب بابت کر دیا۔ امام احمد بن  
 حنبل انہی لوگوں میں ہیں وہ کہتے ہیں کہ فی کون کی تاویل سے بھی منع کرتے ہیں اور یہ لوگ سمجھتے ہیں  
 کہ خدا ہر چیز کے پیدا کرنے کے وقت کُن کا لفظ بولا کرتا ہی، یہاں تک کہ میں نے امام احمد بن حنبل کے  
 بعض مقلدین سے سنا کہ امام موصوف نے بحیرتین حدیثوں کے تاویل کو بالکل ناجائز قرار دیا۔ وہ  
 تین مرقع یہ ہیں ”حجر اسود دنیا میں خدا کا دریاں ہاتھ ہو“ مسلمان کا دل خدا کی دوا انگلیوں میں ہے“

”جنگوین سے خدا کی بول آتی ہے“ امام احمد بن حنبل کی نسبت یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ استواء علی العرش اور نزول کے معنی استقرار اور انتقال کے سمجھتے ہوں گے، البتہ انھوں نے تاویل کو لگانا پیشینہ ہی اور نفع خام کے سرے سے روکا ہوگا، کیونکہ جب ایک دفعہ دروازہ کھل جاتا ہے تو بات قابو سے باہر ہو جاتی ہے اور اعتدال قائم نہیں رہتا کیونکہ جب اعتدال سے آگے قدم بڑھا تو اس کی کوئی حد نہیں قرار پاسکتی، اس بنا پر اس قسم کی روک ٹوک میں کچھ مضائقہ نہیں، ہلف کے طریقہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے وہ لوگ ان موقعوں کی نسبت کہتے تھے کہ جسطرح روایت میں ہے اسطرح ہے نہ دے امام مالک سے کسی نے استواء علی العرش کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا ”استواء معلوم ہے“

لیکن اس کی کیفیت معمول، اور اس پر ایمان لانا واجب اور سوال کرنا بدعت ہے، بعض لوگوں نے اعتدال کا طریقہ اختیار کیا تو یہ کیا کہ خدا کے صفات کے متعلق جو مخصوص ہیں اُن کی تاویل کی اور قیامت کے متعلق جو کچھ آیا ہے اُن کو بحال خود رہنے دیا اور اُن میں تاویل کرنے سے ممانعت کی یہ لوگ اشعریہ ہیں معتزلہ نے ان پر ترقی کی۔ یعنی صفات الہی میں سے مرنے ہونے اور سمیع و بصیر ہونے کی تاویل کی معراج کو غیر جسمانی قرار دیا عذاب قبر میزان، پل صراط وغیرہ کی بھی تاویل کی، تاہم اس بات کا اعتراف کیا کہ معاد جسمانی ہوگا، اور بہشت میں تمام ماکولات، مشروبات و منکوحات اور دیگر لذات جسمانی ہوں گے، اسی طرح دوزخ کا عذاب بھی جسمانی ہوگا، اس میں ایسا آتشیں مادہ ہوگا جس سے بدن کی کھال جل جائے گی فلا سفہ (اسلام) نے اس بھی زیادہ ترقی کی اور کہا کہ قیامت کے باب میں جو کچھ وارد ہے وہ لذتیں یا تکلیفیں سب وحانی ہیں، یہ لوگ معاد جسمانی کے منکر اور بقائے نفس کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ نفس پر جو کچھ عذاب

و ثواب ہوگا و جہتی نہیں ہوگا۔

یہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں، فلاسفہ کی اس آزادی اور جنلیوں کے جمود میں ہیں کہ درجہ ہے وہ باریک اور خامض ہے اور اس کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو توفیق یافتہ ہیں اور جو تمام چیزوں کو روایت سے نہیں، بلکہ خدائی روشنی سے دیکھتے ہیں، پھر جب ان پر حقائق امور منکشف ہو جاتے ہیں تو وہ روایت اور الفاظ پر نظر ڈالتے ہیں، ان میں سے جو الفاظ انکشاف کے موافق ثابت ہوتے ہیں ان کو کمال خود رہنے دیتے ہیں اور جو مخالف ہوتے ہیں ان کی تاویل کرتے ہیں، باقی جن لوگوں کا مدار صرف روایت پر ہی تو ان کا قدم کسی مقام پر ٹھہر نہیں سکتا اور نہ انکا کوئی مستقر قرار پاسکتا اور جو شخص محض روایت پر بھروسہ کرتا ہے اس کو یہی مناسب ہے کہ امام احمد بن حنبل کا طریقہ اختیار کرے کیونکہ اعتدال حقیقی کا ظاہر کرنا علم کا شغف میں داخل ہے، اور اس میں گفتگو کرنی طول کھینچتی ہے اسلئے ہم اس میں نہیں گتے،

مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ظاہر و باطن مخالف نہیں ہیں بلکہ موافق ہیں، ان پانچوں اقسام کی تفصیل سے بہت سی باتیں حل ہو گئیں۔

امام صاحب نے اس نازک اور دقیق مضمون میں مجتہد اور مشتبہ مسائل کے جو پانچ اقسام قرار دیئے ان سے تاویل کا مسئلہ بہت کچھ حل ہو جاتا ہے، تاہم خاص اس بحث پر کہ تاویل کے کس قدر اقسام ہیں تاویل کے جواز کے کیا شرائط ہیں، اور جواز کی حیثیت سے ان اقسام میں کیا ترتیب ہے، امام صاحب کا ایک خاص رسالہ ہے جس نے اس بحث کا پورا فیصلہ کر دیا ہے، اس لئے اس کا نقل کرنا بھی اس موقع پر ضرور ہے،

تاویل کے متعلق  
امام غزالی کی  
کتاب بالفعل المرفوعہ  
کا خلاصہ ہے

رو لکھتے ہیں کہ اشیاء کے وجود کی پانچ قسمیں ہیں،

(۱) وجود ذاتی یعنی وجود حقیقی مثلاً آسمان و زمین کا وجود،

(۲) وجود جسمی یعنی وہ وجود جو صرف صاحب جس کے ساتھ خاص ہے، مثلاً خواب کے

واقعات، یا مثلاً بعض بیماروں کو بیداری کی حالت میں صورتیں نظر آتی ہیں۔ امیاء علیہم السلام

کو لاکھ کی صورتیں نظر آتی ہیں امام صاحب اس کو بھی اسی قسم میں داخل کرتے ہیں،

پانچواں اس قسم کے تحت میں لکھتے ہیں،

بل قد تمثّل للأنبياء والأولياء في اليقظة

والصحة صوار كجيلة محالكة لبحاها الملائكة

وينتهي اليهم الوحي والألهام بلا سطها

فيتلقون من امر الغيب ما يتلقاه

غيرهم في المنام وذلك لشدة

صفاء باطنهم كما قال الله تعالى

فتمثل لها بشراً سوياً ومكانة

صلی اللہ علیہ وسلم راوی جبریل کثیراً

(۳) وجود خیالی یعنی وجود وہی،

(۴) وجود عقلی مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ یہ چیز ہمارے ہاتھ میں ہے اور اس سے مراد

قبضہ و قدرت ہوتی ہے تو یہ ہاتھ کا وجود عقلی ہے کیونکہ ہاتھ کی اصلی غرض قبضہ اور قوت ہے،

بلکہ بھی انبیاء اور اولیاء کو بیداری اور صحت میں بصورت

صورتیں نظر آتی ہیں جو جبرائیل کے مشابہ ہوتی ہیں انہی

صورتوں کے ذریعہ سے انبیاء اور اولیاء کو وحی و الہام ملتا ہے

تو غیب کے امور جبرائیل اور ان کو خواب میں معلوم ہوتے ہیں

انبیاء اور اولیاء کو صفائی باطن کی وجہ سے بیداری میں

معلوم ہوتے ہیں، جیسا کہ خدا نے کہا جبرائیل کے سامنے جبریل

ٹھیک آدمی کی صورت بنکر آیا اور جیسا کہ آنحضرت جبریل کو

اکثر دفعہ دیکھا تھا،

(۵) وجودِ شہمی۔ یعنی خود وہ شے موجود نہیں بلکہ اس کے مشابہ ایک چیز موجود ہے، اسکی مثال امام صاحب نے (آگے چلکر) خدا کے غضب وغیرہ سے دی ہے، کیونکہ غضب کے اصلی معنی دل کے خون کا جوش آنا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ خدا ان چیزوں سے بری ہے لیکن خدا میں ایک ایسی صفت پائی جاتی ہے جو غضب سے مشابہ ہے،

ان اقسام کے بیان کرنے کے بعد امام صاحب لکھتے ہیں،

اعلم ان کل من نزل فکا من احوال	جان لو کہ جو شخص شرع کی کسی بات کو ان درجات میں سے
الشرع علی درجۃ من هذا الدرجات	کسی ایک درجہ پر محمول کرتا ہے تو وہ شرع کی تصدیق
فہو من المصدقین واما التکذیب	کرنے والوں میں ہے، تکذیب کرنے والا وہ شخص ہی
ان ینفی جمیع هذه المعانی،	جو ان تمام معانی کی نفی کرتا ہو،

اس کے بعد امام صاحب نے ان مراتب کی ترتیب بتائی ہے، یعنی یہ کہ جس چیز کا ذکر قرآن و حدیث میں ہو، پہلے اس کا وجود ذاتی ماننا چاہیے، اگر کسی دلیل سے ثابت ہو کہ اس شے کا وجود ذاتی نہیں ہو سکتا تو حسی، پھر خیالی، پھر عقلی، پھر شہمی اس کے بعد ان مراتب کی مثالیں دی ہیں اور لکھا ہے کہ تاویل سے کسی فرقہ کو گریز نہیں، مثلاً احادیث میں آیا ہے کہ اعمال تو لے جائیں گے چونکہ اعمال عرض ہیں اور عرض تو لائیں جاسکتا اس لیے ہر فرقہ کو تاویل کرنی پڑی، اشعری نے یہ تاویل کی کہ اعمال نہیں بلکہ اعمال کے کاغذات تو لے جائیں گے معتزلہ نے کہا نہیں، وزن سے مراد اندازہ کرتا ہے حقیقی ترازو مراد نہیں،

امام صاحب نے جو اقسام قرار دیئے اور ان کی حقیقت بیان کی وہ تاویل کے

مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام متاخرین مثلاً امام رازی، آمدی وغیرہ نے تاویل کا فیصلہ اسی بنا پر کیا، لیکن ایک امر پھر بھی مشتبہ رہ گیا، اور امام غزالی کے بعد سے آج تک سیکڑوں غلطیان جو ہوتی آئیں سب اسی کی بدولت ہیں، امام صاحب نے تاویل کا ایک اصول یہ قرار دیا کہ جب اس بات پر دلیل قطعی موجود ہو کہ ظاہری معنی مراد نہیں ہو سکتے، تب اور معانی کی طرف رجوع کرنا چاہیے، یہ اصول فی نفسہ بالکل صحیح ہے، لیکن دلیل قطعی کا لفظ تشریح طلب ہے، اور یہی لفظ ہے جس کی غلط فہمی نے سیکڑوں غلطیوں کا سلسلہ قائم کر دیا، امام صاحب اور امام رازی وغیرہ دلیل قطعی کے یہ معنی قرار دیتے ہیں کہ جب وجود ذاتی یعنی ظاہری معنی کے مراد لینے میں کوئی محال لازم آتا ہو، تو تاویل کرنی چاہیئے، محال کا لفظ استعمال میں، محال حاوی بلکہ مستبعدات پر بھی بولا جاتا ہے، لیکن امام صاحب محال عقلی کی قید لگاتے ہیں جس کی بنا پر تاویل کا یہ اصول ٹھہر کر جب ظاہری معنی کے مراد لینے میں محال عقلی لازم آتا ہو، تب تاویل کرنی چاہیئے، اس بنا پر امام صاحب حشر اجساد کے منکر کو کافر کہتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک اجسام کا قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا محال عقلی نہیں اس لئے تاویل کی کوئی ضرورت نہیں،

سب سے پہلے ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ خود امام صاحب اور دیگر ائمہ کلام نے اس کی پابندی کہاں تک کی ہے، امام غزالی اسی کتاب فیصل التفرقہ میں حضرت جبریل کے وجود کو جبکہ وہ حضرت مریم کو نظر آئے تھے، وجود ذاتی نہیں قرار دیتے، حالانکہ ان کے نزدیک حضرت جبریل کا وجود ذاتی ممکن بلکہ واقعی چیز ہے، جمادات کی تسبیح کا قرآن مجید میں

امام غزالی وغیرہ  
کی تحقیقات پر  
بحث

جو ذکر ہے امام صاحب اس کو اصلی معنی پر محمول نہیں کرتے بلکہ زبان حال قرار دیتے ہیں حالانکہ امام صاحب کے نزدیک جمادات کا تسبیح پڑھنا محالات عقلی میں داخل نہیں قرآن مجید میں ہے کہ خدا جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے اس کو امام صاحب اصلی معنی پر محمول نہیں کرتے بلکہ زبان حال قرار دیتے ہیں حالانکہ خدا کا یہ کہنا کوئی محال امر نہیں اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا، اب ہم کو بجائے خود دیکھنا چاہیے کہ یہ اصول کہاں تک صحیح ہے، ہم جب کسی شخص کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ کشادہ دست ہے تو کیا ان الفاظ کے اصلی معنی مراد لینے میں کوئی استحالہ لازم آتا ہے، کیا اس شخص کے ہاتھوں کا واقعی کھلا ہونا ناممکن ہے، باوجود اس کے کوئی شخص ان الفاظ کے اصلی معنی مراد نہیں لیتا بلکہ اس سے سخاوت اور فیاضی کا مفہوم سمجھتا ہے، ہر زبان میں سیکڑوں مجازات ہوتے ہیں کیا ان تمام مجازات میں حقیقی معنی کا مراد لینا کسی محال کا مستلزم ہوتا ہے؟

ان بحثوں کے بعد محال کی بحث باقی رہ جاتی ہے، محال عقلی خود ایک بحث طلب چیز ہے، ایک شخص ایک چیز کو محال سمجھتا ہے، دوسرا نہیں سمجھتا، خدا کا ذوجہت ہونا امام غزالی کے نزدیک محال ہے، حبلیوں کے نزدیک ممکن ہے، موت کا مجسم ہو کر مینڈھا بن جانا اشاعرہ کے نزدیک محال ہے، بہت سے محدثین کے نزدیک ممکن ہے، امام صاحب نے اس بحث کا لحاظ رکھا اور حبلیوں کو اس بنا پر کافر نہیں قرار دیا کہ وہ جن چیزوں کو مانتے ہیں مثلاً خدا کا ذوجہت اور ذواشارہ ہونا وہ کوئی نفسہ محال ہے لیکن چونکہ ان کے

نزدیک حال نہیں اس لیے وہ معذورین، بے شبہ یہ امام صاحب کی فیاض دلی ہے، لیکن یہ فیاض دلی جنیلین ہی تک کیون محدود رکھی جائے، حکمائے اسلام کے نزدیک اعادہ معدوم عقلاً محال ہے، اس لیے وہ حشر اجساد کے قائل نہیں ان کو امام صاحب کیون کا فرکتے ہیں؟

لفظ محال کی  
غلط تعبیر نے  
دہم پرستیوں کی  
بنیاد ڈالی،

اسی مسئلہ کی غلط فہمی نے ہزاروں دہم پرستیوں کی بنیاد ڈالی ہے، امام غزالی اور امام رازی وغیرہ نے عال عقلی کو جن معنوں میں لیا اُس کے لحاظ سے ہر ایک دو چیز کے باقی تمام چیزیں ممکن یقین اس لیے ہر جگہ ظاہری معنی کی پابندی کرنی پڑی اور اسکی بنا پر سیکڑوں دور از کار باتوں کا قائل ہونا پڑا، اور یہ سلسلہ برابر ترقی کرتا گیا، روایتوں میں ہے کہ آفتاب ہر روز عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے، آسمان پر اس کثرت سے فرشتے ہیں کہ ان کے بوجھ سے آسمان سے چرچرانے کی آواز آتی ہے، خدا نے ازل میں حضرت آدم کو جب پیدا کیا تو ان کی پائین پسلی نکال لی اور اُسی سے حضرت حوا کو بنایا۔ ازل میں حضرت آدم کی پیٹھ سے ان کی تمام اولاد پیدا کی، پھر زن سے اپنی خدائی کا اقرار لیکر ان کو ان کی پیٹھ میں بھر دیا، سامری نے حضرت جبریل کے گھوڑے کے شتم کی خاک اٹھائی اور مٹی کا بچھڑا بنا کر وہ خاک اُس کے پیٹ میں ڈال دی اس کا یہ اثر ہوا کہ بچھڑا بولنے لگا وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام واقعات میں ظاہری معنی مراد لینے میں اشاعرہ کے نزدیک، محال عقلی لازم نہیں آتا اس لیے ظاہری معنی لینے پڑے،

محال عقلی ہی کی یہ تشریح ہے جس نے تمام مسلمانوں کو آج دہم پرستیوں میں مبتلا کر رکھا ہے،



ایک شخص آکر کہتا ہے کہ فلان مردیش نے دریا کا تمام پانی دودھ کر دیا، فلان مجذوب نے اپنے بدن کی کھال اتار کر رکھ دی، فلان بزرگ نے سیکڑوں مردے زندہ کر دیئے۔ چونکہ یہ تمام واقعات اشاعرہ کی تشریح کے موافق محال نہیں ہیں، اس لیے راوی کے متعلق کسی قسم کی تحقیق و تنقید کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ یہ کہہ کر تسلیم کر لیے جاتے ہیں کہ ان میں استحالہ کیا ہے؟ اور جب کوئی استحالہ نہیں تو نہ ماننے کی کیا وجہ ہے؟

اصل یہ جو کہ قرآن مجید اگرچہ خدا کا کلام ہے، لیکن عرب کی زبان میں اُتر رہا ہے، اس لئے زبان عرب کی جو خصوصیات ہیں سب اس میں پائی جاتی ہیں اور پائی جانی چاہیں، اس میں مجازات، استعارات، تشبیہات سبھی کچھ ہیں اور اُسی طرح ہیں جو زبان عرب کا عام انداز ہے،

جارات اور استعارات کے لئے یہ ضرور نہیں کہ اصلی معنی مراد لینے میں کوئی استحالہ لازم آتا ہو، حالانکہ محطب کے معنی لکڑیاں پھنکے ہیں، لیکن چغل خور کو بھی کہتے ہیں، قرآن مجید میں بولسب کی جو رو کو حالانکہ محطب کہا ہیو یہاں اصلی معنی مراد لینے بھی ممکن ہیں، لیکن اہل لغت چغل خور کے معنی لیتے ہیں اور کوئی شخص ادن کو اس بنا پر کافرا گراہ نہیں کہتا کہ اونھوں نے بلا وجہ اصلی معنی سے عدول کیا،

ظاہری معنی سے عدول کرنے کے لئے یہ لازم نہیں کہ اس کا مراد لینا محال عقلی ہو بلکہ اکثر جگہ سیاق کلام اور طرز استعمال خود بتاتا ہیو کہ اصلی معنی مقصود نہیں۔ قرآن میں ہے کہ ہم نے آسمان و زمین سے کہا کہ تمہارا جی چاہے یا نہ چاہے تم کو حاضر ہونا چاہیے، دونوں نے کہا کہ ہم بہ خوشی حاضر ہیں، یہاں طرز کلام خود بتا رہا ہے کہ قدرت کاملہ کے اظہار کا یہ ایک پیرایہ ہیو،

بعض جگہ سیاق کلام دلالت نہیں کرتا، لیکن ظاہری معنی مراد لینے بالکل مستبعد اور دور از کار و ہم پرستی ہوتی ہے، اس لیے وہاں مجازی معنی لیے جاتے ہیں۔

ایک اور نکتہ مہم بالشان اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن چیزوں کو تاویل کہا جاتا ہے، تاویل حقیقت تاویل نہیں ہے تاویل حقیقت میں صحیح نہیں، تاویل کے معنی یہ قرار دیے گئے ہیں کہ ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرے معنی اختیار کیے جائیں، لیکن ظاہری معنی کی تعبیر غلط کی گئی ہو، استہمال اور محاذہ بھی ظاہری معنی میں داخل ہے، لیکن اس کو لوگ تاویل کہتے ہیں، لغت کی یہ کیفیت ہے کہ اصل میں ایک لفظ کے ایک ہی معنی ہوتے ہیں، پھر تناسب اور تعلق کے لحاظ سے اور اور معنی پیدا ہوتے جاتے ہیں، مثلاً آخبات کے اصلی معنی بستی میں آنے کے ہیں، لیکن تواضع اور انکسار کو بھی آخبات کہتے ہیں اور اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ تواضع کرنا گویا بستی میں آنا ہے لفظ کے اصلی معنی پھینکنے کے ہیں، پھر لفظ کو اسوجہ سے لفظ کہنے لگے کہ وہ بھی گویا زبان سے پھینکے جاتے ہیں، یہ معانی حقیقت میں درجہ دوم کے معنی، ہیں جن کو انگریزی میں سکندری معنی کہتے ہیں لیکن اس قسم کے تمام معانی لغت میں داخل کر لیے گئے ہیں اور اصلی معنی قرار پا گئے ہیں، عربی زبان میں جو ایک لفظ کے دس دس اور بیس بیس معنی ہوتے ہیں، انہیں اصلی معنی درحقیقت ایک ہی ہوتے ہیں لیکن مناسبت کی وجہ سے اور اور معنی پیدا ہوتے جاتے ہیں اور وہ سب اصلی قرار پاتے ہیں، ورنہ اگر صرف اصلی معنی پر حصر کیا جائے تو لغت کی کتابوں کی ضخامت آدھی بلکہ چوتھائی سے کم رہ جائے،

اس بنا پر جس چیز کو تاویل کہتے ہیں، وہ تاویل نہیں، کیونکہ جس معنی میں انکا استعمال ہوا ہے وہ بھی ظاہری ہی معنی ہیں،

غرض مذکورہ سخن یہ ہے شرع میں جو امور بظاہر قابل بحث نظر آتے ہیں ان کی متعدد صورتیں ہیں بعض امور ایسے ہیں جو عام ادراک سے باہر ہیں، ان کی حقیقت کے اظہار سے یا تو شریعت نے بالکل اعراض کیا ہے یا تشبیہ و تمثیل کے طریقہ سے بیان کیا ہے کہ ایک سرسری اور اجمالی خیال قائم ہو سکے۔

بعض ایسے ہیں جو چند ان دقیق نہیں لیکن اس کی حقیقت کا اظہار جہو ر عوام کے حق میں مضر ہے،

بعض ایسے ہیں جو اگر صاف صاف بیان کر دیے جاتے تب بھی سمجھ میں آسکتے تھے لیکن ان کو استعارہ اور تشبیہ کے پیرایہ میں اس غرض سے بیان کیا گیا کہ یہ طریقہ زیادہ موثر اور اوقع فی النفس ہے، مثلاً خدا کی قدرت کاملہ کو ان لفظوں سے ادا کیا گیا کہ جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے ”ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے“ امام غزالی اس صوت کو بیان کر کے لکھتے ہیں کہ اکثر لوگوں نے قیامت کے واقعات مثلاً زمین پل مرلا وغیرہ کو اسی قسم میں داخل کیا ہے، لیکن یہ بدعت ہے کیونکہ ظاہری معنی مراد لینے میں کوئی استحالة لازم نہیں آتا۔“

لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ امام صاحب کی یہ رائے احیاء العلوم اور کتب کلامیہ کے ساتھ مخصوص ہے ورنہ جو اہل القرآن اور مفسنون وغیرہ میں واقعات قیامت کے متعلق

اُن کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے،  
 بعض جگہ حال کو زبانِ قال سے ادا کیا ہے مثلاً عبادات کی تسبیح۔  
 ان مختلف اقسام کا نتیجہ یہ ہے کہ شریعت میں جب کسی چیز کے وجود کا ذکر ہو تو یہ ضرور  
 نہیں کہ خواہ مخواہ وجود خارجی مقصود ہو بلکہ ممکن ہے کہ وجود حسی یا خیالی یا عقلی یا شہسی  
 مراد ہو جیسا کہ امام غزالی نے تفصیل بیان کیا،  
 اس تہید کے بعد اب ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں،

## روحانیات یا غیر محسوسات

روحانیات

ملائکہ - وحی - واقعات قیامت وغیرہ وغیرہ

چونکہ یہ تمام چیزیں قرآن مجید میں، مذکور ہیں، اس لیے اپنا ایمان لانا واجب اور شرط  
 اسلام ہے اور اس لیے تمام اسلامی فرقوں میں اجمالاً یہ عقائد مسلم ہیں، لیکن چونکہ قرآن میں  
 ان کی کیفیت مذکور نہیں اس لیے ان کی تشریح مختلف فرقوں نے، مختلف طریقوں  
 سے کی،

اشاعرہ نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ ضرور نہیں کہ ایک شے موجود ہو اور نظر بھی آئے،  
 اس بنا پر ممکن ہے کہ یہ تمام چیزیں موجود ہوں اور نظر نہ آئیں،  
 شرح موانع میں روایت باری کی بحث میں ہے،

لَا تَسْلَمُ رُجُوبُ التَّوْحِيدِ عِنْدَ | ہم تسلیم نہیں کرتے کہ روایت کی جہتوں شرطن موجود ہوں

## اجتماع الشروط الثمانية

تذواخواہ شے نظر آئے۔

یہ دعویٰ جقدر عجیب و غریب ہے، دلیل اس سے زیادہ عجیب ہے،

لَا تَأْتِي الْجَنَّةَ الْكَبِيرَةَ مِنَ الْبَعِيدِ صَغِيرًا وَمَا  
ذَلِكَ إِلَّا أَنَّا تَدْرِي بَعْضَ أَجْزَائِهِ دُونَ الْبَعْضِ  
مَعَ سَادَى الْكُلِّ فِي حُصُولِ الشَّرَاطِطِ

کیونکہ ہم بڑے جہنم کو دور سے چھوٹا دیکھتے ہیں اور اس کی طرف  
یہ وجہ ہو سکتی ہو کہ ہم کو اس کے بعض اجزاء نظر آتے ہیں اور  
بعض نہیں حالانکہ جہنم کا رونا رویت کے ہیں، تاہم جزا میں پڑ جاتے ہیں

یہی طفلانہ استدلالات اور احتمالات ہیں جنہوں نے آج قوم کی قوم کو نظر بندی اور اور مبسوط  
دور از کار باتوں کا معتقد بنا دیا ہے،

لیکن اشاعرہ ظاہرین کے سوا اور لوگ اس قسم کے دور از کار خیالات کے  
کیونکہ قائل ہو سکتے تھے امام غزالی۔ شیخ الاشراق۔ شاہ ولی اللہ صاحب اور اور متحققین نے  
اصل حقیقت پر توجہ کی اور اس عقدہ کو حل کیا۔ ان لوگوں کا مذہب یہ کہ شریعت میں جن  
چیزوں کا ذکر ہے ان کی دو قسمیں ہیں، محسوسات عام۔ غیر محسوسات عام۔ رویت جس اس  
اور تجربہ یہ تمام چیزیں صرف محسوسات عام سے متعلق ہیں، غیر محسوسات کو ان چیزوں کو  
واسطہ نہیں لیکن باہنہ غیر محسوسات بھی حقائق موجودہ ہیں کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جو شے خارج  
میں موجود یا محسوس عام نہ ہو، وہ واقعہ میں بھی نہ ہو کیونکہ واقعیت وجود خارجی پر محدود نہیں  
لیکن چونکہ حقائق واقیہ کے لیے آخر کسی نہ کسی قسم کا وجود ضرور ہے۔ اس لیے  
متحققین اسلام نے اس کے مختلف نام رکھے۔

امام غزالی اس وجود کو وجود حسی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کی تعریف جیسا کہ ہم

روحانیات کا  
وجود کس قسم کا ہے

تاویل کی بحث میں ان کی اصلی عبارت نقل کر آئے ہیں، یہ لکھتے ہیں کہ یہ وجود صرف،  
خاص شخص کے حاتمہ سے تعلق رکھتا ہے،

انبیا کو ملائکہ کی صورت جو نظر آتی ہے، آنحضرت کو حضرت جبریل جس طرح مرئی ہوتے  
تھے حضرت مریم نے حضرت جبریل کو جس صورت میں دیکھا تھا، امام صاحب سب کو اسی وجود  
کے تحت میں داخل کرتے ہیں۔ چنانچہ تاویل کی بحث میں، امام صاحب کی اصلی عبارت ہم  
نقل کر آئے ہیں،

مفنون بعلی غیر اہلہ میں امام صاحب نے معجزات کی بحث میں اس وجود کو  
خیالی کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

ان لسان الحال یصیر مشاہداً محسوساً	زبان حال بطور تخیل کے مشاہد اور محسوس بن جاتی ہوا
علی السبیل التمثیل و هذا خاصة الانبياء والرسل علیہم	یہ انبیاء اور رسل کا خاصہ ہے، جس طرح کہ خواب کی حالت
الصلوات والسلام کمالات لسان الحال یتمثل	میں زبان حال عام لوگوں کے لیے تمثال ہو جاتی ہے
فی المنام یغیر الانبیاء و یسمعون صوتاً و کلاماً	تو وہ لوگ آواز میں اور باتیں سنتے ہیں،
فان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام	تو انبیاء علیہم السلام، ان چیزوں کو بیداری کی حالت میں
یرؤن ذلک فی اللقطة و تحاطبہم ہذا	دیکھتے ہیں، اور یہ چیزیں ان سے بیداری کی حالت
الاشیاء فی اللقطة	میں خطاب کرتی ہیں،

قبر کے واقعات کو بھی امام صاحب اسی عالم کے واقعات قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ الغزالی  
میں ہے امام صاحب کے اصلی الفاظ نقل کیے ہیں،

شیخ الاشراق  
مذہب

شیخ الاشراق کا یہ مذہب ہے کہ عالم محسوسات کے سوا، ایک اور عالم ہے جسکو عالم اشباح یا عالم امثال کہتے ہیں، انکا استدلال یہ ہے کہ قوت تخیلہ میں یا آئینہ میں جو صورتیں نظر آتی ہیں وہ درحقیقت تخیلہ اور آئینہ میں موجود نہیں ہیں بلکہ یہ چیزیں ان کے ظہور کا ایک آلہ ہیں اور چونکہ اس امر سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ واقعی چیزیں ہیں اس لیے ضرور ہے کہ ایک عالم اشباح اور امثال تسلیم کیا جائے جہاں ان صورتوں کا اصلی وجود ہے، شیخ الاشراق، جن اور شیاطین کو بھی اسی عالم میں شمار کرتے ہیں، ان کے نزدیک حشر اجساد اور بہشت و دوزخ وغیرہ سب کا وجود اسی قسم میں داخل ہے چنانچہ حکمہ الاشراق میں عالم اشباح کا ذکر کر کے لکھتے ہیں،

قیامت میں اجسام کا زندہ ہونا، اور اشباح ربانی اور نبوت کے تمام وعدے، اسی عالم اشباح میں ثابت ہوتے ہیں

اور اہل کشف (یعنی پیغمبر اور اولیاء) جو ہر شے کا دارین ہوتے ہیں، انکی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ دماغ میں ہوا کے توج سے پیدا ہوتی ہیں، کیونکہ ہوا کا توج جو اس زور کے ساتھ دماغ سے نکلے، خیال میں نہیں، آسکتا بلکہ وہ اس کی آواز کی تصویر جو عالم امثال میں موجود ہے

وہم نَحْقَقُ بَعَثُ الْأَجْسَادِ وَالْأَشْبَاحِ  
الرَّبَّانِيَّةِ وَجَمِيعِ مَوَاعِيدِ النَّبُوتِ  
اسی کتاب میں ایک اور موقع پر لکھتے ہیں،  
وَمَا يَسْمَعُ الْمَكاشِفُونَ كَالنَّبِيَاءِ وَلَا دَلِيلًا  
مِنَ الْأَصْوَاتِ الْهَائِلَةِ لَا يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ  
إِنَّهُ تَوَجُّهُ هَوَائِ فِي دِمَاعٍ فَإِنَّ الْهَوَاءَ تَوَجُّهُ  
بَيْنَكَ الْقُوَّةِ بِمَصَاكِرِ الدِّمَاعِ لَا يَتَصَوَّرُ  
هُوَ مِثَالُ الصَّوْتِ أَيْ الْمَوْجُودِ فِي عَالَمِ الْمَثَالِ

سہ اس عبارت میں جو تفسیری جملے ہیں، شرح حکمہ الاشراق کے ہیں۔

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں،

وَمَا يَتْلُو الْأَنْبِيَاءُ وَلَا رُلِيَاءُ وَغَيْرُهُمْ مِنَ  
الْمَغِيَّبَاتِ قَالَهَا قَدْ تَرَدَّ عَلَيْهِمْ فِي أَسْمَاءِ مَكْنُونَةٍ  
وَقَدْ تَرَدَّ لِبَاعِ صَوْتٍ قَدْ يَكُونُ لَيْذًا  
قَدْ يَكُونُ هَائِلًا وَقَدْ يَسْأَلُ هَذَا وَنَ صَوْرَ  
الْكَافِرَاتِ وَقَدْ يَرَوْنَ صَوْرَ أَحْسَنِ انْسَانِيَّةٍ  
لَهَا طَبْعُهُمْ فِي غَايَةِ الْحُسْنِ قَدْ أَجْمَعُوا عَلَى  
وَقَدْ يَرَوْنَ لَوْنًا لَوْنِيًّا طَبْعًا لَهَا نِصْفًا  
فِي غَايَةِ اللَّطْفِ وَقَدْ تَرَدَّ عَلَيْهِمْ فِي خُطْبَةٍ  
وَقَدْ يَرَوْنَ مِثْلًا مَعْلَقَةً وَتَجِيعَ مَا يَرَوْنَ فِي الْمَنَامِ  
مِنْ الْجِبَالِ وَالْبُحُورِ وَالْأَنْصَانِ وَالْأَصْوَاتِ الْعَظِيمَةِ  
وَالْأَشْفَاصِ كُلِّ مِثْلِ قَائِمَةٍ،

اور پیغمبروں کو اور اولیاء کو عالم غیب کی جربا تین معلوم ہوتی  
ہیں تو وہ کبھی لکھی ہوئی سطروں میں نظر آتی ہیں کبھی آواز  
کی صورت میں جرجری لذیذ ہوتی ہو اور کبھی ہر ایک کبھی وہ  
لوگ کائنات کی صورت میں دیکھتے ہیں جو ان سے نہایت لطیف  
کے ساتھ خطاب کرتی ہیں اور ان سے غیب کی باتیں کہتی ہیں  
اور کبھی وہ صورتیں جو خطاب کرتی ہیں نہایت لطیف  
صنعتی ہیکر دن میں نظر آتی ہیں اور کبھی پر خط معلوم ہوتی  
ہیں، اور کبھی وہ لوگ معلق شاہین دیکھتے ہیں اور کچھ خطاب  
میں پر اوردیا زمین تخت کا زمین اللہ تعالیٰ منظر کرتے ہیں  
یہ سب مثالی صورتیں ہیں جو بذات خود قائم ہیں

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث کو زیادہ مفصل لکھا ہے، انہوں نے ان نصوص کو جن میں اس قسم کی موجودات  
کا ذکر ہے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، پھر لکھا ہے کہ ان نصوص پر جو شخص نظر ڈالے گا اسکو مجبوراً  
تین باتوں سے ایک کا قائل ہونا پڑے گا، یا یہ تسلیم کرے کہ محسوسات کے علاوہ ایک عالم مثال  
بھی ہے، (شاہ صاحب اس عالم مثال کو محدثین کے اصول کے موافق بتاتے ہیں) یا اس بات کا قائل ہو  
کہ خاص اس شخص کو ایسا نظر آتا ہے کہ اس کے حاسہ سے باہر اسکا وجود نہیں آیا یہ کہ یہ واقعات بطوریں کے

شاہ ولی اللہ  
صاحب کی رائے



بیان ہوئے ہیں ان احتمالات کو لکھ کر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جو شخص صرف تیسرے ہی احتمال پر قناعت کرتا ہے، میں اسکو اہل حق سے نہیں سمجھتا، شاہ صاحب تو فقط تیسرے احتمال کو باطل قرار دیتے ہیں، لیکن ہمارے علماء دو پہلے احتمالات کو بھی تسلیم کر لیں تو بڑا مرحلہ طے ہو جائے، اور فلسفہ زبان حال سے بول اٹھے کہ

شکر ایزد کہ میان من واد صلح افتاد

بہر حال ہم شاہ صاحب کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں۔

عالم مثال کا ذکر

بَابُ ذِكْرِ عَالِمِ الْمَثَالِ

جاننا چاہیے کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم موجودات میں ایسا عالم بھی ہے جو غیر حضری ہے اور حسین معانی اُن اجسام کی صورت میں متشکل ہوتے ہیں جو اوصاف کے لحاظ سے اُنکے مناسب ہیں پہلو اس عالم میں اشیاء کا ایک گونہ وجود ہوتا ہے جو تین یا چار گونا گونہ وجود ہوتا ہے، اور یہ دنیاوی وجود ایک اعتبار سے بالکل اس عالم مثال کے وجود کے مطابق ہوتا ہے،

اکثر وہ اشیاء جو عوام کے نزدیک جسم نہیں کہتے ان عالم میں منتقل ہوتی ہیں اور ترقی ہیں اور عام لوگ انکو نہیں دیکھتے، آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جیسا کہ تم کو

إِنَّمَا نَحْنُ وَكَانَتْ أَحَادِيثُ كَثِيرَةٌ عَلَى أَنَّ  
فِي الْوُجُودِ عَالِمًا غَيْرَ حَضَرِيٍّ يُمَثِّلُ فِيهِ  
الْمَعَانِي بِأَجْسَامٍ مُنَاسِبَةٍ لَهَا فِي الصِّفَةِ  
وَيَتَحَقَّقُ هُنَاكَ الْأَشْيَاءُ قَبْلَ وُجُودِهَا  
فِي الْأَرْضِ مِنْ حُجُومٍ مِنَ التَّحْقِيقِ فَإِذَا  
وُجِدَتْ كَمَا نَتَّهِى هِيَ بِمَعْنَى  
مِنْ مَعَالِي هُوَ هُوَ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنْ  
الْأَشْيَاءِ مِمَّا لَا حِجْمَ لَهَا عِنْدَ الْعَالَمِ  
تَنْتَقِلُ وَتَنْزِلُ وَلَا يَرَاهَا جَمِيعُ النَّاسِ قَالَ  
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ الرَّحِمَ

قَامَتْ فَهَآلَتْ هَذَا مَقَامَ الْعَالَمِ بِيَدِ مَنْ  
الْقَطِيعَةِ وَقَالَ إِنَّ الْبَقَرَةَ وَالْإِبْرَاهِيمَ تَابَتَانِ  
يَوْمَ الْقِيَمَةِ كَمَا كُنَّا كَمَا مَنَّا أَوْ خِيَابَتَانِ أَوْ  
فَرَقَانِ مِنْ خَيْرِ صَوَابٍ تَحَاكَّانِ مِنْ أَهْلِ سَمَاءٍ  
وَقَالَ نَحْنُ الْأَرْحَامُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ نَحْنُ الصَّلَاةُ نَحْنُ  
نَحْنُ الصَّدَقَةُ نَحْنُ الْحَيَاةُ الْحَدِيثُ  
وَقَالَ إِنَّ الْمَعْرُوفَ وَالْمُنْكَرَ لَيَخْلُقَتَانِ  
نُصَبَانِ لِلنَّاسِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ قَامَا الْمَعْرُوفُ  
فَيُبَشِّرُ أَهْلَهُ وَأَمَّا الْمُنْكَرُ فَيَقُولُ  
إِلَيْكُمْ أَنْتُمْ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُ الْكَذِبُ مَا  
قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَبْعَثُ الْآيَاتِ يَوْمَ  
الْقِيَمَةِ كَهَيْئَتِهَا وَيُبْعَثُ الْجَمْعَةَ زَهْرًا  
مُسْتَبْرَقَةً وَقَالَ يُؤْتِي بِلَدُنِّيَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ  
فِي صُورَةٍ عَجُوزٍ شَطِيطَةٍ زُرْقَاءُ أَنْبَاءُهَا  
مُسَوَّاهٌ خَلْقُهَا وَقَالَ هَلْ تَدْرُونَ مَا أَدْنَى  
وَأَنَّى لَا أَرَى مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلَالَ بَيْتِكُمْ  
كَمَا أَرَى الْقَطِيعَةَ وَقَالَ فِي حَدِيثٍ

پیدا کیا تو وہ کھڑی ہو کر بولی کہ اے شخص کا مقام ہے  
جو قطع رحم سے پناہ مانگ کر تیرے پاس پناہ ڈھونڈتا  
ہے اور آنحضرت نے فرمایا کہ سورہ بقرہ اور آل عمران  
قیامت میں بادل یا سائبان یا صاف بستر پر زندگی  
نیکو میں آئینگی اور ان لوگوں کی طرف دکھائی گئی  
جنہوں نے انہی کی تلامذت کی ہے اور آنحضرت نے فرمایا کہ قیامت  
میں اعمال حاضر ہونگے تو پہلے نماز آئینگی پھر خیرات پھر  
روزہ الخ اور آنحضرت نے فرمایا کہ نیکی اور بدی دو مخلوق  
ہیں جو قیامت میں لوگوں کے سامنے کھڑی کی جائیں گی اس  
نیکی نیکی والوں کو بشارت دی گئی اور بُرائی بُرائی والوں کو  
کے گی کہ بڑھو لیکن وہ لوگ سب سوچے ہی نہیں گئے اور آنحضرت  
نے فرمایا کہ قیامت میں درختوں میں وہ مسموی صورت  
میں حاضر ہونگے لیکن جمعہ کا دن چکنا دکنا ہوا ہوگا۔ اور  
آنحضرت نے فرمایا کہ قیامت میں دنیا ایک بڑھیا کی صورت  
میں لائی جائیگی جسکے بال کھڑی دانست نیکی اور صورت بُرا  
ہوگی۔ اور آنحضرت نے فرمایا کہ جو میں دیکھتا ہوں کیا تم  
بھی دیکھتے ہو میں دیکھ رہا ہوں کہ نفوس تمہاری گھون پر سطح

الْإِسْرَاءِ فَإِذَا دُبَعَةُ أَهْلِهِ  
 تَهْرَانِ بِالْطَّهْرِ وَتَهْرَانِ ظَاهِرَانِ  
 فَقُلْتُ مَا هَذَا يَا جَبْرِئِيلُ قَالَ آمَنَ  
 الْبَاطِلَانِ فِي الْجَنَّةِ وَآمَنَ الظَّاهِرَانِ  
 قَالَتِ ابْنَةُ النَّعْمَانِ وَقَالَ فِي حَدِيثٍ  
 صَلَوَاتُ الْكُفَّينَ صَوَّرَتْ لِي الْجَنَّةَ  
 وَالنَّارَ وَفِي لَفْظٍ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ جِدَارِ  
 الْعَبْلَةِ وَفِيهِ آتَةٌ تَسْطِيبُ كَالْيَتِيمِ  
 عَقُودًا مِنَ الْجَنَّةِ وَآتَةٌ تَكْفَعُ  
 مِنَ النَّارِ وَتُخْرِجُ مِنْ حَرِّهَا وَسَاءِ  
 فِيهَا سَارِقُ الْجَنَّةِ وَكُلُّ مَرْأَةٍ أَلَّتْ  
 وَطَعَتِ الْهَرَّةَ حَتَّى مَاتَتْ وَدَايَ فِي الْجَنَّةِ  
 أَمْرَأَةٌ مُؤَمِّسَةٌ سَقَتِ الْكَلْبَ وَمَعْلُومٌ  
 أَنَّ تِلْكَ الْمُسَافَةَ لَا تَسْعُ لِلْجَنَّةِ وَالنَّارِ  
 بِأَجْسَادِهِمَا الْمَعْلُومَةُ عِنْدَ الْعَامَّةِ  
 وَقَالَ حَقَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَايِدِ وَحَقَّتِ  
 النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ

برس رہے ہیں جس طرح بادل کے قطرے۔ اور آنحضرت  
 نے معراج کی حدیث میں فرمایا کہ چار نکات پرین نظر میں  
 دو نہیں اندر تھیں اور دو باہر ہیں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ  
 کیا ہو اوسے اندر کی نہرین تو جنت کی ہیں اور باہر کی نہیں  
 اور فرات ہیں اور آنحضرت نے کسوں کی ناز کے متعلق  
 فرمایا کہ بہشت اور دوزخ میں سے جسے مجھ کے لائی گئی اور  
 ایک دامت میں جو کہ سرے اور قبلہ کی دیوار کے بیچ میں  
 بہشت اور دوزخ میں ہو کر آئیں میں جو اٹھ بھلائے کہ بہشت میں سے  
 انکو رکھا ایک شہ توڑوں لیکن دوزخ کی گرمی کی بہشت سے  
 رک گیا۔ اور حدیث میں ہو کہ آنحضرت نے حاجیوں کے چور کو اور  
 ایک عورت کو دوزخ میں دیکھا جسے ایک بی کو باندھ کر ڈالا  
 تھا اور ایک فاحشہ عورت کو بہشت میں دیکھا جسے گئے کو  
 پانی پلایا تھا، اور یہ ظاہر ہے کہ بہشت اور دوزخ کی وسعت  
 جو عام لوگوں کے خیال میں ہے وہ اس قدر صافست (یعنی  
 کعبہ کی چار دیواری) میں نہیں سما سکتی اور حدیث میں  
 ہے کہ بہشت کو کرواتے اور دوزخ کو شہوت نے  
 چارہ بن طرنت سے گھیر لیا ہے،

ثُمَّ أَمَرَ جِبْرِيلَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهِمَا وَقَالَ  
 يَنْزِلُ الْبَلَاءُ فَيُعَالِجُهُمَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ  
 خَلَقَ اللَّهُ الْعَقْلَ فَقَالَ لَهُ أَقْبِلْ فَأَقْبَلَ  
 وَقَالَ لَهُ ادْبُرْ فَادْبُرَ وَقَالَ هَذَا لَكَ كِتَابُ  
 مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ الْحَدِيثُ وَقَالَ  
 يُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ كَأَنَّهُ كَبُشٌّ فَيَذْبُحُ  
 بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَقَالَ تَعَالَى  
 فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ الرُّوحَ فَاقْتَسَلَ لَهَا  
 بَشَرًا مِثْلًا وَاسْتَفَادَ فِي الْحَدِيثِ  
 أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُظْهِرُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَتَرَأَى لَهُ فِيمَا لَا يَرَاهُ  
 سَائِرُ النَّاسِ وَأَنَّ الْقَبْرَ يَفِيحُ سَبْعِينَ  
 ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ أَوْ يَضْمُ حَتَّى تَخْتَلِفَ  
 أَصْلَاحُ الْمُقْبُورِ وَأَنَّ الْمَلَائِكَةَ تَنْزِلُ  
 عَلَى الْمُقْبُورِ فَتَسْأَلُهُ وَأَنَّ عَمَلَهُ يَمْتَلُ  
 لَهُ وَأَنَّ الْمَلَائِكَةَ تَنْزِلُ إِلَى الْمُخْتَصِرِ  
 بِأَيْدِيهِمَا الْحَرِيرَ أَوْ الْمَسْمُومَ

پھر جبریل کو خدا نے حکم دیا کہ دو لوگوں کو دیکھیں اور حدیث  
 میں جو کہ بلا ترقی ہو تو دعا اسکا توڑ کر تی ہو، اور حدیث  
 میں جو کہ خدائے عقل کو پیدا کیا اور اس کو کہا کہ آگے آ  
 تو وہ آگے آئی، پھر کہا کہ پیچھے ہٹ تو ہٹ گئی اور حدیث  
 میں جو کہ یہ دونوں کتابیں پروردگار عالم کی طرف سے  
 ہیں انہی اور حدیث میں جو کہ موت ایک زندہ کی شکل  
 میں لائی جاتی ہے، پھر روزِ آخر اور بہشت کے درمیان  
 فزع کرو بجائے گی،

اور خدا نے فرمایا کہ ہم نے روحِ مریم کے پاس بھیجی  
 تو وہ ہمارے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بن کر آئی، اور  
 حدیث ثابت ہوتا ہے کہ جبریل آنحضرت کے سامنے آتے  
 تھے اوصاف سے باتیں کرتے تھے اور کوئی انکو نہیں دیکھتا تھا  
 اور حدیث میں جو کہ قبر ہوتا اور نہ تھا دگر چوڑی ہوجاتی  
 ہے یا اس قدر بڑھتی ہے کہ مردہ کی پسیان بھر کس  
 ہوجاتی ہیں۔ اور حدیث میں جو کہ فرشتے قبر میں آتے ہیں اور  
 مردہ کو سوال کرتے ہیں اور مردہ کا عمل ہمہ ہر ایک کے سامنے  
 آتا ہے اور نزع کیا حالت میں فرشتے حریر یا گزی کا پٹرا

وَأَنَّ الْمَلَائِكَةَ تَصَرَّبُ الْمَقْبُورَ مُطَرِّقَةً مِّنْ  
 حَيْثُ يَدُ فَيَقِيصُ صِيحَةً لِّسَمْعِهَا مَا بَيْنَ  
 الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَسْلُطَ عَلَى الْكَافِرِ فِي قَبْرِهٖ  
 سِتَّةٌ سَعُونَ تَنِينَ تَهْمِسُهُ وَتَلِدُ عَنْهُ  
 حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ وَقَالَ إِذَا دَخَلَ اللَّيْلُ  
 الْقَبْرُ مَثَلَتْ لَهُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوبِهَا فَيُجَلِّسُ  
 يَمْسُحُ عَيْنَيْهِ وَيَقُولُ دُعُونِي أَوْتِلُّوا مِنِّي  
 فِي الْحَدِيثِ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَجْعَلُ الْبَصُورَ كَثِيرَةً  
 لِأَهْلِ الْمَوْقِفِ وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ يَدُخُلُ عَلَى رِجْلَيْهِ وَهُوَ عَلَى كُرْسِيِّهِ  
 وَأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُكَلِّمُ ابْنِ آدَمَ شَفَاهَا إِلَى  
 غَيْرِ ذَلِكَ مِمَّا لَا يُحْصَى كَثْرَةً قَالَتَا طَرَفِي  
 هَذِهِ الْأَحَادِيثُ بَيْنَ إِحْدَى ثَلَاثِ أَمَّا  
 أَنْ يُقَرَّرَ دَخَا هِرَهَا فَيَضْطَرُّ إِلَى اثْبَاتِهَا  
 وَكَرَرِهَا شَأْنَهُ وَهَذِهِ هِيَ الَّتِي يَتَضَيِّعُهَا  
 قَاعِدَةُ أَهْلِ الْحَدِيثِ،

لیکھتے ہیں، اور فرشتے مردہ کو لوہے کے گزری جاتے ہیں  
 مردہ شور کرتا ہے اور اس کے شور کی آواز مشرق سے مغرب  
 تک کی چیزیں سنتی ہیں اور حدیث میں ہے کہ قبر میں کافر  
 کے اوپر نالوں سے اڑ رہے مسلط ہوتے ہیں جو اس کو کاٹتے  
 ہیں تا بہ قیامت۔ اور حدیث میں ہے کہ جب قبر میں آتا  
 ہے تو اس کو نظر آتا ہے کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے اور وہ اس  
 بیٹھا ہے اور کہتا ہے کہ ٹھہر میں نا رہ رہوں۔ اور حدیث میں  
 اکثر جگہ آیا ہے کہ قیامت میں خدا بہت سی مخلوق کو زمین  
 لوگوں کے سامنے جلوہ گر ہوگا۔ اور آنحضرت خدا کے پاس  
 اس حالت میں جائیں گے کہ خدا اپنی کرسی پر بیٹھا ہوگا اور  
 یہ کہ خدا انسانوں سے بالمشافہ بات چیت کرے گا اس قسم  
 کی اور بہت سی حدیثیں ہیں جنکا خلافت میں ہو سکتا ہے  
 ان حدیثوں کو جو شخص دیکھے گا ان باتوں میں سے ایک  
 نہ ایک بات کہو مانتی پڑے گی یا تو ظاہری معنی مراد لے اور  
 اس صورت میں کہو ایک ایسے عالم کا قائل ہونا پڑے گا  
 جسکی کیفیت ہم بیان کر چکے (یعنی عالم مثال) اور یہ حدیث  
 وہ جو اہل حدیث کے قاعدے کے مطابق ہے چنانچہ

نَبَّهَ عَلَىٰ ذَٰلِكَ السَّيِّئُ عَلَىٰ سَمْعِهِ اللَّهُ تَعَالَىٰ  
وَبَعَا أَقُولُ وَإِلَيْهَا أَدْهَبُ أَوْ يَقُولُ  
لَا هَٰذَا أَوْ قَالُ تَتَرَامِي لِحَيْثُ الرَّائِي  
وَتَمَثَّلُ لَهُ فِي بَصِيرَةٍ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ خَارِجَ  
حَيْثِهِ وَقَالَ يَنْظُرُ إِلَيْكَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ  
مَسْعُودٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَىٰ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ  
بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ائْتُمَّا صَابِعُكُمْ جَدًّا  
فَكَانَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ نِيرًا  
كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ مِنَ الْجُوعِ وَيُذَكِّرُ  
عَنِ ابْنِ الْمَاجِشُونِ أَنَّ كُلَّ حَدِيثٍ  
جَاءَ فِي السَّقْلِ وَالرُّوْيَةِ فِي الْحَدِيثِ مُعْتَدًا  
أَنَّهُ يُغَيِّرُ أَبْصَارَ خَلْقِهِ فَتَيَرُونَهُ  
تَارَةً لَا مُجَلِّيًا وَيُسَاجِي خَلْقَهُ  
وَيُخَاطِبُهُمْ وَهُوَ غَيْرُ مُتَغَيِّرٍ عَنْ  
عَظَمَتِهِ وَلَا مُسْتَقِلٍّ لِّبَعَالِكُمُوهَا  
اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ أَوْ يُجْعَلُهَا  
مَثَلًا لِّتَفْهَمَ مَعَانِي احْتِرَافِي

سیوطی نے اسی طرف اشارہ کیا ہوا وہ خود میری بھی اسی  
رہے اور یہی مذہب ہے، یا اس بات کا قائل ہو کر دیکھنے والے  
کے حاشہ میں واقعات کی یہی شکل ہوگی اور اس کی نظر  
میں وہ اسی طرح جلوہ گر ہونگے، اگر اسے حاشہ باہر نکال دو  
نہو چنانچہ قرآن مجید میں جو آیا ہو کہ آسمان میں من و من  
دہلوان نکلا آئیگا، اس کے معنی حضرت عبداللہ بن مسعود نے  
اسی کے قریب قریب یہ ہیں یعنی یہ کہ گو کچھ قحط پڑتا  
تو جب کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو اسکو بھوک کیوجہ  
آسمان دہلوان سا معلوم ہوتا تھا، ابن ماجشون،  
مشہور محدث تھے، اس مروی ہو کہ بن حدیث بن خدا کے  
مخبر نے اور مروی ہونیکا ذکر ہوا اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا غلو فوات کی  
نظر میں ایسا تغیر پیدا کر دیا کہ وہ خدا کو ایسی حالت میں دیکھنے  
کہ وہ اگر راہ ہوا اور تجلی کر راہی، اور پھر بندوں کے گفتگو اور خطا  
کر راہی، حالانکہ خدا کی چرسان ہونے آئین تغیر ہو گا نہ خدا  
منتقل ہو گا، اور یہ اس لیے ہو گا کہ گو گن ان میں کہ خدا ہر چیز  
قادر ہو تیری صورت یہ ہے کہ یہ بابتیں بطور مثال کہ بیان  
کی گئی ہیں، اور مطالعہ ذہن نشین کرنا مقصود ہے

لیکن جو شخص، صرف اسی احتمال پر بس کرتا ہو میں اسکو  
اہل حق میں سے شمار نہیں کرتا،

وَكَسَتْ أَرْمَى الْمُفْصَصَ عَلَى الثَّالِثَةِ  
مِنْ أَهْلِ الْحَقِّ،

شاہ صاحب ایک اور عالم کے قائل ہیں جس کو وہ عالم مثال اور عالم محسوسات کی بیچ  
بیچ میں قرار دیتے ہیں اور اس کا نام برزخ رکھتے ہیں چنانچہ وحی و رویت ملائکہ معراج نبوی  
براق، سدرۃ المنتہی، انہار جنت وغیرہ ان سب واقعات کی تفسیر اسی عالم کی بنا پر کی ہو  
حجۃ اللہ بالآئمہ میں جہان آنحضرت کی سیرت لکھی ہے، وحی کی نسبت پہلے یہ حدیث نقل کی ہو  
کہ آنحضرت پُر وحی کبھی تو اس طرح آتی تھی کہ گھنٹہ کی سی آواز سنائی دیتی تھی اور کبھی فرشتہ مجسم ہو کر  
نظر آتا تھا، پھر اس کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے،

باقی مصلصہ (گھنٹہ کی آواز) تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ  
حواس پر جب کسی قوی تاثیر کا مدد مہینچتا ہو تو وہ تشویش  
ہو جاتا ہے تو قوت بصارت کی تشویش یہ ہو کہ سرخ زرد  
بزرنگ نظر آئیں یہ اور قوت سمیع کی تشویش یہ ہو کہ ہم  
آوازیں سننے میں آئیں مثلاً طنین مصلصہ ہر ہمہ  
پھر جب اثر پورا ہو چکا ہو تو علم حاصل ہو جاتا ہو یا قی  
فرشتہ کا مجسم بن کر آتا تو یہ اس علم کی بات ہی جس میں عالم مثال  
اور عالم شہادت کے بعض آثار جمع ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے

أَمَّا الصَّلْصَلَةُ فَحَقِيقَتُهَا أَنَّ الْخَوَّاهِلَ ذَا  
صَادِمَهَا تَأْتِي قُوَّةً تَشْوِشُ تَشْوِشَ  
قُوَّةِ الْبَصَرِ أَنْ يَرَى أَلْوَانَ الْحُمْرِ وَالْأَصْفَرِ  
وَالْخَضَرِ وَتَشْوِشُ قُوَّةِ السَّمْعِ أَنْ يَسْمَعَ  
أَصْوَاتًا مُبْهِمَةً كَالطَّنِينِ وَالصَّلْصَلَةِ وَ  
الْهَمْزَةِ فَإِذَا تَمَّ الْأَثَرُ حَصَلَ الْعِلْمُ وَأَمَّا  
الْتِمَثلُ فَهُوَ فِي مَوْطِنٍ يَجْمَعُ بَعْضُ أَحْكَامِ  
الْمِثَالِ وَالشَّهَادَةِ وَلِذَا أَلَيْكَ،

کہ فرشتے بعض کو نظر آتا تھا اور بعض کو نہیں،

کان یری الملک بعضہم دون بعض

پھر معراج کے متعلق لکھتے ہیں،

وَكُلُّ ذٰلِكَ لِجَدِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي  
الْيَقِظَةِ وَلكِنْ ذٰلِكَ فِي مَوْجِئِهِ وَبَرْدِ مَيْمَنِهِ  
الْمِثَالِ وَالشَّهَادَةِ جَامِعِ رَحْمَتِهِمْ أَنْظَرَهُ عَلَى الْحَيْكَةِ  
أَحْكَامِ الرُّوحِ وَمَثَلِ الرُّوحِ وَلَمَّا كَانِ الرُّوحُ حَيَّةً  
جَسَادًا وَلَدَى الْإِلَهِ بَانَ كُلُّ وَاقِعٍ مِنْ ثَلَاثِ  
الْوَقَائِعِ تَعْبِيرًا وَقَدْ ظَهَرَ لِحُجْرَتَيْ قَيْلٍ وَمُوسَى وَعَلِيٍّ  
حَلِيمٌ أَسْلَمَ عَنْهُمْ ثَلَاثَ الْوَقَائِعِ وَلَكِنْ لِكُلِّ ذٰلِكَ كَلَامٌ

اور یہ سب واقعات آپ کے جسم پر حالت بیداری میں گذرے  
لیکن اُس عالم میں جو مثال و شہادت کے بیچ بیچ میں ہے  
اور دونوں کے آثار کا جامع ہے، تو جسم پر روح کے واقعات  
ظاہر ہوئے، اور روح اور روحانی باتیں جسم پر نظر نہیں  
اور اسی وجہ، ان واقعات میں کوہر واقعہ کی لگت ظہیر ظاہر  
ہوئی اور خلیل و حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کو بھی اس کے  
واقعات پیش آئے اور اسی طرح اولیاء کو بھی پیش آتے ہیں  
اس کے بعد انہی اصول پر شاہ صاحب نے براق۔ ملاقات انبیاء۔ عروج افلاک۔ سدرۃ المنتہی  
بیت المعمور وغیرہ کی تشریح کی ہے،

شاہ صاحب کی تقریر اگرچہ نہایت حکیمانہ اور عقائد ہے لیکن کسی قدر غلط بحث ہو گیا  
ہے انہوں نے عالم مثال اور برزخ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ مجازات و استعارات  
کو بھی عالم مثال میں داخل کر لیا ہے۔ مثلاً یہ حدیث کہ قیامت میں موت میٹھی کی صورت میں  
آئے گی اور ذبح کر دی جائے گی، صرف بیان کا ایک پیرایہ ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود  
ہے کہ مابعد الموت پھر موت نہیں، شاہ صاحب اس کو بھی عالم مثال کا واقعہ قرار  
دیتے ہیں،



امام غزالی شیخ الاشراق اور شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان میں جو ہر نئی تفاوت ہے  
اس سے اگر قطع نظر کر لی جائے تو قدر مشترک یہ ہو گا کہ شریعت میں جو امور بظاہر خلاف عقل ہیں  
ان کی حسب ذیل قہمیں ہیں،

۱، اکثر جگہ محض مجاز و استعارہ ہے۔ مثلاً جادات کی تسبیح، آسمان و زمین سے خطاب  
اور انکا جواب۔ ازل میں بنی آدم کا اقرار۔ خدا کا عرش پر شکن ہونا وغیرہ وغیرہ،

شریعت میں جو امور عقل  
عقل نہیں لے سکتا

۲، روحانیات کو جسمانیات کے پیرایہ میں ادا کیا ہے اور یہ طریقہ تمام مذاہب میں مشترک  
ہے، انسان صرف ان چیزوں کا تصور کر سکتا ہے جو اس نے حواس و محسوس کی ہوں اسلئے  
جسمانی چیزوں کا بیان کرنا ہو گا جو آئندہ زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور اس کے تصور سے بالکل  
بالا تر ہیں تو ضرور ہے کہ ان کو جسمانیات کے پیرایہ میں ادا کیا جائے۔ مثلاً موت کے  
بعد جو راحت و رنج ہو گا اس کو بجز اس کے کہ باغ و انہار، اور کرشم و ماسے تعبیر کیا جا سکے اور  
کیا طریقہ ہے، علامہ ابن تیمیہ ٹھٹھٹ ظاہری ہیں لیکن انکو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ،

پھر خدائے پاک نے ہمارے آرام اور رنج کی خبر دی جبکہ  
قیامت میں وعدہ کیا ہے اور وہ اس طرح کہ طعام شراب  
ازواج۔ اور فرش کا ذکر کیا تو اگر اس قسم کی چیزوں کو ہم  
دنیا میں واقف نہ ہو چکے ہوتے تو ان کو عجز و کونکوں کو  
سمجھ سکتے تھے ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ چیزیں دنیاوی چیزوں کو

اِنَّ اللّٰهَ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی اَعْيُنُنَا وَمَا يَدْرِكُهُ  
بِالْاَبْصَارِ وَلَٰكِنْ يُّفَقِّهُ الْفَالِقُ اَحْيَايَا مَيِّتًا  
وَلَيَسَّرُ لِّمَنْ يَّشَاءُ غَيْبٌ ذٰلِكَ فَفَلَوْلَا مَعْنٰى  
ذٰلِكَ فِى الْاٰيَاتِ لَمْ يُفْهِمُوْا مَا وَعَدَ تَاٰبِہٖ

وَلَنَحْنُ لَكُمْ مَعَ ذٰلِكَ اِنَّ تِلْكَ الْحَقَاقِیْنَ

بہ رسالہ شرح حدیث نزول۔

لَيْسَتْ مِثْلَ مَا حَقَّقَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَيْسَتْ  
فِي الدُّنْيَا مِثْلًا فِي الْجَنَّةِ إِلَّا الْأَسْمَاءُ،

نہیں ہیں یا ان تک حضرت ابن عباس کا قول ہو کر دینا اور آخرت  
کی چیزوں میں نام کے علاوہ کسی چیز میں مشارکت نہیں۔

مولانا روم نے جسے بڑھکر شریعت کا راز دان، کون ہو گا، اس مضمون کو مختلف موقع پر  
ہدایت عمدہ مثالوں کے ذریعہ سے ادا کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں،

بیچ مہیات اوصاف کمال کس ندانند جز بہ آثار و مثال

طفل ماہیت ندانند طشت را جز کہ گوی ہست چون حلوا ترا

طفل را نبود زوطی زن خبر جز کہ گوی ہست آن خوش چون شکر

کے بود ماہیت ذوق جماع مثل ماہیات حلوا۔ اے مطاع

لیک نسبت کرد از روے خوشی با تو آن عاقل کہ تو کو دکوشی

ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ جب کوئی استاد کسی بچہ کو تعلیم دینا چاہتا ہے تو اس کو بچہ کی زبان  
میں باتیں کرنی پڑتی ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔

بہر طفل نو۔ پدر۔ تی تی، کند گرچہ عقلش ہند نہ گیتی کند

کم نگر و فضل استاد از علو گر الف چیز ہے نادر و گویا و

از پے تعلیم آن بستہ دہن گویا و خطی و ہونہ کلن

در زبان او بساید آمدن از زبان خود برون باید شدن

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں،

لہٰذا یعنی الف خالی ب کے بیٹ میں ایک نقطہ

چون کہ باکودک سر دکارت قناد ہم زبان کو دکان باید کشاد  
 کہ برو کتاب۔ تا مرغت خرم یا موز و جوز و سق آدم  
 (۱۲) وہ روحانیات یا معانی ہیں جو انہیا کو جسمانی صورت میں محسوس ہوتی ہیں یہی چیز  
 ہے جس کو شاہ ولی اللہ صاحب اور شیخ الاشراف، عالم مثال، اور عالم اشباح سے تعبیر  
 کرتے ہیں اور امام غزالی اسکا نام تمل خیالی رکھتے ہیں، اور چونکہ یہی صورت کثیر التوقع ہے  
 اور چونکہ ملاحظہ کو اسی پر زیادہ اعتراض ہے۔ اس لیے ہم اسکو زیادہ توضیح اور تفصیل سے  
 لکھتے ہیں،

سب سے پہلے یہ ظاہر کرنا ہے کہ علوم موجودہ اور فلسفہ، حال کے رو سے اس احتمال  
 پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ تمل خیالی کی حقیقت جو امام غزالی نے بیان کی وہ یہ ہے  
 کہ معانی متمل ہو کر نظر آتے ہیں اور آوازیں اور باتیں سنائی دیتی ہیں جیسا کہ خواب میں ہوتا ہے  
 خواب کی حالت میں تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اب اس پر غور کرنا چاہیے کہ خواب میں یہ حالت  
 کیون پیش آتی ہے، اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ خواب میں حواس ظاہری معطل ہوتے ہیں  
 اور روح یا نفس، یا قوت تخیلہ تنہا کام کرتی ہے، اب اگر کسی شخص کو بعض اوقات استغراق اور  
 محویت کی وجہ سے بیداری میں بھی خواب کی حالت طاری ہو تو اس قسم کے امور کا محسوس ہونا  
 کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ان محسوسات کو ہم محسوسات عام نہیں کہتے جن کی بنا پر یہ لازم آئے  
 کہ وہ ادرون کو بھی محسوس ہوں، بلکہ وہ خاص انبیا اور اولیاء کے حواس کے ساتھ مخصوص ہیں  
 اور اس صورت میں ان امور کا عام طور پر محسوس ہونا ضرور نہیں، اسی نکتہ کو مولانا روم نے

ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

فلسفی کو منکر خدا است از جو اس انبیا بیگانہ است

نطق خاک و نطق آب و نطق گل ہست محسوس حواس اہل دل

امام غزالی اور دیگر محققین نے اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور چون کہ یا یک نہایت نازک نکتہ ہے جس میں سے ذرا سے تغیر سے اصل حقیقت کی صورت بدل جاتی ہے، اس لیے ہم ان محققین کے اصلی الفاظ نقل کرتے ہیں، اور خود صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

مقاصد المراد میں ہے

فِي الرُّكُوبِ وَالرَّحَى وَالْأَلْمِ وَالْمَخْبَرِ وَالْكَرَامَةِ عَلَى رَأْيِ الْمُحْكَمِ

وہی اور امام  
دیگر کی حقیقت  
مکملہ اسلام کی  
رہ کے مطابق

جاننا چاہیے کہ انسان میں ایک قوت ہے جس میں محسوسات کی صورتیں جمع ہوتی ہیں کیونکہ انسان شیرینی کی نسبت کتنا ہی کہ وہ سفید ہے تو اگر کوئی ایسی قوت موجود نہیں جو میں محسوسات جمع ہوتے ہیں تو یہ ممکن نہ ہو سکتا کیونکہ جب کوئی حکم دیا جائے تو محکوم علیہ اور محکوم بہ دونوں کا موجود ہونا ضروری ہے جس قوت کا نام حس مشترک ہی کہیں محسوسات کی صورت، اور طریقے سے انفاش ہوتی ہے،

ایک یہ کہ اس ظاہری معنی سے بعد از اس، اشارہ

وَأَعْلَمُ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَهُ قُوَّةٌ يَجْمَعُ فِيهِ صُورَاتُ الْأَحْشَوَاتِ لِأَنَّهُ يَحْكُمُ عَلَى هَذِهِ الْحَوَايَا أَنَّهُ بَيْضٌ وَكَوْنُهُ بَيْضٌ لَهُ قُوَّةٌ يَجْمَعُ فِيهَا هَذِهِ الْأَحْشَوَاتُ لَا تُشْكَالُ هَذِهِ الْحُكْمُ وَبِدُونِ حُضُورِ الْحُكْمِ عَلَيْهِ وَالْحُكْمُ بِهِ وَبِهِ وَبِهِ هَذِهِ الْقُوَّةُ بِالْحِسِّ الْمُشْتَرَكِ وَيَنْطَبِعُ فِيهَا صُورَاتُ الْأَحْشَوَاتِ بِطَرِيقَيْنِ،

أَحَدُهُمَا أَنْ يُحَاوِلَ لَهَا الْقُوَّةُ الَّتِي فِيهَا الْقُوَّةُ

اسی عبارت ہم نے نقل کی ہے وہ فیض راغب پاشا سے منقول ہے دیکھو کتاب لغز غفر (۱۱۷) ص ۱۱۷ ملاحظہ ہو کہ امام غزالی

وَاللَّهُ وَفِي وَالْفَسُّ نَأْخُذُ صُورَةَ الْحُسُوسَاتِ  
وَتَوَدُّ نَحْنًا إِلَى الْحُسْنِ الْمُشْتَرَكِ وَالثَّانِي أَنَّ  
فِي الدِّمَاغِ فِي مَخِيلَةٍ مِنْ شَأْنِهَا تَرْكِيبُ الصُّوَرِ  
وَتَفْصِيلُهَا وَهِيَ الَّتِي تَرْكِبُ رَأْسَيْنِ عَلَى بَدَنِ نِسَاءٍ  
حَتَّى يَقْصُلَ صُورُهُمَا لِنَسَانٍ وَهِيَ رَأْسَيْنِ وَتَقْصِلُ  
رَأْسَ الْإِنْسَانِ عَنْ بَدَنِهِ حَتَّى يَقْصُلَ نَصُورُ  
الْإِنْسَانِ عَنِ الرِّأْسِ وَهَذَا إِذَا رَكِبَتْ  
مِنْ الصُّوَرِ وَوَرَدَتْ عَلَى الْحُسْنِ الْمُشْتَرَكِ تَصِيرُ  
مُشَاهِدَةً لِمَنْ شَاءَ هَذِهِ الصُّوَرُ الْخَارِجِيَّةُ  
لَكِنَّ الصُّوَرَ الَّتِي فِي الْخَارِجِ لَمْ يَكُنْ مُشَاهِدَةً  
لِكُلِّهَا خَارِجِيَّةً بَلْ لِكُلِّهَا سَطِيعَةً فِي الْحُسْنِ الْمُشْتَرَكِ  
فَبَلَدُ الصُّوَرِ الَّتِي رَكِبَتْهَا إِذَا وَرَدَتْ عَلَى  
الْحُسْنِ الْمُشْتَرَكِ صَادَتْ مُشَاهِدَةً وَإِذَا  
ثَبَتَتْ هَذَا أَقُولُ إِنَّ الصُّوَرَ الَّتِي يَرَاهَا  
النَّاسُ هُيَوتُ إِيمَانُ تَكُونُ مُوجُودَةً فِي  
الْخَارِجِ أَوْ لَا وَإِلَّا وَلَّ بَاطِلٌ  
وَكُلُّهَا نَحْنُ كُلِّ مَنْ كَانَ سَلِيمٌ الْحُسْنِ

ذائقہ لاسرہ محسوسات کی صورتیں ملکیں مشترک پاس پہنچائیے  
ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دماغ میں ایک قوت خیلہ ہوگا  
کام یہ ہو کہ صورتوں کو ترکیب دیتی ہے اسی قوت کا کام ہو کہ  
ایک آدمی کے بدن پر دوسرے فرض کرتی ہو یہاں تک کہ ایک  
ایسے انسان کی صورت بن جاتی ہے جس کے دوسرے  
اور اسی کام ہو کہ انسان کے سر کو جدا کرتی ہو یہاں تک  
کہ ایک ایسا انسان شکل ہو جاتا ہو جس کے سر میں یہ قوت  
جب صورتوں کو ترکیب کرے مشترک کے پاس حاضر کرتی ہو  
تو وہ صورت نظر کرنے لگتی ہے جس طرح کہ خارجی صورتیں نظر  
آتی ہیں کیونکہ خارجی صورتوں کے نظریہ کی یہ چیز نہیں کہ  
دو خاصیت میں موجود ہیں بلکہ یہ وجہ ہے کہ وہ حسن مشترک میں  
منقش ہیں۔ تو یہ صورتیں جنکو قوت خیلہ نے ترکیب کیا ہو جب  
حسن مشترک کے سامنے آتی ہیں تو نظر آنے لگتی ہیں اور جب  
یہ ثابت ہوا تو ہم کہتے ہیں یعنی اب اصل مقصد کو ثابت  
کرتے ہیں کہ خواب میں جو صورتیں نظر آتی ہیں وہ وہ  
حالت عالی نہیں یا خارج میں موجود ہیں یا نہیں پہلا  
احتمال یہ ہے کہ کیونکہ خارجی میں وہ وجود ہوتی ہیں صریح الحس

وَحَدِيثُ مَنْ يَرَاهُ دَلَّ عَلَى أَنَّهُ مِمَّنْ تَرَكِبُ الْقُوَّةَ  
الْمُتَخَيَّلَةَ وَهَذِهِ الْقُوَّةُ لَوْ خَلِيتُ وَطَبَعُهَا  
لَصَدَّ هَذَا الْفِعْلُ دَائِمًا وَإِنَّمَا لَا يَصْدُرُ  
مِنْهَا هَذَا الْفِعْلُ لِأَمْرَيْنِ أَحَدُهُمَا اسْتِغْنَاءُ  
الْحِسِّ الْمُشْتَرَكِ بِالصُّورِ الْوَارِدَةِ عَلَيْهِ مِنْ  
خَارِجٍ وَالثَّانِي تَسَلُّطُ النَّفْسِ لِنَاطِقَةِ عَلَيْهَا  
بِصَبْطٍ فَإِذَا زَالَ الْمَانِعَانِ أَفْأَحَدُهُمَا  
صَدَرَ مِنْهَا هَذَا الْفِعْلُ وَالْمَانِعُ الْوَلَدُ  
بِالنُّومِ فَإِنَّ الْحَوَائِذَ انْعَطَلَتْ بِالنُّومِ بَقِيَ  
الْحِسُّ الْمُشْتَرَكُ كَلِيًّا عَنِ الصُّورِ الْوَارِدَةِ عَلَيْهِ  
مِنْ خَارِجٍ وَالْمَانِعُ الثَّانِي يُرْوَلُ بِالْمِنْ فَإِنَّ  
النَّفْسَ فِي حَالَةِ الْمِنْ تَكُونُ مُسْتَوَلَّةً بِجَهَةِ فَتَسَلُّطُ  
الْمُتَخَيَّلَةَ عَلَى تَرْكِيبِ الصُّورِ وَتَطْبَعُ بِذَلِكَ الْقُوَّةَ  
فِي الْحِسِّ الْمُشْتَرَكِ فَتَصِيرُ مِثْلَ هَذِهِ

آدمی کو نظر آتین، اس لیے معلوم ہو کہ خارج میں موجود ہیں  
بلکہ قوت تخیلہ کا فعل ہے، قوت تخیلہ اگر اپنی اصلی حالت پر  
رہنے پائے تو فعل ہمیشہ اس سرزد ہو لیکن دو چیز میں  
مانع ہو جاتی ہیں ایک یہ کہ حس مشترک میں صورتوں کے  
قبول کرنے میں مشغول ہو جاتا ہو یا ہرگز آتی رہتی ہیں  
دوسرے یہ کہ نفس ناطقہ قوت تخیلہ کو دبا لیتا ہے، تو جب  
یہ دونوں مانع، یا ایک ناکل ہو جاتا ہو تو قوت تخیلہ سرزد  
فعل سرزد ہونے لگتا ہو پہلا مانع نیند کی حالت میں ناکل جاتا  
ہے کیونکہ جب نیند کی وجہ سے حواس معطل ہو جاتے  
ہیں تو حس مشترک خارجی صورتوں سے خالی ہو جاتا ہے  
دوسرا مانع بیماری کی حالت میں ناکل ہو جاتا ہے کیونکہ  
بیماری کی حالت میں نفس مرض کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے  
تو اس حالت میں قوت تخیلہ صورتوں کو ترکیب نہ کر سکتی ہے  
اور یہ صورتیں حس مشترک میں اگر مشاہدہ ہو جاتی ہیں

### وَأَمَّا الْوَحْيُ وَكُلُّهَا مِمَّا

باقی وحی اور الہام تو ان کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ  
جب اس قدر قوی ہوتا ہو کہ باوجود اشتغال بدن کے

فَا النَّفْسُ لِنَاطِقَتِهَا كَأَنَّهُ تَوَيْتُ بِحَيْثُ أَمَّ  
لَكِنْ اسْتِغْنَاءُهَا بِأَيْدِنِ مَا أَمَّا مِمَّنْ لَا يَصَالُ

بِالْمَبَادِی الْقَدَرِیَّةِ دَکَاثُ الْمَخْلَقَةِ وَتَبَحِیثُ  
تَقْوَى عَلَى اسْتِغْرَاضِ الْحَسَنِ الْمُشْتَرِكِ عَنْ  
الْخَوَاصِّ لِنَظَائِرِهِ وَتَصَلَّتْ حَالَةُ الْيَقِظَةِ  
بِالْعُقُولِ الْمُجَرَّدَةِ وَالتَّقْوَى لِسَاوِيَةِ وَحَصَل  
الْعَادَاتُ كَالْمُنْغِیَا عَلَى وَجْهِ كُلِّ شَيْءٍ الْمَخْفِیَّةُ  
تَحَاكُمُ الْبُصُورَةَ حُجْرَتِیَّةً مُنَاسِبَةً لِقَادَرِ  
رَبِّ الْحَسَنِ الْمُشْتَرِكِ فَتَصِيرُ مِثْلَ هَذِهِ الْمُحْصُوسَةِ  
وَقَدْ یَعْرِضُ بَعْضُهُمْ أَنَّ تِلْكَ تَمَعُّ كَلَامًا  
مَنْظُومًا أَوْ لِسَانًا هَذَا مَنْظَرٌ أَبْهَاتٌ عَاطِلٌ  
بِطَرَامٍ مَنْظُومٍ فَمَا یَتَعَلَّقُ بِأَحْوَالِهِ كَوَالِهَا مِنْ

مبادی قدیریہ سے متصل ہو سکتا ہے اور اس کے ساتھ قوت  
تخیل اس قدر قوی ہوتی ہے کہ جس مشترک کو جس ظاہری  
سے نجات دے سکتی ہو نفسِ ناطقہ، بیداری کی حالت میں  
بھی عقول مجرودہ اور نفوسِ ساویہ سے متصل ہو جاتا ہو  
اسکو غیب کی باتوں کا ادراک کلی طور پر ہوتا ہو پھر قوت تخیل  
اس کے شاہد ایک جزئی صورت پیدا کر لیتی ہو یہ صورت  
جس مشترک میں اکثر کثرت ہوا در محسوس ہو جاتی ہو، اور ہرگز  
یہ نہیں آتا ہو کہ وہ مسلسل کلام سنتی ہیں یا کوئی بھی صورت  
دیکھتے ہیں جو ان سے مسلسل لفاظ کے ذریعہ باتیں کرتی  
یہ باتیں یا خود انہی کے متعلق ہوتی ہیں یا ان کے تعلقات کے متعلق

امام غزالی نے معارج القدس میں نبوت کے عنوان سے جو بسیط مضمون لکھا ہے اس میں  
ایک فصل نبوت کے خواص میں لکھی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں،

امام غزالی کی  
کئی بیجاہ قدس  
میں وحی کی حقیقت

بَيَانُ خَوَاصِّ النَّبَوَّةِ -

نبوت کے خواص کا بیان

وَلَهَا خَوَاصٌّ ثَلَاثٌ - أَحَدُهَا تَابِعَةٌ

نبوت کے تین خاصہ ہیں - ایک خاصہ قوت تخیل اور

قُوَّةُ التَّخَيُّلِ وَالْعَقْلِ الْعَمَلِ -

قوت عقلی عملی کا تابع ہے،

اس خاصہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، اس میں سے جو عبارت یہاں درج کے

قابل ہے حسب ذیل ہے،

ثُمَّ لَآتِ الْمُتَفَلِّتَةَ لِفَعْلٍ مِثْلٍ مَا يَفْعَلُ فِي حَالِ التَّوَدُّيَا  
 الْحَاجَّةُ إِلَى التَّغْيِيرِ بَانَ يَأْخُذُ بِتِلْكَ الْأَحْوَالِ  
 وَيُحَاكِهَا وَيَسْتَوِي عَلَى الْحَيَاةِ حَتَّى يُؤْتِرَ مَا يَتَخِيلُ  
 فِيهَا مِنْ تِلْكَ فِي وَتَوْءٍ بِنِطَاسِيَا بَانَ مِنْ طَبْعِ  
 الصُّوَرِ الْحَاصِلَةِ فِيهَا فِي الْبِنِطَاسِيَا الْمَشَارَكَةِ  
 فَيَسْأَلُ هَذِهِ صُورًا إِلَهِيَّةً عَجَبِيَّةً مُرَكَّبَةً وَأَقَاوِيلَ  
 إِلَهِيَّةً مَسْمُوعَةً مِثْلُ تِلْكَ الْمَسْدُوكَاتِ  
 الْوَحْيِيَّةِ وَهَذَا أَدْوَنُ دَرَجَاتٍ لِمَعْنَى الْمُسْتَعْمِلِ  
 بِالْبُتُوءِ وَأَقْوَمَى مِنْ هَذَا أَنَّ يَسْتَشْبِثَ تِلْكَ  
 الْأَحْوَالَ وَالصُّوَرِ عَلَى هَيْئَتِهَا مَا لَمْ يَلْقُوهَا لَلْفُؤِ الْخَيْلِ  
 عَنْ لَانِصَرِافٍ إِلَى الْحَاكَاتِ بِأَشْيَاءٍ أُخْرَى  
 وَأَقْوَمَى مِنْ هَذَا أَنَّ يَكُونَ الْمَتَخِيلَةُ مُسْتَمِرَّةً  
 فِي الْحَاكَاتِ وَالْعَقْلُ الْعَمَلِيُّ وَالْوَهْمُ لَا يَحْتَلِفَانِ  
 حَتَّى اسْتَشْبَاهَا فَيَلْبَثُ فِي الذَّاكِرَةِ مَصُورَةً مَا  
 اخَذَتْ وَيَقْبَلُ الْمَتَخِيلَةُ عَلَى بِنِطَاسِيَا وَلِجَانِ فِيهِ  
 فَاقْبَلَتْ بِصُورَةٍ عَجَبِيَّةٍ وَمُبْصَرَةٍ وَتَوَدُّوِيَّ كُلِّ وَاحِدٍ

بہر قوت تخیل دہی عمل کرتی ہو جو تعبیر طلب خواب کی حالت  
 میں کرتی ہو یعنی یہ کہ ان واقعات کو لیتی ہو اور انکی نقل  
 اُتارتی ہو، اور قوت حسیہ پر چھبائی ہو یا تاکہ یہ تخیل  
 قوت حس پر اس قدر اثر ڈالتا ہے کہ قوت تخیل میں جو صورتیں  
 تعین وہ جس مشترک میں اُتراتی ہیں تو اس حالت میں عجیب  
 عجیبے الی صورتیں نظر آتی ہیں اور خدائی آواز میں آتی  
 دیتی ہیں اور وہ ایسی ہوتی ہیں جسکو کہ وحی کی مدرکات  
 اور یہ اُس وصف جس کو موت کہتے ہیں کمتر درجہ ہے  
 اور اس سے قوی تر یہ درجہ ہو کہ یہ حالات اور صورتیں اپنی  
 ہیئت پر سطح قائم ہو جائیں کہ قوت تخیل کو یہ موقع نہیں  
 کہ وہ دوسری چیزوں کی تصویر برائے تاکہ۔

اور اس سے بھی زیادہ قوی یہ درجہ ہے کہ تخیل برابر اپنا کام  
 کرتی رہے اور قوت عقلیہ اور وہم اسکی قائم کردہ،  
 صورتوں سے اختلاف نہ کریں تو جو صورت تخیل نے قائم  
 کی ہو وہ حافظہ میں رہ جائے گی اور قوت تخیل جس مشترک  
 برائے کر کی گئی یا تاکہ جس مشترک میں جو صورتیں نفس چاہے گی اور ہر ایک

سہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی حس مشترک کے ہیں۔



مِنْهُمْ عَلَى وَجْهِهِ وَهَذِهِ طَبَقَةُ اللَّبَوَاتِ  
الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْقُوَّةِ الْعَقْلِيَّةِ وَالْخِيَالِيَّةِ

اپنا کام اپنے طریقہ پر کر لگی، اور یہ نبوت کا وہ طبقہ ہے جس  
قوت عقلیہ و خیالیہ سے متعلق ہے،

امام صاحب نے اگرچہ اصل مطلب کو بہت ہی سچ دے کر بیان کیا ہے لیکن حاصل وہی ہے جو  
صاحب مقاصد نے صاف صاف لفظوں میں ادا کیا ہے، اس مضمون کو ابو علی سینا کے حوالہ سے ابوالبقا نے  
نہایت مختصر اور جامع و مانع الفاظ میں ادا کیا ہے، چنانچہ تعریفات میں جہان وحی کی تعریف لکھی ہے، لکھا ہے  
فَتَحْنُ نَرَى الْأَشْيَاءَ بِوَسْطَةِ الْحَسِّ وَالْبَنَى  
يَرَى الْأَشْيَاءَ بِوَسْطَةِ الْقُوَى الْبَاطِنَةِ  
وَتَحْنُ نَرَى شَيْءٌ نَعْلَمُ وَالْبَنَى يَعْلَمُ شَيْءٌ يَرَى  
دیکھتے ہیں پھر جانتے ہیں اور پیغمبر جانتا ہی، پھر دیکھتا ہے  
حکیم ابو نصر فارابی، ابو علی سینا وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے لیکن ہم نے ان کی تصریحات اس لیے  
نقل نہیں کیں کہ یہ لوگ مذہبی حیثیت سے معتدلتسلیم نہیں کیے جاتے۔

## اسلام تمدن اور ترقی کا مانع نہیں بلکہ مؤید ہے

یہ پانچواں معیار ہے جس کی رو سے مذہب کی صحت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ منکرین  
مذہب کو جس چیز نے سب سے زیادہ مذہب کا دشمن بنا دیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک  
تمام مذاہب دنیاوی ترقیوں کے سدا رہ ہیں، وہ اس کے وجوہ یہ بیان کرتے ہیں۔

(۱) مذہب عقائد یا تہ تک محدود نہیں رہتا بلکہ ہم جو کچھ کہتے یا کرتے ہیں ہر بات میں

کن کن جہ سے  
مذہب کی بنیاد ترقی  
کا مانع کہا جاتا ہے

دست اندازی کرنا چاہتا ہے، چلنا پھرنا ہونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ایک چیز بھی اسکی حد سے باہر نہیں ہو سکتی۔ ایسے شکجہ میں رہ کر انسان کیونکر ترقی کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن قوموں نے جب ترقی کی، ہمیشہ اس قسم کی مذہبی سخت گیر یوں سے آزاد ہو کر کی۔  
(۲) مذہبی اعمال ایسے سخت ہوتے ہیں کہ ان کی پابندی معاشرت اور تمدن کی ترقی کا موقع نہیں دیتی،

(۳) ہر مذہب دوسرے مذہب والوں کے ساتھ سخت تعصب اور نفرت کی تلقین کرتا جو اسی کا نتیجہ تھا کہ کبھی کسی قوم نے غیر مذہب والوں پر انصاف کے ساتھ حکومت نہیں کی جسکی وجہ سے نوع انسانی کا ایک گروہ کثیر ہمیشہ ذلیل و خوار رہ کر تمدن اور تہذیب محروم رہا۔  
عام مذہب کی نسبت یہ اعتراضات واقعیت سے خالی نہیں لیکن ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مذہب اسلام، ان اعتراضات کا ہٹ ہو سکتا ہے یا نہیں،

یہ باتیں اسلام  
میں نہیں پائی  
جائیں

بے شک، اکثر مذاہب نے انسان کے ہر ہر جزئی فعل کو مذہب کے شکجہ میں جکڑا ہے لیکن اسلام اسی غرض سے آیا کہ اس قسم کی تنگ درزیوں کو مٹا دے۔ یہودیوں کے ہاں ایک ایک چیز مذہب کے شکجہ میں جکڑی ہوئی تھی، خدا نے آنحضرت کی بعثت کا بڑا مقصد یہ قرار دیا کہ یہ قیدین اور بندشیں اٹھا دی جائیں۔

قرآن مجید میں ارشاد کیا۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الَّذِي  
يَخْلُفُ مِنْكُمْ مَكَتُوبًا عَلَيْهِمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ  
جو لوگ کہ پیغمبر اسی کی پیروی کرتے ہیں جسکا نام پر انجیل اور تورات  
اور تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انکو بھی بات کا

يَا مَعْشَرَ الْبَشَرِ اِذْكُرُوا اللّٰهَ الَّذِي كُنْتُمْ تُعْبَدُونَ فَاَنْتُمْ كَوْنٌ مُّشْرِكٌ  
الطَّائِفَاتِ وَيُحْيِيَهُمْ عَلَيْهِمْ نَحْلٌ وَنُصْرَةٌ عَلَيْهِمْ  
اَصْحَابُهُمْ وَالْاَعْدَاءُ اَلَيْسَ كَذٰلِكَ عَلَيْهِمْ اَعْيُنٌ يَّرْءَوْنَ  
حکم دیتا ہے اور مبری بات سے روکتا ہی اور پاک چیزوں کو  
انکے لیے حلال کرتا ہی اور ناپاک چیزوں کو اون پر حرام کرتا ہی  
اور وہ بوجھ جو اپنے سے، اور وہ بیڑیاں جو اپنے تھیں اُتار دیتا ہی  
خوب غور کرو کہ یہودیوں پر کونسا بوجھ تھا جس کو آنحضرتؐ نے ہلکا کیا، اور انکے پانوں میں  
کونسی بیڑیاں تھیں جو آپؐ نے اترا دیں۔

قرآن مجید میں خاص طور پر یہود اور نصاریٰ کو مخاطب کر کے کہا ہے لَا تَقْلُبُوا فِیْ ذِیْنِکُمْ  
یعنی مذہب میں غلو نہ کرو۔ مذہبی غلو کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ہر قسم کی حرکات و سکنات  
مذہب کے دائرہ میں داخل کر لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ احکام مذہبی سخت و ناقابل تعمیل مقرر کیے  
جائیں، اسلام نے ان دونوں کو مٹا دیا۔ مذہب کے دائرہ کو لوگوں نے یہاں تک وسعت  
دی تھی کہ زندگی کے عیش و عشرت، ناز و نعمت عمدہ خورد و پوش کو بھی اس میں داخل کر  
لیا تھا اور اسکو ناجائز قرار دیا تھا، اس پر قرآن مجید نے کہا،

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهِ  
مِنَ الطَّيِّبَاتِ مِنَ الزُّرِّ  
لے پیہرائے کہ خدا نے جو آرائش اور جو اچھے کھانے پینے  
بندوں کے لیے پیدا کیے ہیں انکو کس نے حرام کیا ہے

خدا کے انہی احکام کی بنا پر آنحضرتؐ نے دنیاوی معاشرت اور تمدن کو مذہب کے دائرہ سے  
بالکل الگ رکھا اور فرمایا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِمَا مَوْرَدُ دُنْیَاکُمْ یعنی دنیا کی باتیں تمہیں خوب جانتے ہو  
دوسرا اعتراض تو اسلام سے ہر مراحل دور ہے، اسلام کو دعویٰ ہے اور بجا دعویٰ  
ہے کہ اسکے احکام مذہبی نہایت نرم، آسان اور سہل لعل ہیں،

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (سج)  
 مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ  
 لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ (مائدا)  
 يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ  
 لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔

(سورۃ بقرہ)

اور خدا نے دین کے بارے میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی  
 خدا یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کسی طرح کی تنگی روا رکھے بلکہ چاہتا  
 ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کرے،  
 خدا تمہارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے نہ کہ سختی،  
 خدا کسی پر اس سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا جس قدر اس کو طاقت ہو

یُرِيدُكَ اللَّهُ أَنْ تُخَيِّفَ عَنكَ وَخَلِقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا |  
 یہ صرت دعویٰ نہیں، بلکہ اسلام کے تمام احکام اس دعوے کے شاہد ہیں، مذہبی اعمال کی سختی  
 کی متعدد صورتیں ہیں،

(۱) فرائض کی تعداد زیادہ ہو، اور وہ ایسے ہوں جنکی تعمیل مشکل ہو یا جن کی تعمیل میں  
 وقت کا بڑا حصہ صرف ہو جائے۔

اسلام میں صرف پانچ فرائض ہیں نماز روزہ زکوٰۃ حج۔ جہاد۔ حج اور زکوٰۃ دو نعمتوں پر  
 محدود ہے، جہاد صرف اس وقت فرض ہے جب حفاظت خود اختیار ہی کی ضرورت ہو، صرف  
 دو فرض ہیں جو سب کے لیے عام ہیں، نماز روزہ، روزہ سال میں ایک دفعہ ہے، وہ بھی  
 مسافر اور بیمار اور نہایت کمزور آدمیوں کے لیے نہیں، نماز البتہ کسی حالت میں معاف  
 نہیں لیکن اس کی یہ صورت ہے کہ بیمار کے لیے وضو کی ضرورت نہیں، گھوڑے یا جہاز  
 کی سواری میں سمت قبلہ کی پابندی نہیں، وہ حسب اختلاف ضرورت کھڑے ہو کر

بیٹھ کر لیٹ کر گھوڑے پر سوار ہو کر غرض ہر طرح ادا کی جاسکتی ہے سفر میں بجائے چار رکعت کے صرف دو رکعتیں رہ جاتی ہیں، اس کے ادا کے لیے جو ارکان و آداب مقرر ہیں ان میں سے خصوصیت کے ساتھ نہایت کم کی پابندی ضرور ہے مثلاً ہاتھ کھول کر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں باندھ کر بھی، ہاتھ سینے پر بھی باندھ سکتے ہیں بالائے ناف بھی، آیتیں پکار کر بھی کہہ سکتے ہیں آہستہ بھی، غرض بعض امور کے سوا باقی کسی خاص طریقہ کی پابندی ضرور نہیں، اچانچ مختلف مامون نے مختلف صورتیں اختیار کیں۔

(۲) فرائض کے ادا کرنے کے لیے نہایت جزئی چھوٹی چھوٹی قیدیں لگائی جائیں اور ہر ایک کو ضروری قرار دیا جائے، دیگر مذہب میں، اس قسم کی جو سختی تھی اس کا اندازہ تورات کے احکام سے ہو سکتا ہے مثلاً قربانی جو اسلام میں نہایت سادہ اور آسان طریقہ سے ادا ہو سکتی ہے، تورات میں اسکے لیے جو قیدیں مذکور ہیں ان کا مختصر سا نمونہ یہ ہے اور ہارون پاکترین مکان میں یوں آئے کہ خطا کی قربانی کے لیے ایک بچہ پھڑا اور سوختی قربانی کے لیے ایک مینڈھا لائے اور کتانی مقدس پیراہن پہنے اور اس کے بدن میں کتانی پاجامار ہوا اور کتانی پٹکے سے اس کی کمر بندی ہو اور اپنے سر پر کتانی عمامہ رکھے یہ مقدس کپڑے ہیں اور اپنا بدن پانی سے دھوئے اور انہیں پہنے اور بنی اسرائیل کی جماعت کو کبھی کے دو بچے خطا کی قربانی کے لیے لے، اور ہارون اپنے اس بچہ کو جو خطا کی قربانی کے لیے اس کی طرف سے ہے نزدیک لائے اور اپنے گھر کے لیے کفارہ دے پھر ان دونوں ملوانوں کو لے کے جماعت کے خیمے کے دروازہ پر خداوند کے آگے حاضر کرے

اور ہر دن ان دونوں حلوانوں پر قرعہ ڈالے۔ ایک قرعہ خداوند کے لیے اور دوسرا قرعہ  
جلاوے کے لیے اور ہر دن اس حلوان کو جس پر خداوند کے نام کا قرعہ پڑے لائے اور  
اُسے خطا کی قربانی کے لیے ذبح کرے۔

اور وہ ایک عود سوز اس آگ کے انگاروں سے جو خداوند کے آگے ذبح پر ہے بھرے  
اور اپنی ٹھیان بخور کے کوٹے ہوے مصالح سے بھی بھرے اور اسی پردہ کے اندر لائے  
اور اس بخور کو خداوند کے حضور آگ میں ڈال دے تاکہ بخور کا دھواں کفارہ گاہ کو خوشہات  
کے صندوق پر ہے پھپھائے کہ وہ ہلاک نہ ہو، پھر وہ اس بچھڑے کا موے کے اپنی انگلی سے  
کفارہ گاہ پر پرب کی طرف کو چھڑکے اور کفارہ گاہ کے آگے بھی لہو اپنی انگلی سے سات مرتبہ  
چھڑکے (تورات اجار باب ۱۶)

اسی قسم کے طفلانہ قیود ہندوؤں اور تمام دیگر قوموں میں پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ کوئی  
شخص بطور خود عبادت الہی ادا ہی نہیں کر سکتا جب تک کوئی عبادت کرنے والا پیشوا موجود  
نہ ہو، ہندوؤں کو ہندوؤں کی ضرورت ہے، عیسائیوں کو پادری کی، یہودیوں کو جبار کی  
لیکن مسلمان کسی دوسرے شخص کی دستگیری کی ضرورت نہیں، وہ اپنا آپ پادری اپنا  
آپ پنڈوا اپنا آپ اجار ہے۔

اسلام نے طریقہ عمل کے نمونہ کے لیے اس قسم کی کوئی شرط اختیار بھی کی ہے تو ساتھ ہی بتا دیا  
ہے کہ یہ قیدیں فی نفسہ ضروری نہیں، نماز کے لیے قبلہ کی سمت کا جہان حکم دیا ساتھ ہی  
کہہ دیا کہ اَیْمًا تَوَلَّوْا فَاْتَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ یعنی جس طرف منہ کرو اُسی طرف خدا کا منہ ہے،

قربانی کا جہان ذکر کیا یہ بھی فرمایا کہ لَنْ يَبْنِيَ اللَّهُ لَهُمْ مَعَاوِدًا وَمَا دُونَهَا لَكِن يَبْنِي لَهُمُ الْقَوِي  
یعنی خدا تک نہ قربانی کا گوشت پہنچا ہے نہ خون بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری پہنچتی ہے۔  
تیسرے اعتراض کا جواب تفصیل آگے آئے گا،

ہمارا صرف یہ دعویٰ نہیں کہ اسلام تمدن کے موافق ہے، بلکہ ہمارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ تمدن  
کو ترقی دینے والا ہے اور اس حد تک پہنچانے والا ہے جو تمدن کا انتہائی درجہ ہے  
اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ دنیاوی تمدن آج یورپ میں جس حد تک پہنچا ہے  
کبھی نہیں پہنچا تھا اس لیے ہم کو غور کرنا چاہیے کہ اس تمدن کے اصلی اصول کیا ہیں،  
یورپ کے تمدن کے ہمت اصول حسب ذیل عنوان میں محدود کیے جاسکتے ہیں  
اور دنیا میں جب کبھی کسی قوم نے تمدن میں ترقی کی ہے، یا آئندہ کرے گی تو انہی اصول پر  
کی ہوگی اور کرے گی،

(۱) انسان کی تمام ترقیوں کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ وہ یہ خیال کرے کہ وہ اعلیٰ ترین مخلوق  
ہے اور تمام کائنات میں جو کچھ ہے وہ اسی لیے ہے کہ انسان اس سے تمتع اٹھائے۔  
سب سے پہلے قرآن مجید نے اس اصول کی تعلیم کی۔

ترقی تمدن کے اصول  
ہیں سب اسلام میں  
پائے جاتے ہیں

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ | ہم نے انسان کی بناوٹ بہتر سے بہتر بنائی،  
وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا | تمام آسمان و زمین کی چیزوں کو تمہارا خد کیا۔

اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں جو آئندہ آئیں گی۔

(۲) انسان کی تمام ترقیوں کی بنیاد یہ ہے کہ اس کو یہ یقین ہو کہ اس کے خیر و شر

ترقی اور تنزل۔ عروج اور زوال کا مدار تائمر اسکی سعی اور کوشش پر ہے اور دنیا اور دین کی تمام کامیابیاں محض اسکی کوششوں پر موقوف ہیں قرآن مجید نے اس اصول کو نہایت توضیح اور تاکید کے ساتھ بیان کیا۔

كَيْسَ لِلْإِنْسَانِ لَمَسَهُ

لَهُمَا كَسِبَتْ وَعَلَيْهَا مَا كَسَبَتْ

(زقفرہ)

وَكَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَا عَليهَا (انعام)

أَوَلَمْ نَأْتِ آبَاءَكُمْ مِنْ مِصْرَ قَدْ أَصَبْتُمْ مِنْهَا

قُلُوبُكُمْ أَلَمْ نَأْتِ هَذَا أَقْلُ هَؤُلَاءِ مِنْ عِنْدِ الْفُتُورِ (المرج)

ذَالِكِ يَاقَانِ اللَّهُ لَمْ يَكْ مَغِيرَ لَعَنَ لَعْنَهَا

عَلَى قَوْمٍ خَتَنَ يَعْيُورَ وَمَا بِأَنْفُسِهِمْ

(الانفال)

فَلْهَؤُلَاءِ الْفُتُورُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ مِمَّا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (روم)

كَأَصَابَكُمْ مِنْ مِصْرَ قَدْ أَصَبْتُمْ مِنْهَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَهَؤُلَاءِ

انسان کے لیے اتنا ہی ہے جتنی اسکی کوشش ہے

انسان کے نفس کو جو فائدہ پہنچا جو سعی کی کئی کی بدولت

اور جو نقصان پہنچا ہے اسی کے کثوت کی بدولت

اور جو کوئی برا کام کرتا ہے تو اسکا وبال اسی پر پڑتا ہے

کیا حیب ایسا ہوگا کہ تم پر کوئی مصیبت پڑے حالانکہ اسے

دو چند پر پہلے پڑ چکی ہے تو تم کہو گے کہ یہ مصیبت کہاں سے

آئی، اسے خدا کہے کہ یہ خود تمہاری اپنی ذات کی وجہ سے

یہ اس لیے کہ خدا جب کسی قوم کو کوئی نعمت دیتا ہے تو پھر اسکو

بدلتا نہیں جب تک وہ خود اپنے آپ کو بدلیں،

لوگ کہے کہ کثوت کی بدولت تمام خشکی و تری میں فساد پھیل گیا

تیر چر کے فی مصیبت پڑتی ہے تو خود تمہارے کثوت کی بدولت

اسلام نے اس مضمون پر اسقدر زور دیا کہ قرآن مجید میں جا بجا تصریح کی کہ بندہ جب ایک کام

کرتا ہے تو خدا بھی اسی کے موافق کرتا ہے،

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ هُمْ

جو لوگ ایمان لائے اور اچھونے کام بھی اچھو کیے خدا انکو



رَبُّكُمْ بِأَيِّمَا نَحْنُمْ (یونس)

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآيَاتِ اللّٰهِ لَا يَعْلَمُوْنَ  
وَالَّذِيْنَ جَاهَلُوْا فِتْنًا لَّنَحْمِلْهُمْ  
سُبُلًا - (عنکبوت)

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ذَرُّوا ذُرِّيَّتَكُمْ  
سَبِيلًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ (احزاب)  
يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اِنْ تَنَصَّرْتُمْ لَئِنْ تَنَصَّرْتُمْ  
وَيُشْرِكْتَ أَقْدَامَكُمْ - (محمد)

فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ (صف)  
اِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بَقِيَمْ حَتّٰى يَفْتَرُوْا مَا بَالُغَيْهِمْ

(بعد)

ان کے ایمان کی وجہ سے ہدایت کرتا ہے،  
جو لوگ خدا کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے خدا ان کو ہدایت نہیں کرتا  
جو لوگ ہمارے لیے مجاہدہ کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی  
راہ دکھاتے ہیں۔

مسلمانوں! خدا سے ڈرو۔ اور ٹھیک بات بولو تو خدا تمہارا  
اعمال کو صالح کر دے گا،  
مسلمانوں! اگر تم خدا کی مدد کرنے تو خدا بھی تمہاری مدد کرے گا  
اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔

پھر جب لوگوں کو بتائے تو خدا نے بھی ان کے دلوں کو کج کر دیا  
خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک خود اپنی حالت نہ بدلیں

اِنْ آتَيْنَا مِنْ خَدَانِے اپنے کام کو بندہ کے کام سے متاخر کر رکھا فلما زَاغُوا اَلْحٰی مِیْن  
بیان کیا کہ جب ان لوگوں نے کجی کی تو خدا نے بھی ان کے دلوں کو کج کر دیا یا ایہا الَّذِیْنَ  
آمَنُوا میں نے کہا کہ مسلمانوں! پرہیزگاری اختیار کرو اور ٹھیک بات کہو تو خدا تمہارے عمل صالح کو دیکھا،  
حالانکہ پرہیزگاری خود عمل صالح کا نام ہے، اور جب کوئی شخص پرہیزگاری کرے گا تو  
پھر اس کے عمل کے صالح کرنے کی کیا ضرورت ہے،

اس موقع پر یہ بات بھی ظاہر کرنی ضرور ہے کہ قرآن مجید میں ایسی بھی بہت سی آیتیں  
ہیں جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان مجبور محض ہے اور جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے،

وَهُوَ الْقَاهِرُ رَؤُوفٌ عِيبًا ۝۴

اور وہ اپنے بندوں پر بالادست ہے۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ،

کہدے کہ سب کچھ خدا ہی کی طرف سے ہے،

عیسائی اکثر طعنہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں میں جو کاہلی اور پست ہمتی پائی جاتی ہے وہ اسی مسئلہ قضا و قدر کا اثر ہے اور اس لیے مسلمانوں کا تنزل خود انکے مذہب کا لازمی نتیجہ ہے، اس اعتراض کو اگرچہ ہمارے توکل پیشہ علما اور صوفیہ نے اپنے طرز عمل سے قوی کر دیا ہے لیکن درحقیقت یہ اعتراض بالکل لغو ہے،

اس کا سرسری جواب تو یہ ہے کہ یہی قضا و قدر کا اعتقاد تھا جس کی بدولت صحابہ کرام سے ایک ایک شخص ہزاروں آدمیوں کے دل میں گھس جاتا تھا اور سیکڑوں کو خاک میں ملا کر صحیح سلامت نکل آتا تھا اگر آج اسی جوہر کو ہمارے علما و صوفیہ اپنی شکستہ پائی اور کاہلی کے لیے استعمال کرتے ہیں تو اس میں اسلام کا کیا قصور۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ بے شہہ اسلام نے انسان کو غماز کل قرار دیا ہے لیکن ساتھ ہی اس بات کی بھی احتیاط رکھی ہے کہ یہ اعتقاد اتحاد کی حد سے نہ مل جائے انسان کے غماز ہونے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ خالق، اور خدا کوئی چیز نہیں، اس لیے انسان قادر مطلق ہو، جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں کرتا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ خدا قادر مطلق ہے لیکن اسے انسان کو اپنے افعال کا غماز بنایا ہے اس لیے انسان جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور اسلام نے پہلو معنی کی نفی کی ہے اور اسی بنا پر قرآن میں آیا ہے،

وَمَا لَشَأْنِکُمْ اِنْ یَشَاءَ اللَّهُ | تم کسی بات کو نہ چاہو گے جب تک خدا نہ چاہے،

جس کا یہ مطلب ہے کہ تم کو جو مشیت اور ارادہ کی قوت دی گئی ہے یہ خدا ہی نے دی ہے  
اگر خداوند چاہتا تو تم میں یہ قوت بھی نہ ہوتی،  
ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ | یعنی جو کچھ دنیا میں ہے سب کی مدد اہل غلبہ ہی کی ہاتھ

اس امر کا قطعی فیصلہ کہ اسلام نے اختیار کی تعلیم کی تھی یا جبر کی، اس بات سے ہو سکتا ہے  
کہ جو لوگ اسلام کے مرکز تھے، جو اسلام کی مجسم تصویر تھے، جو لوگ اسلام کی ایک ایک داسے  
واقف تھے یعنی صحابہؓ انہوں نے کیا سمجھا اور انہیں اسلام کی تلقین کا کیا اثر ہوا؟ تاریخ شاہد ہے  
کہ اسلام کی تعلیم نے ان کو اختیار عزم۔ استقلال۔ اور حوصلہ کا مجسم پیکر بنا دیا تھا،

(۳) تمدن کی ترقی کا سب سے بڑا اصول مساواة کا اصول ہی، یعنی یہ کہ تمام انسان کے  
حقوق مساوی ہیں۔ فلاسفر گو ندرسیہ کا قول ہے کہ حقوق انسانی کے سمجھنے کا پہلا دینا چہ  
مسادات ہے اور مسادات ہی تمام اخلاق حمیدہ کی بنیاد ہے۔

لیکن اسلام کے قبل تک یہ خیال کسی قوم اور ملک میں پیدا نہیں ہوا تھا، تعزیرات کے  
متعلق مذہب سے مذہب قوموں کا طرز عمل یہ تھا کہ مجرموں کے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے  
سزائیں دی جاتی تھیں۔ لاروس اپنی انسا کلو پیڈیا میں لکھتا ہے کہ رومن امپائر میں ایک  
ہی جرم کی سزائیں مختلف ہوتی تھیں۔ یعنی مجرم کی حیثیت اور درجہ کے لحاظ سے سزا ہوتی تھی،  
اس کے بعد مصنف مذکور نے اس نا انصافی اور ظلم کی تفصیل کی ہے اور رومن سے لیکر  
فرینچ تک کے واقعات گنائے ہیں۔ اخیر میں لکھا ہے کہ ۱۷۹۳ء کے ہنگامہ نے

مسادات

یہ تمام امتیازات مٹا دیے کیونکہ اس نے خود ان القاب و خطابات کو مٹا دیا جو لوگوں کی ذاتی عزت یا درانت کے اعزاز کی بنا پر قائم تھے»

فلاسفر تک لکھتا ہے کہ مسادات کی بنیاد پچاس برس سے یورپ کی بعض قوموں میں پڑی ہے اور اب دوسرے حصوں میں بھی پھیلتی جاتی ہے»

فلاسفر مذکور مسادات کی ابتدا پچاس برس سے بتاتا ہے لیکن اسلام میں بارہ سو برس پہلے یہ اصول قائم ہو چکا تھا۔ قرآن مجید میں ہے،

یا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ	لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور تمھارے
وَجَعَلَكُمْ مَسْجُودًا وَقَبَائِلَ لَتَعْلَمَ أُنْفُؤا	کئے اور قبیلے ٹھہرائے اس غرض سے کہ ایک دوسرے کو پہچانے
إِنَّا أَكْرَمُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَعْلَمُونَ	جائیں لیکن خدا کے نزدیک صاحب عزت وہ ہے جو بہتر گزار ہو۔

یہ صرف الفاظ نہ تھے بلکہ اسلام کا نظام اسی اصول پر قائم ہوا، اور اسلام جب تک سلام تھا اسی اصول پر قائم رہا۔ عرب میں قبائل کے مدارج مقرر تھے۔ جو قبیلہ زیادہ شریف اور معزز تھا اس کا ایک آدمی دوسرے قبائل کے متعدد آدمیوں کے برابر مانا جاتا تھا۔ یعنی معزز قبیلہ کے ایک آدمی کے خون کے برے مین دوسرے قبائل کے کئی آدمی قتل کئے جاتے تھے۔ اسی طرح غلام کے خون کے معاوضہ میں آقا قتل نہیں کیا جاسکتا تھا، اسلام نے اصول مسادات کی بنا پر یہ تفرقہ بالکل مٹا دیے قریش جن کو یہ غرور تھا کہ جنگ بدر میں انھوں نے انصار کے مقابلہ سے اس بنا پر انکار کر دیا تھا کہ انصار پر ہاتھ اٹھانا بھی انکو حارم و حش اور ایران کے زرخیز غلاموں کے برابر کر دیے گئے ابو سفیان جو تمام قریش کا سردار

رہ چکا تھا اور جس کو خود رسول اللہ کے حریف مقابل ہونے کا دعویٰ تھا جب اسلام لایا تو ہمسوا  
بلال و صہیب کا ہمتیہ ہو کر رہنا پڑا حالانکہ بلال و صہیب دونوں عجمی درخیز غلام تھے۔

جبکہ بن الایم عرب کا مشہور بادشاہ تھا جب وہ اسلام لایا تو اسے چاہا کہ ایک عام آدمی کے  
مقابلہ میں اس کی عزت مرجع تسلیم کی جائے لیکن عمر فاروقؓ نے جو اسلام کے اصلی تصویر تھے گوارا  
نہ کیا اور وہ اسی صند پر مرتد ہو کر عیسائیوں سے جا کر مل گیا۔

عمر فاروقؓ نے جب شام کا سفر کیا اور بیت المقدس میں داخل ہوئے تو انکا غلام اونٹ  
پر سوار تھا اور خود انکے ہاتھوں میں اونٹ کی باگ تھی حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ تمام لوگ غلیظہ  
اسلام کی جاہ و شوکت دیکھنے کے لیے گھروں سے نکل آئے تھے،

اس قسم کے ہزاروں واقعات میں جنکا شمار نہیں کیا جاسکتا نتیجہ عام کا اندازہ اہل مرے  
ہو سکتا ہے کہ تمام مورخین نے لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا ظلم جو شروع ہوا وہ ستم  
عَنِ الطَّرِيقِ۔ (راستہ سے ذرا ہٹ جاؤ) کا کہنا تھا، یعنی اوائل اسلام میں بڑے سے بڑا  
آدمی راہ میں کسی معمولی آدمی کو نہیں کہہ سکتا تھا کہ ذرا ہٹ جاؤ، اول جو ظلم شروع ہوا وہ  
اسی لفظ کا استعمال کرنا تھا،

(۴) تمدن کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ، اور ترقی تمدن کی بہت بڑی علامت مذہبی  
نفرت اور مذہبی جبر کا دور کرنا ہے، دنیا جب سے آباد ہے ہمیشہ ہر ملک میں، ہر قوم میں  
ہر سلطنت میں یہ طریقہ رہا کہ غیر مذہب والوں پر جبر کیا جاتا تھا، انکو مذہبی آزادی نہیں  
دی جاتی تھی۔ ان سے نفرت اور حقارت کی تلقین کی جاتی تھی اور مختلف طریقوں سے لوگوں کو

مذہبی تہمتیں

تبدیل مذہب پر مجبور کیا جاتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسلام سے پہلے تمام دنیا کا یہ مذاق تھا اور یہ گویا انسان کی فطرت ہو گئی تھی کہ جب دو شخصوں میں کسی راے اور خیال کے متعلق اختلاف ہوتا تھا، تو اسکا اثر معاشرت کے تمام امور پر پڑتا تھا یعنی دونوں میں اجنبیت پیدا ہو کر منافرت اور عداوت کی حد تک ذہنیت پہنچتی تھی،

سب سے پہلے اسلام نے اختلاف مذہب اور دیگر تعلقات کے حدود جدا گانہ قائم کیے، یعنی یہ بتایا کہ اگر کسی شخص سے مذہب میں اختلاف ہو تو اسکا اثر عام معاشرت پر نہیں پڑنا چاہیے۔ والدین کے ہاں حقوق بیان کیے وہاں فرمایا کہ،

اگر وہ دونوں اس بات پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کئے جس کا تجھ کو علم نہیں جو اپنی اگر والدین شریک ہو کر ہیں، تو تو ان کا کتنا زمانہ بیکین بنائیں اُنسی چھابڑا کر

وَإِنْ جَاهِدَاكَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّنْهُ  
فَعَلَيْكَ بِهِ ۖ وَإِنْ تَطَعَهُمَا  
صَلَّاهُمَا فِي اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ

پھر عام طور پر فرمایا،

جن لوگوں نے تم سے مذہبی جنگ نہیں کی اور تم کو تھامے گھروں میں نہیں کالا انکی نسبت خدا کو منح نہیں کرتا کہ تم انکے ساتھ بھلائی اور انصاف کرو اور شہرہ خدا انصاف کو پسند کرتا ہے

لَا يَنْفَعُكُمْ اللَّهُ عَنْ الْغَيْرِ لَمْ يَأْتِكُمْ فِي الدِّينِ  
وَلَمْ يَخْرُجْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا  
إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ

قرآن مجید میں بہت سی آیتیں اس قسم کی موجود ہیں جن میں یہ حکم ہے کہ غیر مذہب لوگوں دوستی اور محبت نہ کرنا اور انکی توبہ کو سہا کرنا ہے۔  
میں علماء ہر موقع پر پیش کرتے ہیں لیکن وہ آیتیں ان کافروں کے مخصوص ہیں جو مسلمانوں کے مذہبی لڑائی میں نے چنانچہ خود خدائے تعالیٰ کے بقدر عجز کر دی اور فرمایا کہ انہما ینفککم اللہ عن الدین قاتلکم فی الدین و آخر حکم من دیا انکم و ظاہر اعلیٰ اخرا حکم ان تو لوہم یعنی خدا تو ان لوگوں کو دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے جو تم سے مذہب کے بارہ میں لڑے اور تم کو تھامے گھروں میں نکالے یا اور تھامے نکالے نیز پرہیزگاری کی ہے

اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس مسئلہ کا اصلی فلسفہ بتا دیا۔ یعنی خدا نے انسانوں کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ انکی صورت سیرت خیال۔ مذاق اور رائے میں اختلاف ہو، اس لیے اس بات کی خواہش کرنا کہ تمام لوگ خواہ مخواہ متحد الخیال ہو جائیں گویا فطرت انسانی کو مٹانا ہے، اس نکتہ کو قرآن نے ان لفظوں میں ادا کیا۔

وَكُوشَاءَ رَبُّكَ لِيَجْعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً  
وَلَا يَذَّكَّرُونَ فَخُتِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ  
وَلِلَّهِ الْإِلَاقُ خَلْقَهُمْ (هود)

اور اگر خدا چاہتا تو تمام آدمی کو ایک ہی امت بناتا لیکن  
لوگ ہمیشہ مختلف رہیں گے جو انکے جزیرے خدا کا رحم  
ہو اور خدا نے اسی لیے ان لوگوں کو بنایا ہی ہے،

وَكُوشَاءَ رَبُّكَ لِيَجْعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً  
وَكُوشَاءَ رَبُّكَ لِيَجْعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً (مائدہ)  
وَكُوشَاءَ رَبُّكَ لِيَجْعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً (انعام)  
وَكُوشَاءَ رَبُّكَ لِيَجْعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً (انعام)  
اَفَلَمْ يَنْبِئْكَ لِيَوْمِنِ آمَنُوا اَنْ كُوشَاءَ رَبُّكَ  
لِيَجْعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً (سعد)

اور اگر خدا چاہتا تو تمام آدمی کو ایک ہی امت بناتا،  
اور اگر خدا چاہتا تو ہم سب کو راہ راست پر لاتا۔  
اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت کر دیتے۔

بعض وقت جناب رسول اللہ کو یہ اقتضائے بشریت کا فردن کی سرکشی اور بے پروائی

گران گذرتی تھی۔ اپہر قرآن مجید میں یہ آیت اتری۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اَعْرَاضُ هَمَّ قَانَ شَطَطًا  
اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ مِنْ اَوْسَمَاءٍ فِي السَّمَاءِ  
فَتَاْتِيَهُمْ بِآيَةٍ وَكَوْشَاعٍ اللَّهُ يَجْمَعُهُمْ عَلَى  
الْهُدَى فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْخَاطِلِينَ

اور اگر انکی سرخی تجھ پر گران گذرتی ہو تو اگر ممکن ہو کہ زمین  
کے اندر رنگ تلاش کر دیا آسمان میں سیرجی ہم پر چاند  
تاکہ انکو کوئی معجزہ دکھاؤ تو کر دیکھو اور اگر خدا چاہتا  
تو سب کو راہ راست پر متفق کر دیتا۔ تو دیکھ جاہل نہ بن۔

لیکن چونکہ اکثر انسانوں کی فطرت ایسی بھی بنائی ہے کہ وہ ہدایت اور وعظ و پند سے حق بات کو  
قبول کر لیتے ہیں، اس لیے اسلام نے وعظ اور پند کے ذریعہ سے دعوت اسلام کی اجازت  
دی اور فرمایا۔

وَادْعُ اِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَذُلْ لِّلْمُكَذِّبِ  
الْمُتَكَبِّرِ وَاجِدْ لَهُمُ يَوْمَ تَتَمَّ اَحْسَنُ دُخْلًا  
فَلَا تَكُنْ اِثْمًا اَنْتَ مُدَارِكُ سَمْعِهِمْ عَلَيْهِمْ مُّصِيطَرٌ  
فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ اِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا (مزمحل)  
اَفَاَنْتَ مُتَكَبِّرٌ مِّنَ النَّاسِ حَتَّىٰ يَكُوْنُوا اُمُومِيْنًا (نہیں)

لوگو! اپنے خدا کے راستے کی طرف بلا ذریعہ حکمت کے اور  
بذریعہ وعظ کے اور لوگوں سے بحث کر معقول طریقہ سے  
لوگوں کو نصیحت کرو تو صرف نصیحت کرنا بلا حجت نہ کہ دار وعظ  
تو جس کے جی میں آئے وہ اپنے خدا کی راہ اختیار کرے  
کیا تو لوگوں کو زبردستی مسلمان کرنا چاہتا ہے،

اعتقاد اور یقین ایسی چیز ہے جو دل سے متعلق ہے اس لیے کوئی شخص کسی کے دل میں کوئی  
یقین جبر اور زبردستی سے نہیں پیدا کر سکتا، اس بنا پر مذہب میں جبر کرنا بالکل بیفائدہ چیز  
ہے، لیکن یہ نکتہ اس وقت تک دنیا کی سمجھ میں نہ آیا جب تک اسلام نے نہیں کہا کہ۔  
اَلَا اَكْفَا فِي الدِّیْنِ (ال عمران) | مذہب کوئی زبردستی کی چیز نہیں،



ٹرول سیان جو فرانس کا بہت بڑا فاضل گذرا ہے لکھتا ہے کہ مذہبی آزادی کو کچھ بہت نینیں  
 گزے کیونکہ دنیا کی تمام تاریخیں درحقیقت مذہبی تعصب اور کینہ داری کا مجموعہ ہیں، اس کے  
 بعد فاضل مذکور نے قرونِ ادلی سے عہدِ وسطیٰ تک مذہبی تعصب کے واقعات تفصیل کے  
 ساتھ گنائے ہیں اخیر میں لکھا ہے کہ بالآخر فلسفیانہ روح نے ۱۶-۱۷ اگست ۱۷۹۰ء کو مذہبی  
 آزادی پر بحث کی لیکن یہ خیال وجود میں اس وقت آیا جب یہودیوں کو ۱۷۹۰ء میں ظلم سے  
 نجات دی گئی، تاہم چونکہ فریج روڈیوشن کا طریق انتظام اچھا نہ تھا اس لیے وہ مذہبی آزادی  
 کو مضبوط بنیاد پر قائم نہ کر سکا۔

یہ فاضل ٹرول سیان جس چیز کی ابتدا ۱۷۹۰ء سے بیان کرتا ہے، اسلام میں بارہ سو  
 برس پہلے قائم ہو چکی تھی، لیکن چونکہ فاضل مذکور اسلام کی حقیقت اور تاریخ سے واقف نہ تھا  
 اس نے دوسری قوموں کی بنا پر تمام عالم کی نسبت عام رائے قائم کی اور اس کو ایسا ہی  
 کرنا چاہیے تھا۔

(۵) ترقی تمدن کے بڑے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کے  
 حقوق برابر قائم کیے جائیں۔ اسلام سے پہلے تمام دنیا کا عمل اس اصول کے خلاف تھا۔  
 اسلام پہلا مذہب ہے جس نے اسکی تلقین کی چنانچہ یہ بحث نہایت تفصیل کے ساتھ ادر گذر  
 چکی ہے،

(۶) کسی قوم کی ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ اس کے ہر فرد کو من حیث النعمان  
 آزرینے اپنے آپ عزت کا خیال دلایا جائے، اسلام نے ابتدا ہی سے اس نکتہ کو

اپنی آپہنت کا خیال،

محوظ رکھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ

تم تمام قوموں سے بڑھ کر ہو۔

لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ

عزت خدا کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے لیے

قرن اول میں یعنی جب تک اسلام اسلام رہا یہ خیال تمام مسلمانوں میں استقدر جاگزین تھا کہ قوم کا ہر ہر فرد من حیث القوم اپنے آپ کو افضل ترین عالم سمجھتا تھا، یہی سلفت آذکا خیال تھا جو مسلمانوں کی ہر قسم کی عرصہ مندیوں اور العزیموں، بلند خیالیوں کا باعث تھا، تاریخوں میں تم نے پڑھا ہو گا کہ ایک معمولی درجہ کا مسلمان بھی قیصر و کسری کے دربار میں کس دلیری اور آزادی سے سوال و جواب کرتا تھا،

دہ، ترقی کا مقدم ترین اصول، علم ہے، اسلام نے علم کو گویا لازمہ اسلام قرار دیا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں علم کی تحصیل کے متعلق کثرت سے جو ہدایتیں ہیں، ان سے قطع نظر واقعات پر نظر ڈالو، تاریخ ہر ہر قدم پر اس بات کی شہادت دینے کے لیے موجود ہے کہ اسلام دنیا میں جہاں جہاں گیا علم کو ساتھ لیکر گیا، وہ تو میں جوازل کو جاہل اور اُٹی رہتی آئی تھیں جن دن اسلام لائیں علم دفن سے معور ہو گئیں، عرب بتدریج عالم کو جاہل تھا یہاں تک کہ اسلام کے ادائل تک بڑے بڑے شعرا لکھنے پڑھنے کو عار سمجھتے تھے وہ بہ جو مشہور شاعر تھا لکھا پڑھتا تھا لیکن ایک موقع پر جب اس کو کچھ لکھنا پڑا تو اُس نے حاضرین سے نہایت الحاح کے ساتھ درخواست کی کہ یہ راز کہیں ظاہر نہ ہونے پائے ورنہ میری بڑی بدنامی ہوگی، لیکن یہی عرب اسلام کے وجود کے ساتھ علوم و فنون کا مرکز بن گیا،

اور امام شافعی، امام مالک دہری، جیسے مجتہدین وہاں پیدا ہونے لگی، ترکوں کی قوم ہزاروں برس پہلے سے موجود تھی لیکن انکا امتیازی وصف یہ تھا ع چنان بردند صبر از دل کہ ترکان خوان ینما را چہ ای ترک تھے جن میں اسلام لانے کے ساتھ حکیم ابو نصر فارابی اور امیر خسرو، اور سیکڑون علما و شعرا پیدا ہوئے۔ جن جن قوموں نے دنیا میں اسلام قبول کیا، ان سب کا شمار کرو، اور دیکھو کہ اسلام کے قبل ان کی علمی حالت کیا تھی اور کیا ہو گئی صاف نظر آئے گا کہ علم، اسلام کے غضر میں داخل تھا۔

(۸) ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ نظام حکومت جمہوریت کی بنا پر قائم کیا جائے اس اصول پر اسلام نے امتد زرد و ردیا کہ خود آنحضرت کو اسکی پابندی کا حکم ہوا،

حکومت جمہوری

وَمَا شَاؤْهُمُ فِي الْكَافِرِ - | اور لوگوں سے مشورہ کر

حالانکہ وحی و الہام ہوتے ہوئے آپ کو کسی سے مشورہ اور صلاح لینے کی کیا حاجت تھی، مزید تاکید کے لیے مسلمانوں کی امتیازی خصوصیت یہ قرار دی۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ - | ان کا کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے

(۹) ترقی کا بڑا اصول یہ ہے کہ تقسیم عمل کے اصول پر کام کیا جائے یعنی ہر فرقہ ایک خاص کام میں مشغول ہو تاکہ اس کام کو بوجہ خصوصیت کے نہایت اعلیٰ درجہ تک ترقی دے سکے یورپ میں یہ اصول بیان تک ترقی کر گیا ہے کہ طبیبوں اور حکیموں میں سے خاص خاص امراض کے الگ الگ طبیب ہیں اور وہ ان امراض کے سوا اور بیماریوں کے علاج سے واسطہ نہیں رکھتے، خود قدرت نے اسی اصول پر عمل کیا ہے، ہاتھ پاؤں سروں و دماغ کے

تقسیم عمل

کام الگ الگ تقسیم کر دیے ہیں اسلام نے اس اصول کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا،

وَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ

اور تم میں سے ایک گروہ کو ایسا بنانا چاہیے کہ لوگوں کو اچھے کام کی

بِالْبَعْرِ دَعْوَةٍ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

دعوت لائے اچھی باتوں کا حکم دے۔ بُری باتوں سے روکے

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا

تمام مسلمانوں کو اٹھ کر انہیں ہونا چاہیے لیکن یہ تو ہونا

لَقَدْ مَنَّ كُلُّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةً لِّيَتَفَقَّهُوا

چاہیے کہ ہر گروہ میں سے کچھ لوگ آمادہ ہوں کہ تہذیب

میں تفتہ حاصل کریں،

فِي السَّيِّئِينَ۔

(۱۰) ہر زمانہ میں ایک گروہ ایسا ہوتا آیا ہے جس کی یہ رائے ہے کہ انسانوں کے

افراد میں جو اختلاف مراتب ہے یہ مٹا دیا جائے یورپ میں انارکسٹ نہلت وغیرہ اسی

خیال کے لوگ ہیں، لیکن یہ درحقیقت اصول فطرت کے خلاف ہے اور اگر سپر عمل کیا جائے

تو ہر قسم کی ترقیان دفعہ رک جائیں۔ اسلام نے اس فلسفہ ان لفظوں میں ادا کیا۔

انسانوں کی فرائض  
المراتب ہونا

لَحْنٌ قَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيَّتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

ہم نے دنیا میں انسانوں کی روزی انکے باہم تقسیم

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ

کی ہے اور ایک کو ایک پر ترجیح دی ہے تاکہ ایک کو

ایک اپنے کام میں لائے،

لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَفَرًا،

(۱۱) ترقی کا بہت بڑا اصول یہ ہے کہ علمی ترقی کی کوئی انتہا نہ قرار دی جائے یعنی انسان ترقی

کی کسی حد تک پہنچ کر قانع نہ ہو، اور یہ خیال رکھے کہ ابھی ترقی کے اور منازل طے کرنے باقی

ہیں، اس مسئلہ پر اسلام نے اس قدر زور دیا کہ خود جناب سرور کائنات کو جو علوم لدنیہ سے

ممتاز تھے ان الفاظ سے مخاطب کیا۔

علمی ترقی کی  
انتہا نہ ہونی

كُلُّ رَجُلٍ زِينَتِي عِلْمًا

کہہ کر اسے خدا بھگوا اور زیادہ علم ہے۔

## دین و دنیا کا باہمی تعلق

مذہب کے حق و باطل ہونے کا یہ بہت بڑا معیار ہے۔ ابتدا سے آج تک تمام مذاہب اور تمام قوموں نے (بجز اسلام) کے اس معیار میں غلطی کی ہی فرقہ اباحیہ مذہب اور متبعان اسپکیو ریس صرف دنیاوی لذائذ کے قائل تھے، باقی تمام دیگر مذاہب نے دنیاوی تمتعات کو ہیج بتایا، اور جس قدر انسان دنیاوی حظوظ سے کنارہ کش رہے اسی نسبت سے کمال کے مدارج قائم کیے اسی خیال نے دنیا میں جوگی، تمارک الدنیا، راہب، منک اور نرپیڈا کیے اور ان لوگوں کی وہ عزت دونوں میں قائم کی کہ ایک ذلیل بوریا نشین کے آگے بڑے سے بڑے شہنشاہ کا سر جھک جاتا ہے،

فیر باش لکھتا ہے کہ مذہب کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ملکی اور سیاسی زندگی تباہ کر دی جائے، دنیا کے تمام کاروبار اس غرض سے چھوڑ دیے جائیں کہ نہایت خضوع کے ساتھ بہشت کے انتظار میں گھلا جائے اور ہر قسم کے فطری جذبات اور خواہشیں قتل کر دی جائیں۔

لاروس لکھتا ہے کہ زاهدوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فطرتی خواہشوں کا جو اثر اپنے ہر ایک بالکل ملحدین، مذہب کی تخصیص نہیں فلسفہ و حکمت کا میلان بھی اسی طرف ہے سقراط افلاطون دیوجانس کلیبی۔ ابونصر فارابی کی زندگی بالکل جوگیوں کی طرز زندگی سے

دین و دنیا کا  
تعلق

مشابہ تھی۔ خوب غور سے دیکھو یہ خیال تمام دنیا پر کس قدر چھایا ہوا ہے ہم جب کسی شخص کی نسبت سنتے ہیں کہ دنیا اس کی نظر میں بیچ ہے وہ فرش خاک پر پڑا رہتا ہے۔ نان و نمک پر بسر کرتا ہے، تو خود بخود ہمارے دل میں اس کی وقعت قائم ہو جاتی جو اور ہم اس کو کچھ بحث نہیں کرتے کہ ان باتوں کے سوا، اس میں کوئی اور کمال بھی ہے یا نہیں،

دین اور دنیا کا موازنہ اور ان میں صحیح تناسب کا قائم رکھنا اس قدر مشکل ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے اہل نظر اس کو ناممکن الحصول قرار دیکر اس کے حاصل ہونے پر حسرت ظاہر کرتے ہیں۔ ہنری برجیہ۔ ریویو آف ریویو (جلد ۲۲) میں لکھتا ہے: ”آہ کاش کوئی ذہین شخص، مذہبی اور علمی تعصب کے نقابوں کو ایک ساتھ چاک کر ڈالتا اور اس مضبوط تعلق کو جو مذہبی خیال اور علمی فکر میں ہے کھول کر دکھا دیتا۔ ایسا کرنے سے جو رخ و نگاہ دو نون میں ایک مدت سے چلی آتی ہے وہ مٹ جاتی،“

اب دیکھو اسلام نے دین و دنیا کا کیونکر موازنہ کیا اس نے سب سے پہلے جوگی پن اور ترک دنیا کے خیال کو مٹایا۔

اور جوگی بنا جو عیسائیوں نے بجا دیا، ہنری برجیہ نے کھانا	وَرَهَبًا رِيَّةً اِبْتَدَعُوْهَا مَا كُنَّا عَلَیْهِمْ
دنیا میں تھا جو حصہ ہے اس کو بھول نہ جاؤ،	وَلَا تَنْسَ لَعْنَتَكَ مِنَ الدُّنْيَا،
مسلمانوں! خدا نے جو اچھی چیزیں تم کو حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرُمُوا كَسَبَاتِ مَا كَانَ لِلَّهِ وَلَكُمْ
اے محمد صلعم کہہ دے کہ خدا نے جو آرائش بندھے ہو پیدا	أَقْلَ مِنْ حَرَمِ زِينَةِ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ ۖ
کی جو اس کو حرام کئے کیا، اور اچھی خوراک کو کئے حرام کیا	وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ،

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّيسَ وَلَا يُذْهِبَ لَكُمْ الْفَرْسَ | خدا تمہارے ساتھ آسانی کا برتاؤ چاہتا ہے جو نہ سختی  
تمام دیگر مذاہب کی تلقین ہے کہ اس وسیع دنیا سے انسان کا حصہ سدرتی کھانا اور دو گز کپڑا  
ہے، لیکن اسلام بتاتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے زمین، دشت، کوہ، دریا و درخت بچا رہائے  
قل و جواہر۔ فو اکہ و درواج سب اس لیے ہیں کہ انسان اس سے جائز طور پر لطف  
اٹھائے،

اور خدا نے تمہارے لیے زمین اور آسمان کی تمام چیزوں کو مقرر  
کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی ہر قسم کی نعمتیں ظاہری و باطنی جاری  
کر دیں اور خدا نے تمہارے لیے رات، دن، سورج، چاند کو  
مسخر کر دیا اور تمہارے بھی تمہارے تابع فرمان ہیں،  
وہی خدا ہی جس نے دریا کو اس لیے مسخر کر دیا کہ اس سے زیادہ گوشت  
کھاؤ۔ اور اس سے زیادہ کھانا جو کہ تمہاری ضرورت ہو وہی خدا ہی  
کہ بھارتی ہوئی ملی جا رہی ہیں اور تاکہ تم خدا کا فضل اٹھاؤ  
اور گھوڑوں اور گدھوں اور غنیمتوں کو تمہاری ملوای  
اور آرائش کے لیے پیدا کیا،

اور بہت سی چیزیں تمہاری زمین میں پیدا کیں جو کہ تمہاری  
اور وہی تمہارے لیے پانی سے کھیتی، زمینوں، کھجور، اور گندم  
اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے،

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا  
أَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا (نعمان،  
وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ  
وَالْجِبَالَ مُسْتَخَرَاتٍ بِأَمْرٍ رَحِيلٍ،  
وَهُوَ الَّذِي يَسَخِّرُ الْبَحْرَ لَكُم مَّا تَكُونُونَ لَهَا طَرِيقًا  
وَسَخَّرَ جُودًا مِنْ حَلِيبَةٍ لِّتَسُوها وَذَرَىٰ لَكُمْ مَوَاجِرَ  
فِيهِ وَلِيَتَنَبَّؤُا مِنْ فُضْلِهِ -

وَالْحَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَ  
زِينَةً -

وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ  
يَسْبِغُ لَكُمْ فِيهِ الزَّيْتُونَ وَالزُّيُونُ وَالْحَبَّ  
وَمِنْ كُلِّ ثَمَرٍ -

اس قسم کی سیکڑوں آیتیں ہیں جنکا استقصا ضروری نہیں،

ان آیتوں میں بہ تصریح و توضیح بیان کیا کہ دنیا میں جو کچھ ہے سب اسی لیے ہو کہ انسان اس سے متبع اٹھائے۔ اور اسی غرض سے خدا نے تمام چیزوں کو انسان کا منہر کر دیا۔ تسخیر میں جس قسم کی تعیم قرآن نے بیان کی وہ بظاہر استعارہ یا شاعرانہ طرزِ زاد معلوم ہوتا ہو لیکن زمانہ ہر روز ثابت کرتا جاتا ہے کہ استعارہ نہیں بلکہ حقیقی معنی مقصود ہیں۔ بھاپ۔ بجلی۔ الیکٹریٹی۔ آواز وغیرہ چیزیں کس طرح منہر ہو چکیں، اور ان کی تسخیر سے کیسے عجیب و غریب کام یے گئے، یہ نکتہ غور کرنے کے قابل ہے کہ دنیاوی حظوظ و لذائذ جن چیزوں کا نام ہے گو وہ ہزاروں لاکھوں ہیں لیکن انکو اگر اقسام میں محدود کیا جائے تو کل تین قسمیں ٹھہریں گی دولت و مال۔ آل و اولاد۔ شہرت اور بقائے نام۔ اب دیکھو، اسلام نے ان کے متعلق کیا کہا۔ تو انگریز اور جاہ و دولت کو ان نعمتِ الہی میں شمار کیا جن کے عطا کرنے کا احسان انبیاء علیہم السلام پر رکھا گیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا نے جو احسانات کیے ان کا جہان تذکرہ کیا یہ بھی فرمایا۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا قَائِلًا  
اور تجکو غلس پایا تھا تو غنی کر دیا۔

دنیا کا مرتبہ

حضرت سلیمانؑ کو جو سلطنت اور جاہ و دولت عطا کی گئی اس کا ذکر قرآن مجید میں نہایت شان و شوکت سے کیا اور اُسکے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ خود حضرت سلیمانؑ نے خدا سے اسکی استدعا کی تھی۔

رَبِّ قَبْلِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِي كَهَذَا مِنْ بَعْدِي  
خدا! مجکو ایسی سلطنت دے کہ میرے بعد کسی کو نہ مل سکے،

ہو اسرا ئیل پر خدا نے جو احسانات کیے ان میں بڑا احسان یہ بتایا۔



اِنْجَعِلْ فِیْكُمْ اَبْنَاءُ وَّمُلُوكَا  
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِي اِسْرٰءِیْلَ الْكِتٰبَ الْحَكْمَ وَالنُّبُوَّةَ

تم لوگوں میں پیغمبر اور بادشاہ پیدا کیے۔

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب حکومت اور پیغمبری دی

ایک اور آیت میں ہے

هٰذَا اٰیٰتُ الْاَنْبِیَآءِ الّٰہِ الَّذِیْنَ اَرْسَلْنَاھُمْ بِالْحَقِّ وَآتَيْنَاھُمْ مَّا كَانُوْا یَسْتَعْجِلُوْنَ

سو یہ ان پیغمبروں کے فائدہ ان کو کتاب حکومت دی اور ان کو بہت جلد

سب سے بڑھ کر یہ کہ امت محمدیہ کو اعمال صالحہ کے معاوضہ میں جس چیز کے عطا

کرنے کا وعدہ ہوا وہ خلافت اور سلطنت تھی۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَحَلَمُوا الصَّلٰتَ

خدا نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے

کیست فتنہ عمر فی الآخر ص۔

کام کیے یہ وعدہ کیا کہ ان کو خلافت دیگا۔

انسان کے اشرف المخلوقات ہونیکا جہاں ذکر کیا اس کی دنیاوی ترقیوں کا ذکر اس پیرایہ میں

کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ترقیوں کو انسان کے اشرف المخلوقات ہونے میں بڑا دخل ہے،

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِي اٰدَمَ وَجَعَلْنٰھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْآٰخِرَةِ

اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی، اور ان کو خشکی و تری

وَرَزَقْنٰھُمْ مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلَآ

میں پہنچایا۔ اور ان کو اچھے کھانے دیے اور ان کو اپنی اکثر

کثیرہ مہمن خلقنا تفضیلاً

مخلوقات پر فضیلت بخشی،

ایک بہت بڑا قرینہ جس سے یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ اسلام نے دولت و مال کا کیا درجہ قائم کیا ہے

اس بات کا دریافت کرنا ہے کہ قرآن مجید میں خدا نے مال و دولت کو کس لقب سے یاد کیا ہے

استقصا در تفصیل سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید نے ۲۵ جگہ مال کو خدا کا فضل کہا ہے

۲۱ جگہ اس کو خیر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، ۱۲ جگہ حسنہ کہا ہے، ۱۲ جگہ رحمت کا لقب دیا ہے

قرآن مجید میں  
مال و دولت کو  
کونسا نفاظ سے  
یاد کیا ہے



ضمیمہ  
تکمیل نبوت پر امام رضا کی روشنی میں  
از مطالب عالیہ امام رازی

فصل اول | جو لوگ نبوت کے قائل ہیں انہیں دو فرقے ہیں، ایک کا یہ مذہب ہے کہ نبوت کی دلیل معجزہ ہے یعنی اگر کوئی شخص نبوت کا مدعی ہو تو ہم دیکھیں گے کہ اس کے پاس معجزہ ہے یا نہیں؟ اگر ہو تو وہ سچا نبی ہے، اور جب اس طرح اسکی نبوت ثابت ہو جائے گی تو جس بات کو وہ حق کہے گا، ہم حق سمجھیں گے اور جسکو باطل کہے گا اسکو باطل، قدیم اور عام مذہب یہی ہے،

دوسرے فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ پہلے ہلکو خود یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ حق اور باطل کیا ہے؟ اس کے بعد جب ہم کو یہ نظر آئے کہ ایک شخص حق کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور اسکی دعوت میں یہ تاثیر ہے کہ لوگ باطل چھوڑ کر حق کی طرف آتے جاتے ہیں تو ہم سمجھیں گے کہ وہ سچا پیغمبر ہے، یہ طریقہ قریب العقل اور قلیل الشہادت ہے،

اس دوسرے طریقہ کو ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں، لیکن پہلے مقدمات میں ہم نشین کر لینے چاہئیں،  
۱) انسان کا کمال یہ ہے کہ اسکی قوت نظری اور علی دونوں کا مل ہوں، قوت نظری کو کمال کے یہ معنی کہ حقائق اشیاء کا اسکو صحیح علم ہو، یعنی اس کے ذہن میں جس شے کا تصور آئے ٹھیک ملے، مثلاً میں آئے، قوت علی کے کمال کے یہ معنی کہ نفس میں ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ خود بخود اچھے کام سرور ہوں،  
۲) دنیا میں تین طرح کے آدمی ہیں ناقص یعنی جنکی قوت نظری اور علی دونوں ناقص ہیں یہ عوام الناس ہیں خود کمال میں لیکن دوسروں کو کمال نہیں کر سکتے یہ اولیاء اور صلحاء ہیں خود کمال میں دوسروں کو بھی کمال کر سکتے ہیں یہ انبیاء ہیں،

(۳) قوت نظری اور عملی کے درجے بہ لحاظ نقصان و کمال و شدت و ضعف نہایت مختلف ہیں یہاں تک کہ انکی کوئی حد نہیں قرار پا سکتی۔

(۴) گو عموماً تمام لوگوں میں نقصان پایا جاتا ہے لیکن ضرور ہے کہ انہی میں کوئی ایسا کامل بھی ہو جو نقصان سے بمرحل دور ہو۔ اس کی تصدیق مختلف مثالوں سے ہوتی ہے،

(۱) یہ ظاہر ہے کہ انسانوں میں کمال و نقصان کے درجے نہایت متفاوت ہیں نقصان کے درجے بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ بعض انسان عقل و ارادہ میں بالکل جانورنوی قریب ہو جاتے ہیں جب نقصان کی جانب یہ حالت ہو تو ضرور ہے کہ کمال کی جانب بھی یہی حالت ہو یہاں تک کہ انسانیت کی سرحد ملکوتیت سے مل جائے۔

(۲) متقرر بھی اس کی شہادت دیتا ہو، اجسام غصری کی تین قسمیں ہیں معدن نبات حیوان انہیں سب کے افضل حیوان ہے، پھر نبات۔ پھر معدن۔ حیوان کے بھی بہت سے انواع ہیں داران سب میں اشراف انسان ہی اسی طرح انسان کے بھی بہت سے اصناف ہیں مثلاً زنگی، ہندی، رومی، شامی۔ فرنگی، ترک، ان سب میں جو لوگ ایشیا کے وسط حصہ میں سکونت رکھتے ہیں وہ سب افضل ہیں اس قیاس پر ضرور ہے کہ خود ان لوگوں میں بھی کمال کا درجہ متفاوت ہو کر بڑھتا جائے یہاں تک ایک ایسا شخص مل آئے جو اپنے صفت میں بھی سب کے افضل ہو،

ہر دور میں ایک ایسا شخص ہوتا ہی جو اپنے زمانہ کا افضل انسان ہو تا ہو، صوفیہ اسی کو تطہیرت میں اور ترک کہتے ہیں کیونکہ حیل اس عالم جسمانی کا بہترین حصہ انسان ہے جو قوت نظریہ کی وجہ سے عالم ملکوت سے استفادہ کرتا ہو اور قوت عملیہ کی وجہ سے دنیا کی فکر سے محفوظ رہتا ہو تو عالم کا مقصود

اصلی، دراصل یہی انسان ہے اور جب شخص (یعنی قطب) اور تمام انسانوں کی بھی برحکمہ ہو گیا  
اس تمام عالم غصری کا حاصل یہی شخص ہے، اس بنا پر اس شخص کو عالم کا قطب کہنا بالکل صحیح ہے شیعہ  
اسی کو امام معصوم، صاحب الزمان اور غائب عن العیان کہتے ہیں، اور یہ کہنا انکا بجا ہے کیونکہ جب تک اس  
خالی ہی تو معصوم ہے اور جب اپنی دور کا مقصد اسی ہے تو صاحب الزمان ہے اور چونکہ عام لوگ اس کے  
کمال سے واقف نہیں اسلئے گویا وہ غائب عن العیان ہے،

اسی قیاس پر ایک ایسا شخص بھی ہونا چاہیے جو سب فضولوں کی بھی افضل ہو ایسا شخص سیکڑوں ہزاروں  
برس میں کہیں جا کر پیدا ہوتا ہے اور وہی پیغمبر برحق اور موجد شریعت ہوتا ہے ایسے اشخاص بھی ہوتے  
ہیں جو ان فضائل میں پیغمبر سے کم، لیکن اور تمام لوگوں سے زیادہ ہوتے ہیں ایام اور قائم مقام پیغمبر  
ہوتے ہیں امام کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہے جو چاند کو آفتاب سے ہے امام کی جو کم رتبہ ہیں انکو پیغمبر سے  
وہ نسبت ہوتی ہے جو عام تاروں کو آفتاب سے ہے، باقی عوام الناس تو وہ حوادث یومیہ ہیں  
جو اجرام فلکی کی تاثیر سے وجود میں آتے ہیں،

(۵) پیغمبر انسانیت کی خیر سرحد پر ہوتا ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہر نوع کی انتہا و سر  
نوع کی ابتداء سے متصل ہے۔ اس لیے بشریت کی انتہا ملکوتیت کی ابتدا ہے، اس بنا پر پیغمبر بین ملکوتی  
صفات پائے جاتے ہیں وہ جہانیاں سے بے پردہ ہوتا ہے، روحانیت پر غالب ہوتی ہے اسکی قوت  
نظریہ کے آئینہ میں معارف الہی ترسم ہوتے ہیں اسکی قوت عملیہ عالم اجسام میں طرح طرح کے تعارفات  
کر سکتی ہے اور اسی کا نام معجزہ ہے،

اور یہ ثابت ہو چکا کہ نفوس نا طہ مختلف لما ہیتہ ہیں، بعض کی قوت نظریہ نہایت کامل ہوتی ہے لیکن

قوت علی ضعیف ہوتی ہے، بعض اسکے برعکس ہوتے ہیں بعض کو دونوں میں کمال ہوتا ہے اور یہ  
شاذ و نادر ہے، بعض کی دونوں قوتیں ضعیف ہوتی ہیں جیسا کہ عوام الناس کا حال ہے۔

جب یہ مقدمات ثابت ہو چکے تو سمجھنا چاہیے روح کا مرض خدا سے عراض اور دنیا میں ہناک ہو جو  
شخص اس مرض کا طیب ہوتا ہے یعنی لوگوں کو خدا کی طرف توجہ دلاتا ہے اور دنیا سے ہٹاتا ہے یہی پیغمبر ہوتا  
اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ اس صفت میں اختلاف مراتب ہوتا ہے، ایسے جس شخص میں یہ صفت درجہ کمال  
پر پائی جائے گی وہ درجہ نبوت میں بھی کمال درجہ پر ہوگا، جس میں کم درجہ پر ہوگی اسکی نبوت کا درجہ  
بھی نسبتاً کم ہوگا،

**فصل دوم** | قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت کے ثابت کرنا یہی طریقہ فضل اور اکمل ہے  
چنانچہ ہم قرآن مجید کی بعض سورتیں نقل کر کے انکی تفسیر کرتے ہیں جس سے اس دعویٰ کی تصدیق ہوگی  
تسبیح اسعد بک الحمد علیہ السلام چونکہ آیات اصل اور نبوت اسکی فرع ہو ایسے قرآن مجید کا عام  
طریقہ یہ ہے کہ پہلے آیات کا بیان ہوتا ہے چنانچہ اس سورہ میں آیات کے ابتدائی اور فرمایا کہ  
اپنے خدا کی تسبیح پڑھ جو سب سے برتر ہے، یعنی اسکو ملکات سے کیس طرح کی مناسبت نہیں کیونکہ تمام  
ملکات مادہ و صورت، یا جنس و فصل سے مرکب ہیں اور ان کی ذات یا صفات تیز اور فنا کے  
قابل ہیں لیکن خدا ان تمام باتوں سے برتر ہے،

قرآن مجید میں خدا کے ثبوت کی جقدر دلیلین مذکور ہیں سب کا مدار صفات کے حدوث پر ہے (۱) ہم  
مازی کا یہ دعویٰ جو درحقیقت اشاعرہ کی آواز بازگشت ہے ہمارے نزدیک صحیح نہیں خدا کا ثبوت  
صفات کے حدوث پر مبنی نہیں)

الَّذِي خَلَقَ هَبْوَةً (وہ خدا جسے بنایا اور ٹھیک بنایا) اس کے جسم کے عجائبات مراد ہیں۔  
وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ (وہ خدا جسے اشارہ کیا اور راہ دکھائی) اس کے روح کی طرف اشارہ ہے  
وَالَّذِي أَحْوَجَ الْمَكْحَىٰ (اور وہ خدا جسے چارہ پیدا کیا) اس سے نباتات کی طرف اشارہ جو حاصل کیے  
جاء۔ نبات، حیوان، روح سب خدا کے ثبوت کے دلائل ہیں،

آیات کا ذکر ہو چکا تو نباتات کا بیان کیا، اور پر بیان ہو چکا کہ انبیاء کا کمال چار چیزوں میں ہے  
قوت نظری، قوت عملی، دوسری قوت نظری کی تکمیل، دوسری قوت عملی کی تکمیل چنانچہ چاروں  
کو بہ ترتیب بیان کیا،

مَسْقِيًا مَّاءً فَادَّخَلْنَاهُ (ہم تجھ کو پڑھا دیں گے کہ پھر تو نہ بھولے گا) یہ قوت نظری کے کمال کا بیان  
یعنی اے پیغمبر تجھ کو نفس قدسی عطا کیا گیا ہے جو غلطی اور نسیان سے محفوظ ہے، البتہ اقتضائے  
بشریت اس سے مستثنیٰ ہے،

وَنُفِثَ سَكَنًا لِّلْأَيْمَنِ (اور ہم تجھ کو آہستہ آہستہ لائین گے آسانی کی طرف) اس سے قوت عملی کے  
کمال کی طرف اشارہ ہے، یعنی تجھ میں ایسا ملکہ پیدا کیے گئے کہ خود بخود تجھ سے وہ کام سرزد ہو کر جو عباد  
اور راحت دارین کا سبب ہیں،

فَذَلَّلْنَاهُ عَلَىٰ مَا هَدَيْنَاهُ (تو لوگوں کو سمجھا، اگر سمجھا نامفید ہو) اس سے ناقصوں کی  
صلاح کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سمجھانے ہی مراد ہے کہ ناقصوں کی اصلاح کیجائے ساتھ ہی یہ بھی  
بتا دیا کہ شخص میں صلاح کی قابلیت نہیں کیونکہ نفوس انسانی کے مدارج مختلف ہیں بعض کو سمجھانے  
فائدہ پہنچے بعض کو نہیں بعض کو فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا اس لیے کہ سمجھانے کے بعد غلطی اور غلطی

اور ترقی ہوتی ہے؛

اس کے بعد خدا نے دونوں قسم کے آدمیوں کی خاصیتیں بیان کیں چنانچہ فرمایا۔  
 سَيَكُنْ كَرَمَنَ يَجْعَلُ (وہ قبول کر لگا جس کو خدا کا ڈر ہے) یعنی جن لوگوں میں اصلاح کی قابلیت  
 ہوتی ہے ان کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ خوفِ الہی ہر وقت اُن پر چھایا ہوا ہوتا ہے،  
 وَيَجْعَلُهَا لَكَ شِقَىٰ الَّذِي يَصْنَعُ الْتَارَ الْكَبْرَىٰ (اور نصیحت سے وہ بد بخت دور رہتا ہے جو بڑی  
 آگ میں داخل ہونیا لاپے) یعنی جو بد بخت ہیں وہ نصیحت سے متنفر ہوتے ہیں اور اسوجہ سے  
 دنیا میں بھی مبتلائے مصیبت رہتے ہیں اور آخرت میں بھی،

ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (پھر یہ بد بخت نہ مرے گا نہ جیے گا) نہ مرنا اسلئے کہ انسان مرنے سے  
 دراصل نہیں مرتا کیونکہ روح زندہ رہتی ہے، نہ زندہ رہنا اسلئے کہ ایسا جینا گویا جینا نہیں،  
 قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ (وہ کامیاب رہا جسے نفس کا تزکیہ کیا) انبیاء کی تعلیم کا مقصد ہوتا ہے مگر مٹانا،  
 اور خیر کی تعلیم دینا، مَنْ تَزَكَّىٰ سے پہلے مقصد کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تزکیہ کے معنی اخلاقِ بُرہ  
 کے زائل کرنے کے ہیں۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِمْ فَصَلَّ (اور خدا کو یاد کیا اور نماز ادا کی) اس آیت میں تعلیمِ خیر یعنی علم و عملِ شیکھل کا  
 بیان ہے کیونکہ اس علمِ خدا کی معرفت اور اس عباداتِ نماز ہے،  
 بَلْ تُوَدُّونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا دَلِكُمْ لَوَ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (یعنی لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں) یعنی لوگ دنیا کی تعلیم سے  
 اعراض کرتے ہیں انکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انہیں دنیا کی محبت غالب ہوتی ہے،  
 فَلَا يَخْرُجُ خَيْرٌ وَّابَقَا (اور آخرت زیادہ بہتر اور پائدار ہے) آخرت کی ترجیح و طرح پر ثبات کی ایک





قوت علی کی گئیں کیونکہ ہو سکتی ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ جب قدر برائیاں ہیں دو چیزوں کے  
تسلخ ہیں شہوت اور غضب، شہوت ہر قسم کی بد کاریوں کا سبب ہے، اور غضب خوریزی اور  
سفاکی کا، اسی بنا پر جب خدا نے آدم کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں نے کہا،

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَكَيْتُ يَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَكَيْتُ يَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَكَيْتُ يَسْفِكُ الدِّمَاءَ  
اور فساد کرے گا، تو جب انسان شہوت اور غضب کے روئے پر قادر ہو گا اور اسی کا نام مہر ہو تو قوت  
علی کی جس قدر خوبیاں ہیں سب طرد ہو جائیں گی،

بہت سی آیتوں سے اسکی تائید ہوتی ہے کہ نبوت کے لیے صرف انہی اوصاف چار گانہ کا پایا جانا کافی  
ہے، معجزہ کی ضرورت نہیں چنانچہ کفار نے جب رسول اللہ صلعم سے معجزات طلب کیے اور کہا کہ  
ہم تم پر اسوقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک تم زمین سے چشمہ نہ جاری کرو تو خدا نے فرمایا  
قُلْ بُحْبُكًا لِّیَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ أَفَإِنْ لَّمْ يَهْدِنَا رَبِّيَ لَبِئْسَ الْأَوَّلُ (اے محمد کہہ دے کہ سبحان اللہ! میں تو صرف آدمی  
ہوں اور پیغمبر ہوں) یعنی پیغمبری کے لیے ان باتوں پر قادر ہونا ضرور نہیں بلکہ صرف قوت نظری  
اور علی کا کمال کافی ہے،

اسی سورہ شعراء میں جب خدا نے کہا کہ قرآن مجید خدا کا کلام اور شیطان کا کلام نہیں تو ساتھ ہی  
یہ بھی کہا کہ میں تم کو بتاؤں کہ شیطان کس شخص کے پاس آتے ہیں،

تَنزِيلُ عَلَى الْأَنفُسِ أَوَّلًا كَيْفَ يَكُونُ (وہ جھوٹوں اور گنہگاروں کے پاس آتے ہیں) یعنی اگر یہ کلام شیطان  
کی طرف سے ہوتا تو شیطان چونکہ جھوٹ اور بد کاری کی تعلیم دیتا ہے اس لیے ضرور تھا کہ اس  
کلام کا پیش کرنا خود بھی جھوٹا اور بد کار ہوتا اور اسی کی تعلیم بھی دیتا حالانکہ محمد تو ترک دینا

اور توجہ الی اللہ کی تعلیم دیتے ہیں اس آیت میں رسول اللہ کی نبوت پر جو استدلال کیا گیا صرف اس بنا پر کہ وہ ترک نیا اور توجہ الی اللہ کی تعلیم دیتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ نبوت کے لیے اسی قدر کافی ہے معجزہ کی ضرورت نہیں۔

کفار یہ بھی کہتے تھے کہ محمد شاعر ہیں اور ہر شاعر کے پاس ایک شیطان ہوتا ہے اسکو شاعری میں مدد دیتا ہے خدا نے اسکو جواب میں فرمایا کہ شعرا ہر کوچہ میں سرسراتے پھرتے ہیں یعنی وہ لذات نیوی کا ذکر کرتے ہیں اور اسی کی ترغیب دلاتے ہیں اور رسول اللہ خدا پرستی کی تعلیم دیتے ہیں اسیلے شیطان انکا شریک و معین نہیں ہو سکتا، ان تمام آیتوں سے ثابت ہوا کہ نبوت کے اثبات کا یطرز علی اور فضل ہے فصل سوم پیغمبر کی دعوت کا طریقہ،

نبوت کا اصلی مقصد لوگوں کو دنیا سے اعراض اور عاقبت کی طرف توجہ کرنی کی تعلیم دینی ہے لیکن چونکہ انسان کو دنیاوی تعلقات گریز نہیں اس لیے پیغمبر کو دنیوی معاملات پر بھی توجہ ہونا پڑتا ہے، مذہبی تعلیم کے متعلق جو پیغمبر کا فرض ہے، اس کے مہمات اصول تین ہیں،

۱۔ یہ بتانا کہ عالم حادث ہے اور اسکا ایک صانع ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جسکو ممکنات سے کسی طرح کی مشابہت نہیں، جو کمال کے تمام اوصاف کا جامع ہے جس کی قدرت تمام ممکنات میں ساری ہے، جسکا علم تمام اشیاء پر محیط ہے، جو واحد اور یکتا ہے یعنی نہ اس کے اجزاء ہیں نہ اسکا کوئی شریک ہے، نہ مقابل ہے، نہ اسکی بیوی ہے، نہ بچے ہیں، اس کے بعد یہ بتانا کہ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم اور ارادہ سے ہوتا ہے، اور یہ کہ خدا، ظلم اور ہرزہ کاری سے بالکل مبرا ہے، لیکن ان امور کی تعلیم کے لیے پیغمبر حسب ذیل طریقے اختیار کرتا ہے،

(۱) ان عقائد کی تعلیم مناظرہ اور مباحثہ کے طریقہ پر نہیں دیتا، کیونکہ اس طریقہ سے اعتراضات کا راستہ کھلتا ہے، اور پیغمبر اگر ان اعتراضات کے جواب میں مشغول ہو تو یہ سلسلہ بڑھتا جائے، اور اصل مقصد رو جائے اس لیے پیغمبر دلائل کو خطابیات کے پیرایہ میں ادا کرتا ہے جن میں ترغیب و ترہیب بھی شامل ہوتی ہے۔ ترغیب و ترہیب کی وجہ سے دل مرعوب ہو جاتا ہے اور چون چرائی کی مجال نہیں رہتی اور چونکہ فی نفسہ بھی وہ دلائل قوی ہوتے ہیں، اس لیے ارباب نظر کو بھی اسکے قبول پر مجبور نہیں ہوتا۔

(۲) پیغمبر تنزیہ محض کی تعلیم نہیں دیتا کیونکہ تنزیہ محض عام لوگوں کے خیال میں نہیں آسکتی بلکہ وہ پہنے یہ بتاتا ہے کہ خدا کمالات کی مشابہت سے منزہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے،

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ پھر یہ بتاتا ہے کہ خدا تمام مخلوقات پر غالب ہے تمام اچھی باتیں اسی تک منتہی ہوتی ہیں وہ عرش پر قائم ہے لیکن ان پیچیدہ عقائد کے متعلق لوگوں کو غور اور فکر سے بالکل روکتا ہے، ان کوئی صاحب بصیرت ہو تو مضائقہ نہیں پھر بتاتا ہے کہ انسان فاعل مختار ہے جس کام کو چاہے کر سکتا ہے، جسکو نہ چاہے چھوڑ سکتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی تلقین کرتا ہے کہ گوا انسان کو خدا نے ہر طرح کا اختیار دیا ہے تاہم جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے، ایک ایک کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔

یہ دونوں خیال اگرچہ بظاہر متناقض ہیں لیکن وہ ان کو اسی طرح رہنے دیتا ہے اور لوگوں کو اپنے غور و فکر کرنے سے روکتا ہے،

چنانچہ جنابِ سالٹ پناہ نے تعلیم کا یہی طریقہ اختیار کیا اور یہی طریقہ تمام طریقوں سے بہتر ہے، آپ نے سب سے پہلے خدا کی تنزیہ نہایت زور کے ساتھ بیان کی اور یہ آیتیں پیش کیں،

واللہ العفی و انعم الفقہ آءینے خدا بے نیاز ہے اور تم لوگ محتاج ہو اس آیت سے خدا کا ہر چیز سے منزہ ہونا ثابت ہو تا ہے کیونکہ جب غنی ہو گا تو اسکو کسی چیز کی حاجت نہ ہوگی اور جب کسی چیز کی حاجت نہ ہوگی تو وہ مرکب ہو گا نہ متخیز و نہ اگر مرکب یا متخیز ہو تو اسکو جزایا مکان کی حاجت ہوگی لیکن کثیر شئی (اسکے مثل کوئی چیز نہیں) اس سے ثابت ہے کہ خدا جمافی نہیں ورنہ اجسام کے مشابہ ہوتا۔ اسکے ساتھ خدا کے وجود کو بار بار بڑی تاکید کے ساتھ بیان کیا، اے اس لیے ضرور تھا کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو لوگ سمجھتے کہ جب خدا نہ جسم ہے نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں ہے تو دوسرے سے ہو ہی گا نہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے یہ بیان کیا کہ خدا تمام معلومات کا عالم ہے،

وَعِنْدَ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُ إِلَّا هُوَ ۚ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا قُلْتُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ حَافٍ  
لیکن اس سے کچھ بحث نہیں کی کہ علم کی یہ صفت عین ذات ہے یا غیر پھر فرمایا کہ انسان فاعل ہے  
صانع ہے، خالق ہے، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ خیر و شر جو کچھ ہوتا ہے سب خدا کی طرف سے ہوتا ہے  
ان دونوں باتوں میں بظاہر جو تناقض معلوم ہوتا ہے اسکی طرف کچھ توجہ نہیں کی بلکہ صرف یہ حکم  
دیا کہ اپنا رجالی ایمان لاؤ،

غرض آنحضرتؐ کی تعلیم کا اصل اصول یہ ہے کہ خدا کو ہر طرح منزہ مانا جائے اور اس کے متعلق  
کچھ غور نہ کیا جائے کہ اس سے تناقض لازم آتا ہے، اس میں راز یہ ہے کہ اگر یہ مانا جائے کہ  
انسان اپنے بُرے افعال کا آپ خالق ہے تو خدا ظلم کے الزام سے بچ جاتا ہے لیکن اس کی قدرت  
کی وسعت تنگ ہو جاتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ افعال بد کا خالق بھی خدا ہی ہے تو گو قدرت  
کی وسعت ثابت ہوتی ہے لیکن خدا پر ظلم کا الزام آتا ہے، اس لیے آنحضرتؐ نے یہ تعلیم کی کہ خدا کو

تمام افعال کا خالق بھی مانا جائے اور ظلم اور جور سے بری بھی مانا جائے  
 دوسرا اصول انبیاء کی تعلیم کا یہ ہے کہ انسان کو تین طرح سے خدا کی عبادت کرنی چاہیے دل سے،  
 اعضا سے اَل سے پہلی قسم کی عبادت معارف اور اعتقادات ہیں دوسری نماز روزہ وغیرہ تیسری  
 زکوٰۃ وغیرہ، تیسرا اصول قیامت اور واقعات قیامت پر ایمان لانا،  
 یہ تین چیزیں انبیاء کی تعلیم کا اصل لا اصول ہیں،

مہات دین کی دو قسمیں ہیں امورِ ششہ کی تحصیل امورِ قیہ کا ازالہ، دوسری قسم پہلی پر مقدم ہے، کیونکہ  
 ایک لوح پر اگر کوئی غلط تحریر ہو تو پہلے اس کے مٹانے کی ضرورت ہوگی، اس بنا پر سورہ بقرہ  
 میں فرافض مذہبی کے جو مراتب ہفتگانہ مذکور ہیں ان میں سے پہلے تقویٰ کا ذکر ہوا،  
 هٰذَا يَوْمَ يَكْفِيُ كَيْفًا کیونکہ اتفاقاً امورِ قیہ سے پہلے کہتے ہیں باقی مراتب میں یہ ترتیب ہے کہ روح کا

لے امام رازی کی یہ تقریر اگرچہ بظاہر نہایت نفاذ اور دور انداز کا معلوم ہوتی ہے، وہ ایسی تعلیم کی عمدگی ثابت کرتے ہیں  
 جو بالکل متناقض اور متضاد دگر ہے، باقی یہ حکم کہ اس تناقض پر غور کرو، کمان تک تمیل کے قابل ہے، غور  
 اور فکر سے باز نہانا انسان کی اعتقادی چیز نہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام رازی نے انسان کی فطرت کو  
 خوب سمجھا ہے، خود دیکھتے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں آدمی خدا کی نسبت یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تمام چیزوں کا خالق جو  
 کوئی چیز اس کے حکم اور مرضی کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی، ایک پتہ اس کے اشارہ کے بغیر ہل نہیں سکتا باوجود  
 اس کے یہ بھی مانتے ہیں کہ خدا عادل ہے، منصف ہے، رحیم ہے، فیاض ہے، توجب ایسے متناقض خیالوں کو  
 لوگ تسلیم کرتے ہیں اور انکو خیال تک نہیں آتا کہ یہ دونوں اعتقاد باہم متناقض ہیں تو اگر اس کی تعلیم دیکھ لیں تو کیا  
 اعتراض کی بات ہے، اس میں بھی شبہ نہیں کہ اس مسئلہ میں ایک خاص پہلو اختیار کر نیسے یا جبر محض ہو جاتا ہو یا خدا کی  
 عظمت و شان کا پورا اثر اس کے دل پر نہیں رہتا، اسلئے یہی جامع الامداد و طریقہ فطرت انسانی کے مناسب ہے لیکن سب سے  
 دل سے پوچھو تو تین انسان کو فاعل اختیار آتا ہوں اور اس کو خدا کی عظمت و شان میں کچھ فرق نہیں آتا،

مرتبہ جسم سے مقدم ہے اور جسم کا مرتبہ مال سے اسلئے پہلے۔

يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ فرمایا کیونکہ ایمان اور اعتقاد لانا روح سے متعلق ہے، پھر نماز کا ذکر کیا،  
يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ کیونکہ نماز جانی اعمال میں داخل ہے، پھر زکوٰۃ کا بیان کیا،  
وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ کیونکہ زکوٰۃ مال سے متعلق ہے، یہ چار دن امور اکسائے متعلق تھے،  
انکا بیان ہو چکا، تو نبوت کے متعلقات بیان کیے چنانچہ فرمایا۔

وَإِلَّا يَنْفَكُوا يَأْخُذُكَ اللَّهُ إِنَّكَ إِسْمَاعِيلُ بنی اس حضرت پر ایمان لائیکا ذکر ہے، پھر فرمایا،  
وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یعنی انبیاء سابقین پر ایمان لانا بھی مشروط ہے جب کہیات اور نبوت کا  
بیان ہو چکا اور ماضی حال مستقبل تینوں زمانہ کے متعلق جو فرض ہیں انکی تفصیل ہو چکی تو فرمایا،  
أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (یہی لوگ خدا کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور  
یہی لوگ کامیاب ہیں) مقصد یہ کہ جب تک آدمی دنیا میں ہے مسافر ہو اور مسافر کے لیے وضو  
ہے کہ راستہ کے علامات اور حالات معلوم ہوں اس بنا پر ان لوگوں کی شان میں جو فرض ہیں مذکورہ پکارنا  
ہیں فرمایا کہ یہ لوگ راستہ سے واقف ہیں، اور یہی لوگ مرنے کے بعد کامیاب بھی ہونگے یعنی  
منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے۔

اس تقریر کے بعد امام صاحب کہتے ہیں کہ دعوت اسلام کا یہ طریقہ بہترین طرق ہے، اور اگر میں  
شریعت اسلامی کے نکات اور لطائف کی تفصیل بیان کر دوں تو ایک دفتر ہو جائیگا اس لیے  
(اختصار پر قناعت کرتا ہوں،)

فصل چہارم | اس امر کے بیان میں کہ آنحضرت فضل الانبیاء ہیں۔

اور پر بیان ہو چکا کہ پیغمبر وہ ہوتا ہے جو نفوس انسانی کا علاج کرتا ہو، اس بنا پر جس شخص میں یہ وصف زیادہ کمال کے ساتھ پایا جائے گا، اسی قدر وہ پیغمبری میں بھی کامل ہوگا، انبیائے سابقین کے حالات پر غور کرو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کا اثر بنو اسرائیل تک محدود رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم قریباً بالکل بے اثر رہی، جو لوگ آج عیسائیت کے مدعی ہیں وہ تثلیث کے قائل ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ نے تثلیث کی تعلیم نہیں دی تھی، جس بنا پر جو لوگ عیسائی کہلاتے ہیں وہ بھی درحقیقت عیسائی نہیں، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر غور کرو،

آنحضرتؐ سے پہلے تمام عالم گمراہی میں مبتلا تھا، بت پرست پتھر پوجتے تھے، یہود خدا کو مجسم مانتے تھے، مجوسی دو خدا مانتے، اور ماؤن اور بیٹون سے نکاح کرتے تھے، عیسائی تثلیث کے قائل تھے، صابکین ستارہ پرست تھے، اس لحاظ سے تمام عالم گمراہ اور برگشتہ تھا، آنحضرتؐ کا پیدا ہونا تھا کہ تمام دنیا باطلہ غبار بنکر اڑ گئے، اور آفتاب توحید کی روشنی تمام دنیا میں پھیل گئی۔ اس سے علانیہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرتؐ کی دعوت اور ہدایت کا اثر تمام انبیائے سابقین سے بڑھ کر تھا، اس لیے آپ نبوت کے اعتبار سے تمام انبیاء سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔ آنحضرتؐ کے فضل لا انبیاء ہونے کی یہ دلیل تھی دلیل ہر یعنی پہلے نبوت کی حقیقت بیان کی گئی پھر یہ ثابت کیا گیا کہ یہ وصف جس کمال کے درجہ پر آپ کی ذات میں تھا اور کسی پیغمبر میں نہ تھا۔

فصل پنجم | اس بیان میں کہ نبوت کی صحت پر اس طریقہ سے استدلال کرنا زیادہ قوی نسبت اسکے کہ معجزات سے استدلال کیا جائے،

معجزہ سے نبوت پر استدلال کرنا برہانِ رانی ہے یعنی اثر سے موثر پر استدلال کرنا ہے، اور جو طریقہ



ہم نے ابھی بیان کیا، یہ برہان الہی ہے جس سے اہل نبوت کی حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے، اس استدلال کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ امراض روحانی کے طبیب ہیں اور امراض روحانی کے طبیب کی کوئی غیر ہو سکتے ہیں۔

اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گا کہ آنحضرتؐ کا منطق و فلسفہ و ہندسہ و طب غیر وہی واقع ہونا ضرور نہیں بلکہ یہ چیزیں اشتقاق اور توجہ الی اللہ میں خلل نواز ہوتی ہیں اس تقریر سے وہ تمام اعتراضات جو نبوت پر وارد ہوتے ہیں اور جن کا ذکر اوپر گزر چکا خود بخود اٹھ جاتے ہیں مثلاً یہ اعتراض کہ ہر پیغمبر انبیاء سابقین کی شریعت کو منسوخ کر دیتا ہے اور یہ بالکل لغویات ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے دو حصے ہیں عقلی اور وضعی عقلی میں نسخ نہیں ہوتا کیونکہ وہ صرف خدا کی تقدیس اور خلق اللہ کی غیر خواہی کا نام ہے اور یہ نسخ کے قابل نہیں اسی بنا پر قرآن مجید میں آیا ہے کہ۔

تَعَاوَدَ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ مِّمَّنْ بَيَّنَّا وَبَيَّنَّاكُمْ أَنْ لَا تَقْبَلُوا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ أَذْهَبَ قُلُوبًا مِّنْ أُولَٰئِكَ لَا يَفْقَهُونَ

جو ہم دونوں کے نزدیک مسلم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں۔

شریعت کا دوسرا حصہ یعنی احکام اور قانون یہ البتہ نسخ کے قابل ہے اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ انسان جب کسی کام کو ایک مدت تک کرتا آتا ہے تو پھر اس میں اثر باقی نہیں رہتا، وہ اس کام کو بر بنائے عادت کرنے لگتا ہے، نہ بر بنائے رغبت و شوق، اس لیے نسخ کے ذریعہ سے ایک جدت آجاتی ہے اور لوگ اس کام کو شوق اور رغبت سے کرنے لگتے ہیں باقی یہ اعتراض کہ شریعتوں میں جو تھوڑا سا اول بدل ہوتا ہے اس کے لیے قتل و درخونیزی کا جائز رکھنا پسندیدہ نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جزئیات میں اگر ایسا نہ کیا جائے تو کلیات کبھی لوگ نہ مانتے گے (لیکن میرے نزدیک

شریعت اسلامی میں حفاظت خود اختیاری کے سوا کسی حالت میں قتل و زورگیری کی اجازت  
ہی نہیں، شبلی نعمانی

سب سے اخیر اعتراض یہ تھا کہ قرآن مجید میں تشبیہ کے الفاظ بہت داروہین جن کو خدا کا جہانی  
اور مہکافی ہونا ثابت ہوتا ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ تنزیہ محض عام لوگوں کے خیال میں آہی  
نہیں سکتی تھی اس لیے بین بین کا طریقہ اختیار کیا گیا۔



## بحث نبوت پر امام غزالی کی تقریر کا خلاصہ

از مہاراج اللہ سس غزالی

نبوت اور رسالت

اس مسئلہ میں امور ذیل سے بحث ہے،

۱۔ کیا نبوت کی حُدود حقیقت بیان کی جاسکتی ہے؟

۲۔ نبوت کوئی کتابی چیز ہے یا الہامی؟

۳۔ نبوت پر استدلال

۴۔ نبوت کے خواص جنگو معجزات کہتے ہیں۔

۵۔ تبلیغ نبوت کی کیفیت۔

پہلی بحث

نبوت کے مفہوم سمجھنے کے لیے یہ ضرور نہیں کہ اسکی حدِ تام بیان کی جائے، سیکڑ دن ہزار دن چیزیں ہیں جن کی جنس و فصل، حد اور حقیقت ہم کو معلوم نہیں، باوجود اس کے ہم اسکے مفہوم کو سمجھتے اور جانتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شے کا جاننا، حدِ تام، یا جنس و فصل کے جاننے پر موقوف نہیں، عقل و روح، اور غیر مادی اشیاء کا تصور ہم کرتے ہیں اور انکی حقیقت کو بالکل نہیں جانتے،



نبی فطرۃ معتدل مزاج اور پاکیزہ صورت ہوتا ہے، اسکی اٹھان اور تربیت عمدہ ہوتی ہے اسین شریفانہ اخلاق پائے جاتے ہیں اسکے چہرہ سے نور نپکتا ہے، حلم و قار و تواضع، راست گوئی و استداری، اسکی فطرت ہوتی ہے وہ ہر قسم کی رذائل و رذنی باتوں سے بری ہوتا ہے، عفو و احسان، صلہ رحم، حفظ غیب، حسن جوار، اعانت مظلوم، یہ تمام اوصاف اسین بالطبع پائے جاتے ہیں وہ بالطبع اچھی باتوں کو پسند اور بری باتوں سے نفرت کرتا ہے، وہ مغرور و جاہل درشت خواہ اور کج خلق نہیں ہوتا چپ رہتا ہے تو لوگوں پر اسکا رعب چھا جاتا ہے، بات کرتا ہے تو سپر کوئی گرفت نہیں کر سکتا، اسکی حرکت و سکون دونین بخیدگی پائی جاتی ہے، تمام لوگ طوعاً و کرہاً اسکی سنانے بھگتے ہیں

تیسری بحث | نبوت کا ثبوت

نبوت کے ثبوت کے دو طریقے ہیں اجمالی و تفصیلی چنانچہ ہم دونوں کو الگ الگ بیان کرتے ہیں یہ امر بدیہی ہے کہ انسان کو جو چیز تمام حیوانات سے الگ کرتی ہے وہ نفس نامطہ ہے، یہی چیز ہے جسکی بدولت انسان حیوانات سے فائق ہے، انکو مسخر کرتا ہے، انپر ہر طرح کا تصرف کرتا ہے، اسی طرح انبیائین ایک خاص عقل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ تمام انسانوں کو متاثر نظر آتے ہیں، تمام انسان انکے محکوم اور تحت تصرف ہوتے ہیں اور جس طرح انسان کے افعال و حرکات حیوان کے لیے معجزہ ہیں یعنی حیوان کبھی انسان کی قوت فکری اور عقلی کا ہمسر نہیں ہو سکتا، اسی طرح انبیاء کو جو افعال سرزد ہوتے ہیں۔ وہ عام انسانوں کے لیے معجزہ ہوتے ہیں یعنی اور لوگوں سے وہ افعال سرزد نہیں ہو سکتے!

جس طرح نبی کی عقل اور دن سے ممتاز ہوتی ہے اسی طرح اسکا نفس اسکی طبیعت، اسکا مزاج بھی

تمام لوگوں سے ممتاز اور نفوسِ ملکی کے مشابہ ہوتا ہے،

جس طرح ہر حیوان انسان نہیں ہو سکتا، اسی طرح ہر آدمی نبی نہیں ہو سکتا، خدا ہی جانتا ہے کہ کس شخص میں نبی ہونے کی قابلیت ہو اور کس میں نہیں؟ خدا جس شخص کو نبوت کے لیے انتخاب کرتا ہے اسکی عقل اسکی طبیعت اسکا مزاج بھی منتخب ہوتا ہے یعنی اور لوگوں کی عقل، مزاج، اور طبیعت سے اسکو کچھ نسبت نہیں ہوتی، وہ صورت انسانوں کے مشابہ ہوتا ہے لیکن معنی سب سے الگ ہوتا ہے وہ بشر ہوتا ہے لیکن اسکی بشریت وحی کے قابل ہوتی ہے، قرآن مجید کی اس آیت میں قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوحٰی اِلَیَّ فِیْنِیْ دُوْنُوْنَۤ اٰتُوْنِیْ طَرَفَ اِثَارَہٖ ہے،

تفصیلی ثبوت کے تین طریقے ہیں،

**پہلا طریقہ** | انسان میں تین قسم کی قوتیں پائی جاتی ہیں فکری۔ قلبی۔ علمی، ان قوتوں سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی، ان دو متضاد حالتوں کے لحاظ سے ہر ایک کا الگ نام ہوتا ہے، فکر کو حق و باطل سے موسوم کرتے ہیں قول کو صادق و کاذب کہتے ہیں عمل کو خیر و شر سے تعبیر کرتے ہیں،

یہ امر ظاہر ہے کہ تمام افعال قابلِ عمل نہیں ہیں اور نہ سب قابلِ ترک بلکہ بعض قابلِ عمل ہیں اور بعض قابلِ ترک،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قابلِ عمل و قابلِ ترک کی تمیز کیا شخص کر سکتا ہے، یا کوئی نہیں کر سکتا، یا بعض کر سکتے ہیں اور بعض نہیں پہلے دونوں احتمال بلا ہتہ باطل ہیں اسلئے صرف تیسرا احتمال باقی رہا یعنی بعض انسان ایسے ہوتے ہیں جو ان حدود کو متعین کر سکتے ہیں کہ فلاں افعال عمل کے قابل ہیں،

اور فلان نہیں، ایسی لوگ پیغمبر اور بانی شریعت ہوتے ہیں

دوسرے طریقہ | یہ امر ظاہر ہے کہ انسان کی بقا آپس کی اعانت اور اجتماع کو بغیر نہیں ہو سکتی اگر آپس میں

تعاون اور تعاون نہ تو نہ انسان کا کوئی فرد باقی رہ سکتا ہے، نہ اُسکی نوع، نہ اُس کا مال،

نہ اسکی عزت، اس اجتماع اور تعاون کے جو اصول اور آئین ہیں انہی کو شریعت کہتے ہیں اس اجمال کی

تفصیل یہ ہے کہ انسان کی بقاے نوع اور بقاے جان مال کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے تعاون

اور تمانع تعاون کے ذریعہ سے انسان اپنی خوراک لباس اور مسکن در دیگر ضروریات مہیا کرتا ہے

اور تمانع کے ذریعہ سے اس کی جان مال و لا و خطرات سے محفوظ رہتی ہے لیکن اس تعاون اور

تمانع کا کوئی باقاعدہ ضابطہ اور دستور العمل ہونا چاہیے،

یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص لیا و دستور العمل اور ضابطہ نہیں بنا سکتا جو تمام بنی نوع انسان کے

مناسب حال در ہر شخص کی ضروریات کا فیصل ہو، ایسا ضابطہ صرف وہ شخص وضع کر سکتا ہے جسکو قوت

قدسیہ حاصل ہو، جسکو ان روحانیات سے فیض پہنچتا ہو جسکے ہاتھ میں نظام عالم کی باگ ہے، یہ

شخص موزن مذہبی آگاہ ہوتا ہے، ہر بات میں حق کا پیر ہوتا ہے، ہر شخص سے اسکی سمجھ کے موافق

خطاب کرتا ہے، لوگوں کو ان کی استطاعت کے موافق، احکام کی تکلیف دیتا ہے، ایسی

شخص پیغمبر اور رسول ہوتا ہے،

تیسرے طریقہ | اس طریقہ کے سمجھنے کے لیے مقدمات ذیل ذہن نشین رکھنے چاہئیں۔

۱) چونکہ ممکن کا وجود عدم برابر ہے اس لیے ممکن کے وجود میں آنے کے لیے مرجع

کا ہونا ضرور ہے جس کی وجہ سے وجود کو عدم پر ترجیح ہو، ایسی مرجع ممکن کی علت ہوتا ہے،

(۲) ہر قسم کی حرکات کے لیے ایک محرک کی ضرورت ہوتی ہے جو حرکت کی تجدید کرتا رہتا ہے۔ حرکات کی بھی دو قسم ہیں، طبعی اور ارادی، ارادی حرکت کے لیے ضرور ہے کہ اس کے محرک میں ارادہ اور اختیار پایا جائے،

ارادی حرکت کی بھی دو قسم ہیں، خیر و شر، پہلی قسم کے لیے ضرور ہے کہ اس کا محرک حقا عقل و تدبیر ہو اسی بنا پر خدا نے فرمایا ہے **وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ صَمَاءٍ آمْرًا** یعنی خدا ہر آسمان میں بذریعہ وحی اپنا حکم دیتا ہے۔ (۳) جس طرح انسانی حرکات کو ارادہ اور اختیار کی حاجت ہے، یعنی ارادہ اور اختیار کے بغیر وہ وقوع میں نہیں آسکتیں اسی طرح ان حرکات کو ایک ایسے رہنما کی بھی ضرورت ہے جو ٹھیک راستہ بتا سکے تاکہ وہ حق کو باطل سے بچ سکے، خیر کو شر سے تیز کر سکے،

(۴) خدا کے حکم، دو قسم کے ہیں تدبیری اور تکلیفی، پہلا حکم تمام نظام عالم میں جاری ہے جسکی بنا پر تمام عالم میں تدبیر اور نظام کا سلسلہ نظر آتا ہے، قرآن مجید ہے، **وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مَسْجُورَاتٌ** آفتاب، چاند ستارے سب کو حکم کے تابع ہیں، **يَا مَعْزِرُ آلَاءِ اللَّهِ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ** اے بخشنے والا! خدا ہی کے لیے ہیں، ان خلق اور امر دونوں خدا ہی کے لیے ہیں،

تکلیفی حکم صرف انسان کے لیے ہے جو چنانچہ قرآن میں ہے، **يَا أَيُّهَا النَّاسُ احْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ** اے لوگو! خدا کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا، مقدمات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ انسان کو تمام حرکات ممکن ہیں اس لیے مزج کی ضرورت نہیں اختیار سی ہیں اس لیے عقل کی ضرورت ہے، عقل خیر و شر میں، اس لیے رہنما کی ضرورت ہے۔ اسی رہنما کا نام پیغمبر ہے،



نظام عالم میں خدا کا تدبیری حکم جو نافذ ہے، ملائکہ کے ذریعہ سے ہے اس قیاس پر انسانی ذہن خدا کا جو تکلفی حکم نافذ ہے وہ بھی کسی کے ذریعہ سے ہو گا اسی کا نام پیغمبر ہے۔

باقی جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ امر و نہی ترغیب و ترہیب، تنبیہ و تہذیب انبیاء خود اپنی طرف سے کرتے ہیں، خدا کو اس سے واسطہ نہیں اور خدا کی طرف ان افعال کی نسبت مجازاً ہی تو یہ لوگ انبیاء کو (نعمو ذی اللہ) کا ذب اور خائن قرار دیتے ہیں

جب یہ سلم ہے کہ خدا تمام عالم کا بادشاہ ہے، اور بادشاہ عموماً امر و نہی، تنبیہ و تہذیب ترغیب و ترہیب کرتے ہیں تو خدا سے یہ امور کیوں بعید ہیں،

نبوت کے خواص | نبوت کے تین خاصے ہیں ایک قوت تخیل سے متعلق ہے دوسری قوت نظری ہے تیسری قوت عملی سے، پہلی خاصیت کی تفصیل حسب ذیل ہے،

امام غزالیؒ نے بیان یونانی فلسفہ کا ایک سلسلہ بیان کیا ہے اور اسکو بہت پھیلا کر لکھا ہے لیکن مسئلہ نہایت نواور معلوم ہے اور اسکی دلیل اس سے زیادہ معلوم اسکا خلاصہ یہ ہے کہ یونانیوں کے نزدیک افلاک ذی روح ہیں اور تمام کلیات و جزئیات کی صورتیں ان کے نفس میں مرتسم ہیں اس بنا پر وہ عالم جزئیات و کلیات ہیں، انسان کو جو علم ہوتا ہے وہ اسوجہ سے ہوتا ہے کہ اسکو علیہ جو افلاک نفوس درجہ ہر مجروحہ میں مرتسم ہیں وہی انسان کے نفس نامطقہ میں مرتسم ہو جاتے ہیں کیونکہ نفس نامطقہ جو نہ مجروحہ ہے اس لیے اسکو عقول مجروحہ اور نفوس افلاک سے اتصال ہوتا ہے، لیکن امام صاحب کا اصلی استدلال اس مسئلہ کے ماننے پر موقوف نہیں، وہ قوت تخیل سے استدلال کرتے ہیں اور قوت تخیل کے وجود سے کسی کو انکار نہیں ہے)

قوت متخیلہ میں جو اشیاء کی صورتوں کے مرتسم ہونے کی قابلیت ہے، وہ مختلف المذاہج ہیں بعض آدمیوں میں یہ قابلیت قوی ہوتی ہے، بعض میں کمزور اور بعض میں بالکل ندارد، قوت متخیلہ جتنی ہوتی ہے، تو محسوسات سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی فوراً اس میں صورتیں مرتسم ہونی شروع ہوتی ہیں، قوت متخیلہ کا ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ ایک صورت پر قناعت نہیں کرتی، ایک صورت کو چھوڑ کر دوسری صورتیں پیدا کرنی شروع کرتی ہے، جو پہلی صورت کے مشابہ یا مخالف ہوتی ہیں مثلاً انسان ایک شے کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، دیکھتے دیکھتے اس کا خیال ایک دوسرے تعلق سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، پھر اس چیز سے ایک اور چیز کی طرف ایسا تک پہنچتا ہے کہ پہلی چیز بالکل بھول جاتی ہے اسی حالت میں پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ اس چیز کا کیوں تصور ہوا تھا اس طرح پھر سلسلہ پہلے خیال کی طرف واپس آ جاتا ہے،

یہ قوت بعضوں میں اس قدر مستحکم اور قوی ہوتی ہے کہ جو صورت خیال میں آتی ہے وہ قائم رہتی ہے اور اس سے ہٹ کر دوسری صورتوں کی طرف منتقل نہیں ہوتی، اس قسم کی قوت سے جو خواب نظر آتا ہے وہ محتاج تعبیر نہیں ہوتا۔

قوت متخیلہ عموماً اس وقت کام کرتی ہے جب ظاہری حواس بیکار ہوتے ہیں اسی بنا پر نیند کی حالت میں یہ قوت زیادہ تر کام کرتی ہے کیونکہ اس وقت حواس ظاہری معطل رہتے ہیں لیکن بعض آدمیوں میں یہ قوت اس قدر قوی ہوتی ہے کہ حواس ظاہری کے بحال رہنے کی حالت میں بھی وہ اپنا کام کرتی ہے اور اس لیے بیداری میں بھی انکو وہ باتیں نظر آتی ہیں جو اور لوگوں کو خواب کی حالت میں نظر آتی ہیں،

قوت متخیلہ کو جو صورتیں نظر آتی ہیں کبھی وہ انہیں تصرف کر کے حص مشترک کے حوالہ کرتی ہیں، اس صورت میں انسان عجیب و غریب خدائی صورتیں اور آوازیں مشاہدہ کرتا ہوا درشتا ہونے کی صورتیں اور آوازیں بالکل محسوسات کے مثل ہوتی ہیں، یہ نبوت کا ادنیٰ درجہ ہے، اس سے ترقی ہو کر یہ حالت پیدا ہوتی ہے کہ قوت متخیلہ ان صورتوں میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرتی اور بعینہ وہی صورتیں حص مشترک میں آتی ہیں،

اس سے بڑھ کر یہ کہ قوت متخیلہ، اور قوت عقلی اور علمی ایک ساتھ کام کرتی ہیں اور یہ درجہ نبوت کا وہ درجہ ہے جو قوت عقلی، علمی اور خیالی تینوں کا جامع ہے، قرآن مجید کے تصویف خیالی کر کے بطرح ایک ایک جزئی واقعہ بیان کیا ہے، گویا تمام واقعات آنحضرت کی آنکھوں کے سامنے تھے اور یہ تمام واقعات بالکل صحیح ہیں،

یہ امر کہ جو صورتیں قوت متخیلہ میں مرتسم ہوتی ہیں وہ حص مشترک میں آکر انکھوں سے نظر آنے لگتی ہیں، اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ مجاہدین کو دیکھو، وہ جو کچھ تخیل کرتے ہیں انکو آنکھوں سے نظر آنے لگتا ہے، اصل یہ ہے کہ قوت متخیلہ عقل درجہ دو قوتوں کے درمیان میں واقع ہے، جس قوت متخیلہ کے سامنے محسوس صورتیں پیش کر کے اسکو اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے عقل کا یہ کام ہے کہ قوت متخیلہ کو غلط تخیلات سے روکتی ہے، ان دونوں قوتوں کی کشش اور مزاحمت میں قوت متخیلہ اپنا اصلی کام آزادی سے نہیں کر سکتی، لیکن جہاں میں سے ایک کا زور کم ہوتا ہے، تو قوت متخیلہ آزادی حاصل کرنا چاہتی ہے مثلاً جب توحید کا بار سپر نہیں پڑتا تو وہ عقل پر غالب آکر اپنی خواہش میں مشغول ہوتی ہے۔ انبیائی اس قوت کو قوت متخیلہ کے بجائے قوت قدسیہ کہنا زیادہ صحیح ہے، ۱۲ شبلی نعمانی،

یعنی صورتوں کو اصلی صورت میں جس مشترک کے حوالہ کرتی ہے، نیز میں یہی کیفیت ہوتی ہے یا مثلاً جب عقل کی حکومت سے اسکو نجات ملتی ہے تو قوت حسیہ پر غالب کر خیالی صورتوں کو اس طرح جس مشترک میں بھیجتی ہے کہ وہ آنکھوں سے نظر آنے لگتی ہیں چنانچہ جنوں اور غوث کی حالت میں ایسا ہی ہوتا ہے اسی بنا پر ان حالتوں میں مجاہدین کو وحشت ناک صورتیں نظر آتی ہیں،

اسی بنا پر واقعات غیب کی خبر جو لوگ دیتے ہیں اسی حالت میں دیتے ہیں جب تک تو اسے حسیہ باطل ہو جاتے ہیں اور اُن پر صریح یا غشی طاری ہوتی ہے،

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قوت تخیل زیادہ کام کرتے کرتے تھک جاتی ہے، اس صحت میں وہ محسوسات کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہے، اور اس وجہ سے نفس ناطقہ سے اتصال ہوتا ہے اور صور مجرّدہ کو وہ مشاہدہ کرتی ہے، گاہن جو واقعات آئندہ کی پیشینگویمان کرتے ہیں اسی حالت میں کرتے ہیں۔ یہاں یہ اعتراض پیدا ہو گا کہ جب مجاہدین کا ہن آسینہ وہ بھی واقعات آئندہ کی پیشینگوئی کر سکتے ہیں تو نبوت کو کیا ترجیح ہوئی،

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے پہلی بیان کیا ہے کہ تخیل کے مراتب مختلف اور حدیں یکساں ہیں یہاں تک کہ بعض حکما کا قول ہے کہ تخیل کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ روح کو اس نفس سے اتصال ہو جائے جو فلک قمر کی مدار اور دایرہ السّور ہے، اور تمام وہ صورتیں سمجھیں مگر جو نفس فلکی میں قسم میں رہے ہی ارسطو کا خیال ہے کہ افلاک صاحب دراک ہیں اور جو صور علیہ ان میں مرقم ہیں وہ سب انسان کے نفس ناطقہ میں بھی مرقم ہو سکتے ہیں، یہ تخیل کا اعلیٰ درجہ ہے،

تخیل کا ادنیٰ درجہ حیوانات میں پایا جاتا ہے اور بعض حیوانات میں مطلقاً یہ قوت نہیں ہوتی،

یہ اختلاف قوت و ضعف کی بنا پر تھا، بتائیں اور تضاد کا اختلاف اس طرح ہوتا ہے کہ بعض خیالات بکے اور صحیح ہوتے ہیں اور انکا خروج نفوس مقدسہ ہوتے ہیں بعض بالکل جھوٹے اور فتنہ انگیز اور انکا خروج نفوس مجذوبہ ہوتے ہیں بعض دونوں کے بین ہیں یا یہ بات بھی یہاں جھٹلنے کے قابل ہے کہ عقل خیال اور حس کے مختلف اقسام ہیں عقل محض حسین مطلق خیال کی آمیزش نہیں خیال محض حسین عقل کا لگاؤ نہیں، عقل جو بالکل خیال ہے خیال جو بالکل عقل ہے جس جو خیال سے پیدا ہوتی ہے خیال جو حس سے پیدا ہوتا ہے،

اسی طرح بعض علم بالکل ظن کے مشابہ ہوتے ہیں اور بعض ظن علم کے ہم پایہ ہوتے ہیں قرآن مجید کی اس آیت میں دانا ظننا اَنْ كُنَّ لِحُجْرَةِ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ دوسری قسم کے ظن کا ذکر ہے،  
 اور قرآن مجید میں جن کا جہان ذکر آیا ہے، ظن کے لفظ سے آیا ہے اس سبب ثابت ہوتا ہے کہ انکا وجود اور انکا تصور خیالی ہے اور ان کی صورتیں صرف خیال کو نظر آ سکتی ہیں اور چونکہ خیال حس و عقل کے درمیان میں ہے، اسلئے جو چیز خیالی ہوگی وہ مسمانی اور روحانی کے بین ہیں ہوگی جیسے جنت اور شیاطین اور جو چیز وسط میں ہوتی ہے وہ یا تو طرفین سے مرکب ہوتی ہے یا دونوں الگ ہوتی ہے۔

نہت کی دوسری خاصیت | یہ خاصیت قوت نظری کے تابع ہے،

اشیائے مجملہ کے اور اک کا طریقہ یہ ہے کہ چند معلوم باتوں کو ترتیب دیتی ہیں اس ترتیب سے ایک مجہول بات معلوم ہو جاتی ہے مثلاً کہ کو معلوم تھا کہ عالم میں تغیر ہوتا رہتا ہے یہی معلوم تھا کہ جس چیز سے یہ فقرہ امام غزالی کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے،

تغیر ہوتا رہتا ہے وہ فانی ہے، ان دونوں مقدمات کو جب اس طرح ترتیب دیا کہ عالم متغیر ہے اور جو تغیر ہو فانی ہے تو یہ نتیجہ نکلا کہ عالم فانی ہے، یہ نتیجہ ہلکے پہلے معلوم تھا لیکن جن مقدمات کی ترتیب سے معلوم ہوا وہ پہلے سے معلوم تھے، ان مقدمات کو صغریٰ اور کبریٰ کہتے ہیں اور جو جز، دونوں مقدموں میں مشترک ہوتا ہے اسکو حد واسطہ کہتے ہیں

اشیاء کے مجموعہ کا علم دو طریقہ سے ہوتا ہے فکر اور حدس، فکر میں ذہن مقدمات معلوم کیطرت متوجہ ہوتا ہے، حد واسطہ کو تلاش کرتا ہے سب کو ملا کر ترتیب دیتا ہے ترتیب سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے، حدس میں دفعہ تمام مقدمات ذہن میں آجاتے ہیں اور اسے فوراً نتیجہ کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے ممکن ہے کہ اس حالت میں بھی حرکت فکری وقوع میں آتی ہو لیکن یہ حرکت استدر جلد اور غیر نایان ہوتی ہے کہ ذہن اسکو مطلق محسوس نہیں کرتا حدس میں کم کیفیت دونوں اعتبار سے اختلاف مراتب ہوتا ہے بعض آدمیوں کو اکثر حدس ہوتا ہے بعض آدمیوں کو نہایت جلد ہوتا ہے یعنی ذرا سا غور کرنے سے فوراً مقدمات ذہن میں آجاتے ہیں اور ساتھ ہی نتیجہ بھی ذہن میں آجاتا ہے حدس کے مراتب نہایت مختلف ہیں بعض ایسے کو دن ہوتے ہیں کہ سیکڑ دن دفعہ غور کر نیسے بھی انکا ذہن نتیجہ کیطرت منتقل نہیں ہوتا، بعض کا ذہن جلدی سے منتقل ہوتا ہے بعض کا اس سے بھی زیادہ دگنڈا الی غیر النہایت،

حدس کا جو سب سے انتہائی درجہ ہے وہ نبوت کا خاصہ ہے، نبی کو جو اشیاء کا علم ہوتا ہے مقدمات کی ترتیب اور استنباط سے نہیں ہوتا بلکہ خود بخود دفعہ اس کے دل میں القا ہو جاتا ہے

یہاں یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ قوت نبی کے سوا اور لوگوں میں بھی ہوتی ہے جو شخص کسی فن کا ماہر ہوتا ہے اس فن کے متعلق اکثر امور دفعہ اس کے ذہن میں آجاتے ہیں تو نبی کو ترجیح کیا ہوئی؟ اس کا

جواب یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ اس قوت میں اختلاف مدارج ہی تو نبوت کا خاصہ وہ حد تک ہے جو ان مدارج کی اخیر انتہا ہے،

نبوت کا تیسرا خاصہ یہ امر بدائے ثابت ہے کہ خیال در تصور کا اثر جسم پر پڑتا ہے۔ انسان پر غیب طاری ہوتا ہے تو جسم پر ایک خاص حالت طاری ہوتی ہے غصہ کی حالت میں دوسرا اثر ہوتا ہے ایک محبوب صورت کا خیال دل میں آتا ہے تو اعضا میں ایک در قسم کی حرکت پیدا ہوتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قوائے نفسانی جسم پر اثر کرتے ہیں اب جس طرح نفس کا اثر اپنے جسم پر ہوتا ہے ممکن ہے کہ بعض نفوس ایسے قوی ہوں کہ ان کا اثر صرف ان کے جسم پر محدود نہ ہو بلکہ اور اجسام پہ بھی اثر کریں جس سے تیرید یا تحریک یا سکون یا تکلیف یا تسکین حاصل ہو اور اس کا یہ نتیجہ ہو کہ بدل پیدا جائیں یا زلزلہ آجائے یا چشمہ جاری ہو جائے۔

اس قسم کی قوت جن نفوس میں ہوتی ہے وہ اگر نیک اور پاکیزہ اخلاق ہوں تو یہ افعال بخیر یا کراہت کہلاتے ہیں، اور نہ سحر اور جادو یا یہ قوت تزکیہ نفس اور ریاضت سے ترقی کر سکتی ہے،

اس موقع پر یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ یہ امور فرضی نہیں ہیں بلکہ چونکہ تجربات سے انکا ثبوت ہوا ہے اس لیے ان کے اسباب بحث کی گئی، اگر کسی شخص میں یہ قوت خود موجود ہو، اور وہ ان افعال کے اسباب پر غور کرے تو اسکو وجدان اور دلیل دونوں حاصل ہونگے،

خاتمہ | نوع بشری میں سب سے افضل وہ ہے جس کی قوت حدیثہ بقدر قوی ہو کہ اسکو تعلم و تعلیم کی بالکل حاجت نہ ہو اور قوت تخیلہ بقدر صحیح اور مضبوط ہو کہ محسوسات اسکو اپنی طرف متوجہ نہ کرنے پائیں، بلکہ نفس سے جو دراکات پیدا ہوتے ہیں وہ مجسم ہو کر سامنے آئیں۔

اور قوت نفسانی اس قدر قوی ہو کہ عالم اجسام پر اثر ڈال سکے یہاں تک کہ اجرام علوی بھی اس کے تابع بن جائیں۔

اس درجہ سے اتر کر وہ شخص ہے جس میں صرف دو پہلی باتیں ہوں، اس سے کم وہ جس کی صرف قوت نظری قوی ہو، اس سے کم وہ جسکی صرف قوت عملی قوی ہو،

جس شخص میں تینوں باتیں پائی جائیں وہ گویا شہنشاہ ہے، عالم علوی سے اسکو یہ نسبت ہو کہ جب چاہے اس عالم میں شامل ہو جائے، عالم نفسانی کا وہ گویا رہنے والا ہے، اور عالم اجسام پر جس کا چاہے تصرف کر سکتا ہے،

اس سے کم درجہ پر جو شخص ہے وہ دوسرے درجہ کا بادشاہ ہے، اس سے کم درجہ کے لوگ شرفاء امت ہیں،

جنہیں کسی قسم کی قوت نہ ہو لیکن اخلاق حسنہ سے متصف ہونے کی قابلیت ہو وہ اذکیاے امت ہیں جو عام آدمیوں سے ممتاز ہیں،





## تصحیح اسماء

چونکہ اس کتاب میں اکثر فرانس و جرمن وغیرہ کے فضلا اور مصنفین کے نام آئے ہیں جن کا صحیح تلفظ اردو میں ادا نہیں ہو سکتا، اسلئے ان ناموں کو انگریزی خط میں لکھا جاتا ہے کہ ناظرین ان ناموں کو صحت کے ساتھ پڑھ سکیں،

ڈارون کا معاصر اور ہم پایہ اور مسلمہ ارتقاء کی ایجاد میں ڈارون کا شریک تھا۔	R. Wallace	ولیس
فرینکل سائنس کا مشہور عالم ہر	Lodge	لودج
	Ricket	ریچٹ
جرمنی کا مشہور فاضل ہر جو استرازی کا بہت بڑا پیروار	golner	زولنر
طبیعیات کا بہت بڑا عالم ہے،	Lyndall	لینڈل
فن کشوری کا بہت بڑا ماہر ہے،	Crookes	کروکس
امریکی تعلیمی سوسائٹی کا پریسیڈنٹ ہے،	Elliot Couse	ایٹ
	Du; Du; Trochet	ڈوٹروشیہ
	Du; Bois: Raymond	ڈوبوئس ریمونڈ
	Milne Edwards	میلن اڈورڈ
	Vabalier	ویبلیئر
فرانس کا مشہور فاضل ہر جس نے انسانیت کا پتہ لگایا	Larousse	لاروس
	Skeffer	شکفر
	Buchner	بوشنر

<i>Racine</i>	رایسن
<i>Benjamin Constant</i>	بنجامن کانستان
<i>Chisler</i>	گسler
<i>Conte</i>	کانٹ
<i>Du Morgan</i>	دومارگن
<i>John Cox</i>	جان کوکس
<i>Hickson</i>	هکسن
<i>Lombroso</i>	لمبروزو
<i>Haslop</i>	ہزلوپ
<i>Hodgson</i>	ہودسن
<i>Camille Flammarion</i>	کیمیل فلامریان
<i>Chamber</i>	شمبر
<i>Parkes</i>	پارکس
<i>Cromwell Forley</i>	کراول فارلی
<i>weber</i>	ویبر
<i>Alexander Herz</i>	الکسندر کانزدکات
<i>otoff</i>	

## مولانا شبلی کا سلسلہ علم الکلام

مولانا نے چاہا تھا کہ پہلے مسلمانوں کے علم الکلام کی تاریخ لکھیں، پھر اکابر علمائے متکلمین کی سوانح عمریان، اور ان کے حکمانہ مجتہدات لکھیں اور اُس کے بعد انھیں بزرگوں کے اصول کے مطابق جدید علم کلام ترتیب دیں۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق انھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھیں جو ہمارے ان موجود ہیں۔

- (۱) علم الکلام یعنی مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ مطبوعہ معارف قیمت،
- (۲) الغزالی، امام غزالی کی سیرت اور ان کے فلسفیانہ اجتہادات، قیمت،
- (۳) سوانح مولانا روم، مولانا رومی کے حالات، اور ان کا علم کلام قیمت، میر

(۴) الکلاقر، یعنی جدید علم کلام جس میں فلسفہ حال کے مقابل میں اسلامی عقائد کو ثابت کیا گیا ہے مطبوعہ معارف، قیمت،

مینجر دہلوی المصنفین اعظم گٹھ



## EXTRACTS FROM THE RULES

OF

I. C. L. S. LIBRARY.

6. Not more than one book shall be issued to one member at a time.  
Every book must be returned to the Library within a week of the date of its issue.
7. Book lost, injured or defaced in any way by one of the borrowers must either be replaced or its price paid for.
7. Books of Reference and Text Books will not be issued to any Member without the special permission of the Librarian.  
Such books must be returned within 48 hours.
8. The books shall not be transferable.
9. A fine of one Anna will be charged for each day the book is kept over-time.
10. Members abusing the privileges conferred on them by this chapter may be debarred from using the Library by the Librarian.



ش ۱۲

۲۱۰

This book was taken from the Library  
۲۵ on the date last stamped, A fine of  
1 anna will be charged for each  
day the book is kept over time.

10 DEC 65

21 JUN 1973

6 FEB 66

20 FEB 65

27 JUN 72

AD SEP 55

A.U.

22 SEP 81

5 NOV 65

26 NOV 84

51 DEC 65

14 MAR 1972

T 71.05.92

96

URDU STACKS

